خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

# خواتین ڈائجسٹ

اپریل 2026

## سالگرہ نمبر

خواتین ڈائجسٹ

KHAWATEEN DIGEST Regd. No. MC-51 APRIL 2026

قیمت 180/- روپے

Scanned with CamScanner

# خواتین ڈائجسٹ


MEMBER APNS CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

واٹس ایپ 03172266944

بانی ——— محمود ریاض

مدیرہ ——— نادرہ خاتون
نائب مدیرہ ——— رضیہ جمیل
مدیر خصوصی ——— امت الصبور
بلقیس بھٹی
لفظیات ——— ادارہ
قانونی مشیر ——— نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل ایڈوائزرز



کہنی ان کہنی، مدیرہ 6
کرن کرن روشنی، ادارہ 7
ہمارے نام، نادرہ خاتون 32

**آپ سے کیا پردہ**

فقیر بن کر، انشا جی 12

**خاتون کی ڈائری**

میری ڈائری سے، امت الصبور 199

**انٹرویو**

عنبرین ابدال سے ملاقات، شاہین رشید 27

**سروے**

ستاروں کی رہگزر پر، ادارہ 18

**مجھ سے ملیے**

باتیں ریحان ناظم سے، شاہین رشید 13

**مکمل ناول**

بازی کدہ، سعیدہ حیدر 34
ہم پر کیا الزام، آسیہ رئیس خان 122
تم میری دنیا ہو، عنبرین ابدال 160
ایک دفعہ کا ذکر ہے، فرح بخاری 86

**افسانے**

آواز پلٹ کر آتی ہے، قانتہ رابعہ 112
سوا سیر، عقیلہ ہاشمی 74
تعلق کی رسوائی، ماجرہ ریحان 80



ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔


Scanned with CamScanner

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ——— 2200 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 5500 روپے

[illegible]

subscription@khawateendigest.com

اپریل 2026

جلد 53 شمارہ 12

قیمت 150 روپے



کھلی آنکھ کا خواب، معافیہ شہباز 154

لفظوں کی مار، راشدہ رفعت 192


## نظمیں غزلیں


غزل، باصر سلطان کاظمی 196

نظم، خالد معین 196


## پکوان


موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 205

آپ کا باورچی خانہ، سمیرا سلیم 206


## رنگا رنگ پھول


رنگا رنگ سلسلہ، شگفتہ جاوید 197



خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی


## نفسیات


نفسیاتی ازدواجی الجھنیں، ادارہ 208


## بیوٹی بکس


بیوٹی بکس کے مشورے، امت الصبور 210



خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔

ایڈیٹو پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی



Phone: 32721777, 32726617 Fax: 92-21-32766872 0317 2266944

Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com



Scanned with CamScanner

# کہی سُنی

خواتین ڈائجسٹ اپریل کا شمارہ سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے
صد شکر اللہ تعالیٰ کا...... آپ کی پرخلوص رفاقتوں اور محبتوں میں ایک اور سال کی مسافت طے کر کے 2026ء تک آ پہنچے ہیں۔

راہ طویل تھی، اور مشکل بھی۔ بہت سی کٹھنائیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور کرم ہے کہ وقت کی تیز رفتار تبدیلیوں اور تندو تیز ہواؤں کے باوجود اس چراغ کی لو مدھم نہ ہوئی۔ کتنا وقت گزر گیا۔ بہت سے لوگ ساتھ چھوڑ گئے لیکن خواتین ڈائجسٹ کا معیار آج بھی وہی ہے جو محمود ریاض صاحب نے متعین کیا تھا۔

خواتین ڈائجسٹ نے اپنی مذہبی اور تہذیبی روایتوں کو قائم رکھتے ہوئے جدیدیت کے امتزاج سے وقت کا ساتھ نبھایا اور زندگی کے بہت سے رویوں کی نقش گری کر کے فکر و اظہار کے نئے دریچے کھولے۔ اس کی سب سے بڑی گواہ ہماری قارئین ہیں۔

ہماری مصنفین نے اس طویل سفر میں ہمارا بھرپور ساتھ دیا۔ انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعے لاکھوں قارئین کو جینے کا سلیقہ اور ہنر سکھایا۔ مایوس دلوں میں امید کے چراغ روشن کیے۔ ہم اپنی مصنفین کے تہہ دل سے ممنون ہیں۔ بہت سی مصنفین، ہمارے درمیان نہیں۔ ان کے لیے دعا گو ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین

محمود ریاض صاحب جنہوں نے ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی بنیاد رکھی۔ محمود بابر فیصل، محمود خاور اور عامر محمود دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں لیکن ہمارے دلوں میں آج بھی ان کی یادیں زندہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

ہم اپنی قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جنہوں نے خواتین ڈائجسٹ کے سلسلوں میں نئے رنگ بھرے۔ خواتین ڈائجسٹ کے سلسلوں کی کامیابی درحقیقت ہماری قارئین کی کامیابی ہے۔
اللہ تعالیٰ ان محبتوں کو قائم و دائم رکھے۔ آمین

## قیمت میں اضافہ

پچھلے چند سالوں میں مہنگائی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے۔ وہ رکنے کا نام نہیں لے رہا۔ ہر شے کی قیمت میں کئی سو گنا اضافہ ہو چکا ہے۔ پرچے کے اخراجات بھی کئی سو گنا بڑھ چکے ہیں دیگر اداروں نے بہت پہلے قیمت میں اضافہ کر دیا تھا لیکن اپنے قارئین کا خیال رکھتے ہوئے خواتین ڈائجسٹ نے پرچے کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا۔ اور ادارہ خود یہ اضافی بوجھ برداشت کرتا رہا۔ اب مہنگائی کی نئی لہر کی وجہ سے موجودہ قیمت کو برقرار رکھنا بہت مشکل ہو گیا ہے اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی قیمت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ قارئین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہماری مجبوری کو سمجھتے ہوئے ادارہ کے ساتھ تعاون کریں گی۔



Scanned with CamScanner

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔

قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

# کرن کرن روشنی

ادارہ

## فتنے اور آزمائش کے وقت حق پر جمے رہنا

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اس زمانے میں تمہارا کیا حال ہوگا جو عنقریب آنے والا ہے جس میں لوگوں کو خوب چھان لیا جائے گا۔ (اہل ایمان اور اچھے آدمی اٹھا لیے جائیں گے) اور چھان بورا باقی رہ جائے گا (بے دین اور رذیل لوگ باقی رہ جائیں گے) جن کے عہد و مواعید میں بے وفائی اور امانتوں میں خیانت ہوگی اور ان میں اس طرح سے اختلاف ہو جائے گا۔"

یہ فرماتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر ڈال کر دکھایا۔

صحابہؓ نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! جب یہ صورت حال ہو تو ہم کیا کریں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "جو بات تمہیں (قرآن و سنت کی روشنی میں) صحیح معلوم ہو اسے اختیار کرو اور جو بات (قرآن و سنت کی روشنی میں) غلط معلوم ہو اسے چھوڑ دو اور اپنے خاص افراد (اہل خانہ، اقارب، مخلص، دوست وغیرہ) پر توجہ دو اور عام لوگوں کے معاملات سے ایک طرف ہو جاؤ۔"

## فوائد و مسائل

1۔ دور صحابہ میں نیک لوگ زیادہ تھے، بعد میں مرور ایام کے ساتھ ساتھ صورت حال بدلتی گئی، اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ و تابعین کا دور "بہترین زمانہ" ہے۔

2۔ نیک لوگ ہر دور میں موجود رہیں گے، تاہم ان کی تعداد بعض زمانوں میں زیادہ اور بعض میں کم ہو سکتی ہے۔

3۔ وعدہ پورا نہ کرنا اختلاف اور فساد کا باعث ہے۔

4۔ خرابی کے ایام میں صحیح اور غلط کا معیار قرآن و حدیث اور صحابہ و تابعین کا عمل ہے۔



Scanned with CamScanner

6۔ جو شخص عوام کی اصلاح نہ کر سکے، اسے اپنے اعمال میں بہرحال صحیح راستہ اختیار کرنا چاہیے۔

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''ابوذر! اس وقت تو کیا کرے گا، جب لوگوں میں موت کثرت سے واقع ہوگی، حتیٰ کہ ایک گھر یعنی قبر کی قیمت ایک غلام کے برابر ہوگی؟''

میں نے کہا۔ ''(میں وہی کچھ کروں گا) جو کچھ میرے لیے اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرمائیں۔'' یا میں نے کہا۔ ''اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں (کہ مجھے ان حالات میں کیا کرنا چاہیے۔)''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''صبر کرنا۔''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تو کیا کرے گا، جب لوگوں کو بھوک کا سامنا ہوگا، حتیٰ کہ تو مسجد میں آئے گا تو تجھ سے اپنے بستر تک واپس نہیں پہنچا جائے گا اور تو اپنے بستر سے اٹھ کر اپنی نماز کی جگہ نہیں جا سکے گا؟''

میں نے کہا۔ ''اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔'' یا کہا۔ ''جو کچھ اللہ اور اس کا رسول میرے لیے پسند فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''عفت اختیار کرنا۔''

پھر فرمایا۔ ''تو کیا کرے گا، جب لوگوں میں قتل و غارت عام ہوگی، حتیٰ کہ حجارۃ الزیت (کا مقام) خون میں ڈوب جائے گا؟''

میں نے کہا۔ ''جو کچھ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم میرے لیے پسند فرمائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تو جس قبیلے سے ہے، اسی میں جا رہنا۔''

میں نے کہا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیوں نہ میں تلوار لے کر ان لوگوں کو قتل کروں جو یہ (فساد) کریں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''تب تو تو لوگوں کے ساتھ (جنگ و جدل میں) شریک ہو گیا، بلکہ اس صورت حال میں تو اپنے گھر میں داخل ہو جانا۔''

میں نے کہا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اگر لوگ میرے گھر میں گھس آئیں تو؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر تجھے خطرہ ہو کہ تلوار کی چمک تجھ پر غالب آجائے گی تو اپنی چادر کا کنارہ اپنے چہرے پر ڈال لینا۔ تب وہ (فسادی قاتل) اپنا اور تیرا گناہ اٹھا لے جائے گا اور وہ جہنمی ہو جائے گا۔''

## فوائد و مسائل

1۔ مشکل حالات میں صبر بہترین طرز عمل ہے۔

2۔ قحط اور بھوک کے زمانے میں چوری ڈاکے سے پرہیز کرنا بہت بہادری کا کام ہے۔

3۔ قتل و غارت کے زمانے میں جب عام لوگ حق و باطل کی پہچان چھوڑ کر محض فساد پھیلانے کے لیے حق کی حمایت کا بہانہ بنا کر قتل کرنے کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ غلط فہمیاں دور کرنے اور امن قائم کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

4۔ اس قسم کے حالات میں جب مسلمان باہم دست و گریباں ہوں، سب سے کنارہ کش ہو کر بیٹھ رہنا بہتر ہے۔ اگر اس حالت میں بھی کوئی فسادی ایسے امن پسند شہری کو قتل کر دے تو وہ شہید ہے۔

5۔ ''قبر کی قیمت غلام کے برابر ہو جائے گی'' کا مطلب ہے، اس کثرت سے موتیں ہوں گی کہ دفنانے کے لیے دو گز زمین کا ملنا مشکل ہو جائے گا اور قبر کے لیے اتنی سی جگہ ایک گھر کی قیمت کے برابر ہو جائے گی یا قبر کھودنے والے اتنے کمیاب ہو جائیں گے کہ ان کی اجرت ایک گھر کی قیمت کے برابر ہو جائے گی۔

ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ کثرت اموات کے باعث گھر رہنے والوں سے خالی



Scanned with CamScanner

ہو جائیں گے اور ان کی قیمتیں اتنی گر جائیں گی کہ ایک غلام کی قیمت کے برابر ہو جائیں گے، جبکہ عام حالات میں مکان کی قیمت ایک غلام کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہوتی ہے۔

## قیامت سے پہلے

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''قیامت سے پہلے ہرج واقع ہوگا۔''

میں نے عرض کیا۔''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہرج کا کیا مطلب ہے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''قتل وغارت۔''

کچھ مسلمانوں نے کہا۔''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اب بھی تو ہم سال بھر میں اتنے اتنے مشرکوں کو قتل کر دیتے ہیں۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''مشرکوں کا قتل نہیں ہوگا بلکہ تم لوگ ایک دوسرے کو قتل کرو گے، حتیٰ کہ آدمی اپنے پڑوسی کو، اپنے چچازاد کو اور اپنے رشتہ دار کو قتل کر دے گا۔''

بعض افراد نے کہا۔''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا اس دور میں ہماری عقلیں ہمارے ساتھ ہوں گی؟''

آپ صلی الہ علیہ وسلم نے فرمایا۔''نہیں، اس زمانے میں اکثر لوگوں کی عقلیں چھن جائیں گی اور بعض میں ایسے لوگ آجائیں گے جو گرد و غبار کی طرح (بے حقیقت، بے قدر) ہوں گے۔ ان کے پاس عقلیں نہیں ہوں گی۔''

پھر حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے فرمایا۔''قسم ہے اللہ کی، مجھے تو لگتا ہے کہ وہ فتنہ مجھ پر اور تم لوگوں ہی پر آجائے گا اور قسم ہے اللہ کی۔ اگر یہ اس چیز کے بارے میں ہوا، جس کے بارے میں ہمیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نصیحت فرمائی تھی تو میرے اور تمہارے لیے اس سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا، سوائے اس کے کہ جس طرح ہم اس میں شامل ہوئے تھے، اسی طرح نکل جائیں۔''

## فوائد و مسائل

1۔ مسلمانوں کے درمیان معمولی باتوں پر قتل قیامت کی نشانی ہے، یہ ایک بری خصلت ہے جو ماضی قریب تک اس کثرت سے موجود نہیں تھی۔ حالانکہ دوسرے بہت سے فتنے موجود تھے۔

2۔ کسی فتنے سے پیشگی خبردار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہر مسلمان اس سے بچنے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کرے، اس لیے علماء اور حکام کا فرض ہے کہ اس کے اسباب پر غور کر کے اس کے سدباب کی کوشش کریں۔

3۔ مسلمان کو سمجھ بوجھ سے کام لینا چاہیے اور اختلافات کو قتل وغارت کا جواز نہیں بنانا چاہیے۔

4۔ صحابہ کرامؓ کے اختلافات خلوص کی بنیاد پر اور غلط فہمی کی وجہ سے تھے، اس لیے ان کے لیے ممکن ہو گیا کہ گمراہ لوگوں کے پروپیگنڈے کے اثر سے آزاد ہو کر اصلاح کر لیں۔ حضرت حسنؓ کے ایثار اور تدبر کی وجہ سے مسلمان دوبارہ متحد ہو گئے۔

5۔ صحابہ کرامؓ کے اختلافات کے بارے میں بات کرتے ہوئے کسی صحابی کے بارے میں احترام کے منافی لہجہ اختیار کرنا جائز نہیں۔

حضرت عدیسہ بنت اہبانؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ جب حضرت علیؓ یہاں بصرہ میں تشریف لائے تو میرے والد (حضرت اہبان بن صیفی غفاریؓ) کے پاس بھی آئے۔ انہوں نے فرمایا۔

''ابو مسلم! (اہبانؓ) کیا آپ ان لوگوں (حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں) کے خلاف میری مدد نہیں کریں گے؟'' اہبانؓ نے کہا۔''کیوں نہیں۔''



Scanned with CamScanner

پھر اپنی ایک لونڈی کو بلا کر کہا۔ "لونڈی! میری تلوار نکال۔" وہ تلوار لے آئی۔ انہوں نے میان سے ایک بالشت تلوار باہر نکالی تو (معلوم ہوا کہ) وہ لکڑی کی تھی۔ انہوں نے فرمایا۔

"میرے محبوب اور تیرے چچا کے بیٹے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے یہ نصیحت کی تھی کہ جب مسلمانوں میں باہم فتنہ وفساد برپا ہو جائے تو میں لکڑی کی تلوار بنالوں۔ اب اگر آپ چاہتے ہیں تو میں آپ کے ساتھ (لکڑی کی تلوار لے کر) چلنے کو تیار ہوں۔"

حضرت علیؓ نے فرمایا۔

"مجھے نہ تو آپ کی ضرورت ہے اور نہ آپ کی تلوار کی۔"

## فوائد ومسائل

1۔ لکڑی کی تلوار جنگ میں کام نہیں آسکتی۔ لکڑی کی تلوار بنوانے کا مقصد جنگ وجدل سے الگ رہنا ہے۔

2۔ مسلمانوں کے باہمی اختلاف کے موقع پر کسی ایک فریق کا ساتھ دینے کے بجائے دونوں میں صلح کرانے کی کوشش کرنا زیادہ ضروری ہے۔

3۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قیامت سے پہلے ایسے فتنے (رونما) ہوں گے جیسے تاریک رات کے ٹکڑے۔ ان میں انسان صبح کو مومن ہوگا تو شام کو کافر ہو جائے گا۔ ان (فتنوں) کے دوران میں بیٹھا ہوا کھڑے ہوئے سے، کھڑا ہوا چلنے والے سے اور چلنے والا بھاگنے والے سے بہتر ہوگا۔ ان حالات میں تم اپنی کمانیں توڑ دینا، ان کی تانت کاٹ دینا اور اپنی تلواریں پتھروں پر دے مارنا۔ اگر (فسادی لوگ) تم میں سے کسی کے گھر میں گھس آئیں تو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں میں سے اچھے بیٹے (ہابیل) کی طرح ہو جانا۔"

## فوائد ومسائل

1۔ فتنے کے زمانے میں اپنے ایمان کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہیے۔

2۔ فتنوں میں کم حصہ لینا بہتر ہے اور بالکل کنارہ کش رہنا سب سے بہتر۔

3۔ صرف اس لیے کسی سے دشمنی رکھنا اور اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرنا غلط ہے کہ اس کا تعلق فلاں فرقے، تنظیم، جماعت یا پارٹی سے ہے۔ یہ جاہلیت کی سی عصبیت ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ اجتناب کرنا ضروری ہے۔

## فتنے کے وقت

حضرت ابو بردہؓ سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا۔ "میں حضرت محمد بن مسلمہؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے بیان کیا۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

"عنقریب فتنہ افتراق اور اختلاف (رونما) ہوگا۔ جب یہ صورت حال پیش آئے تو اپنی تلوار لے کر احد پہاڑ پر چڑھ جانا اور اسے (پہاڑ کے پتھروں پر) مار کر توڑ دینا۔ پھر گھر میں بیٹھ رہنا، حتیٰ کہ تجھ تک کوئی گناہ گار ہاتھ پہنچ جائے یا فیصلہ کر دینے والی موت آجائے۔"

(محمد بن مسلمہؓ بیان کرتے ہیں۔) تحقیق فتنہ واقع ہو چکا اور میں نے وہی کچھ کیا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

## فوائد ومسائل

1۔ "مسلمانوں کا اسلحہ کفار کے خلاف کام آنا چاہیے، جب وہ مسلمان کے خلاف چلنے لگے تو اس کا تباہ ہو جانا بہتر ہے۔

2۔ گناہ گار ہاتھ کا مطلب ہے کہ کسی مفسد کا نشانہ بن جاؤ اور مظلومانہ شہادت پالو یا طبعی موت کی



Scanned with CamScanner

وجہ سے ان جھمیلوں سے چھوٹ جاؤ۔

## دو مسلمانوں کا تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابل آجانا

حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے کے مقابل ہوتے ہیں تو قاتل اور مقتول (دونوں) جہنم میں جاتے ہیں۔"

## مسلمان کا قتل

حضرت ابو موسیٰؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب دو مسلمان اپنی تلواریں لے کر ایک دوسرے سے (لڑنے کے لیے) ملتے ہیں تو قاتل اور مقتول (دونوں فریق) جہنم میں جائیں گے۔"

صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ "اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! یہ قاتل ہے (اس لیے مجرم ہے) مقتول (کے جہنمی ہونے) کی کیا وجہ ہے؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ بھی اپنے ساتھی کو قتل کرنا چاہتا تھا۔"

## فوائد و مسائل

1۔ جب کوئی شخص جرم کی پوری کوشش کرے لیکن کسی وجہ سے کامیاب نہ ہوسکے تو اللہ کے ہاں وہ بھی مجرم ہے۔

2۔ جو شخص ارتکاب جرم کا عزم رکھتا ہو لیکن ارتکاب سے پہلے رجوع کرلے تو اس کا گناہ معاف ہوجاتا ہے اور توبہ کی وجہ سے ثواب کا مستحق ہوجاتا ہے۔

حضرت ابو بکرہؓ سے روایت ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"جب دو مسلمانوں میں سے ایک اپنے بھائی پر ہتھیار اٹھاتا ہے تو وہ دونوں جہنم کے کنارے پر ہوتے ہیں، جب ان میں سے ایک اپنے ساتھی کو قتل کردیتا ہے تو دونوں جہنم میں داخل ہوجاتے ہیں۔"

## فوائد و مسائل

1۔ جہنم کے کنارے پر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس غلطی کی وجہ سے ان دونوں کے جہنمی ہونے کا خطرہ ہوتا ہے لیکن ان کے لیے جہنم سے بچنے کا موقع باقی ہوتا ہے کہ لڑائی سے باز آجائیں۔

2۔ مومن کا قتل جہنم میں پہنچانے والا عمل ہے، البتہ توبہ یا قصاص سے یہ گناہ معاف ہوسکتا ہے۔

## جہاں فرض نماز پڑھی جائے وہیں نفل نماز پڑھنے کا بیان

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"کیا تم میں سے کسی سے یہ نہیں ہوسکتا کہ جب وہ نماز پڑھے تو آگے پیچھے یا دائیں بائیں ہوجائے۔" یعنی نفل وسنت پڑھتے وقت۔

فائدہ: نماز کے اس ادب سے اکثر لوگ غافل ہیں۔ فرض نماز کے بعد سنتیں اور نفل اسی جگہ نہیں پڑھنے چاہئیں یا تو جگہ بدل لے یا اپنے ساتھی سے کوئی بات چیت کرلے۔ مثلاً سلام کرکے اس کی خیریت دریافت کرلے یا اذکار مسنونہ کرنے کے بعد اسی جگہ پڑھ لے۔ یہ مضمون صحیح احادیث میں بھی بیان ہوا ہے، اسی لیے بعض حضرات کے نزدیک یہ روایت بھی صحیح ہے۔

حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "امام اس جگہ (نفل یا سنت) نماز نہ پڑھے جہاں اس نے فرض نماز ادا کی ہے، حتیٰ کہ وہاں سے ایک طرف ہٹ جائے۔"

☆☆

ابنِ انشا

## آپ سے کیا پردہ

# فقیر بن کر...

فقیر بن کر تم ان کے در پر ہزار دھونی رما کے بیٹھو
جبیں کے لکھے کو کیا کرو گے، جبیں کا لکھا مٹا کے بیٹھو

اے اُن کی محفل میں آنے والو! اے سود و سودا بتانے والو
جو اُن کی محفل میں آکے بیٹھو تو ساری دنیا بھلا کے بیٹھو

بہت جتلتے ہو چاہ ہم سے، مگر کرو گے نباہ ہم سے؟
ذرا ملاؤ نگاہ ہم سے، ہمارے پہلو میں آکے بیٹھو

جنوں پرانا ہے عاشقوں کا، جو یہ بہانا ہے عاشقوں کا
تو اک ٹھکانا ہے عاشقوں کا، حضور، جنگل میں جا کے بیٹھو

ہمیں دکھاؤ نہ زرد چہرا لیے یہ وحشت کی گرد چہرا
رہے گا تصویرِ درد چہرا، جو روگ ایسے لگا کے بیٹھو

جنابِ انشا یہ عاشقی ہے، جنابِ انشا یہ زندگی ہے
جنابِ انشا جو ہے یہی ہے، نہ اس سے دامن چھڑا کے بیٹھو



Scanned with CamScanner

# باتیں ریحان ناظم سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''
''ریحان ناظم۔''

2 ''ریحان کے معنی؟''
''جنت کے پھول۔''

3 ''جنم دن اور سال؟''
''25 دسمبر 1984ء۔''

4 ''قد/ستارہ؟''
''پانچ فٹ گیارہ انچ/کیپری کورن۔''

5 ''مادری زبان؟''
''اردو۔''

6 ''بہن بھائی آپ کا نمبر؟''
''ہم تین بھائی ہیں اور میرا نمبر دوسرا ہے۔''

7 ''شادی۔۔۔۔۔بچے؟''
''الحمدللہ شادی شدہ ہوں۔ اور ایک بیٹا بھی ہے۔''

8 ''تعلیم؟''
''اے لیول، اے سی سی اے، ڈپلومہ تھیٹر ایکٹنگ۔''

9 ''شوبز میں آمد/گھر والوں کا ردعمل؟''
''بہ حیثیت گلوکار کے اس فیلڈ میں آیا۔ تو بہ حیثیت گلوکار کے مجھے اس فیلڈ میں تقریباً بیس اکیس سال ہو گئے ہیں۔ گھر والوں کے تعاون سے ہی اس فیلڈ میں آیا۔''

10 ''ڈرامہ انڈسٹری میں آمد؟''
''تقریباً پانچ چھ سال بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو گئے ہیں۔''

11 ''بچپن میں کس سے ڈر لگتا تھا؟''
''ابو کی ڈانٹ سے اور اندھیرے سے۔''

12 ''پہلی کمائی؟''
''نو ہزار اور خود پر ہی خرچ کیا تھا۔''

13 ''صبح اٹھ جاتے ہیں؟''
''کام ہو تو نو بجے ورنہ بارہ بجے۔''

14 ''صبح طلب ہوتی ہے؟''
''چائے کی، چائے نہ ملے تو صبح ادھوری لگتی ہے۔''

15 ''آپ مزاجاً کیسے ہیں؟''
''بہت ٹھنڈے مزاج کا ہوں۔ لیکن کبھی کبھی غصہ آ بھی جاتا ہے۔''

16 ''اس مقام پر کس نے پہنچایا؟''
''میرے پیارے پاکستان نے اور گھر والوں کی سپورٹ نے۔''

19 ''سیاست میں پسندیدہ لیڈر؟''
''مجھے پرویز مشرف بہت پسند تھے۔''

20 ''ملک جو اچھا لگتا ہے؟''
''میں یو اے ای میں پیدا ہوا تھا تو وہ مجھے اچھا لگتا ہے۔ کاش وہاں کی شہریت بھی مل جاتی۔''

21 ''شوبز کی کوئی خاص بات؟''



Scanned with CamScanner

"میرٹ پہ کام بہت کم ملتا ہے۔ سفارش پر بہت ملتا ہے۔"

22 "کھیلوں سے لگاؤ؟"

"بہت زیادہ ہے اور کرکٹ تو پسندیدہ ترین کھیل ہے۔"

23 "زندگی کی بڑی خواہش؟"

"دنیا گھومنا چاہتا ہوں۔"

24 "شوبز چھوڑنا پڑے تو؟"

"کیوں بھئی ...... کیوں ؟ کیوں چھوڑنا پڑے۔ جہاں سے رزق آ رہا ہو اسے کون چھوڑتا ہے۔ میں کیوں اپنی روزی کو لات ماروں۔"

25 "پہلی بار کیمرہ دیکھ کر پسینہ آیا تھا؟"

"پسینہ تو نہیں آیا تھا۔ البتہ تھوڑی گھبراہٹ ضرور ہوئی تھی۔"

26 "زندگی کیا سکھاتی ہے؟"

"زندگی کہتی ہے کہ جب تک میں ہوں مشکلات آتی رہیں گی۔ بس اپنے رب پر بھروسہ کرو۔ وہی مالک و مختار ہے۔"

27 "کب بہت پریشان ہو جاتے ہیں؟"

"جب قسمت ساتھ نہ دے رہی ہو۔"

28 "گھر کی کوئی چیز خراب ہو جائے تو ٹھیک کرانے کی ذمہ داری کس کی ہے؟"

"ہماری امی کی...... انہوں نے ہی یہ ذمہ داری لی ہوئی ہے۔"

29 "آپ کے فیصلوں پر کوئی مداخلت کرتا ہے؟ یا کر سکتا ہے؟"

"اس کے پیچھے صرف میری بیگم ہی ہو سکتی ہے۔ ہاہاہا۔"

30 "بیماری کو سیریس لیتے ہیں؟"

"اظہار نہیں کرتا۔ لیکن در حقیقت بہت گھبراتا ہوں۔"

31 "اب تک زیادہ کیا کیا؟ کمرشل، ڈرامہ یا فلم؟"

"کمرشلز زیادہ کیے ہیں۔"

32 "گھر کا سب سے بورنگ کام؟"

"کپڑے استری کرنا۔"

33 "شادی کے بعد کس شوق کو قربان کیا؟"

"کمپیوٹر گیمنگ کے شوق کو۔"

34 "پسندیدہ تہوار؟"

"عید، رمضان المبارک۔"

35 "پسندیدہ مشروب؟"

"چائے۔"

36 "گھر سے باہر کتنی بار کھانا کھاتے ہیں؟"

"یہی کوئی دس سے بارہ بار۔"

37 "زندگی کی کوئی نعمت جو حاصل کرنا چاہتے ہیں؟"

"اللہ تعالیٰ نے سب نعمتوں سے نوازا ہوا ہے الحمدللہ۔"

38 "ادب سے لگاؤ؟"

"سوری...... کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ صرف تھیسز کی حد تک میں نے لٹریچر پڑھا ہے۔"

39 "کیا دیکھنے کا شوق ہے فلمیں، ڈرامے؟"

"مجھے فلمیں دیکھنے کا شوق ہے۔"

40 "فیصلے جو غلط ثابت ہوئے؟"

"زندگی میں سب کچھ ہوتا ہے فیصلے غلط بھی



Scanned with CamScanner

ہوتے ہیں اور تیج بھی...... تو ہر بات سے میں تو سیکھتا ہی ہوں۔"

41 "کچن سے لگاؤ...... کیا کیا پکا لیتے ہیں؟"

"کچن سے کوئی خاص لگاؤ نہیں ہے۔ پکانا تو دور کی بات ہے۔"

42 "پسندیدہ کھانا؟"

"مجھے کھانے سے بہت لگاؤ ہے۔ میں خوش خوراک ہوں الحمدللہ...... ہر اچھا پکا ہوا کھانا مجھے پسند ہے۔"

43 "سوشل میڈیا کے بارے میں آپ کی رائے؟"

"سوشل میڈیا...... بہت کارآمد ہے سب کے لیے اور اس کے بہت سے فوائد ہیں۔"

44 "اگر سوشل میڈیا نہ ہوتا تو؟"

"زندگی ادھوری ہوتی۔"

45 "کس شخصیت پہ چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتے؟"

"ماں۔"

46 "زیادہ کیا پسند ہے میٹھا یا نمکین؟"

"دونوں پسند ہیں۔ کیونکہ دونوں زندگی کے لیے بہت ضروری ہیں۔ میٹھے میں مجھے کیک پسند ہے جبکہ نمکین میں اسپائسی فوڈ۔"

47 "ایک بات جو سب سے کہتے ہیں؟"

"خوش رہیں اور دوسروں کو بھی خوش رہنے دیں۔"

48 "ملک زوال پذیر ہے، وجہ عوام یا حکمران؟"

"دونوں ہی اپنا کردار بھرپور طریقے سے نبھا رہے ہیں ملک کو زوال پذیر کرنے میں۔"

49 "کردار کون سے پسند ہیں نگیٹو یا پوزیٹو؟"

"دونوں طرح کے کردار پسند ہیں۔ بشرطیکہ پرفارمنس کی بھرپور گنجائش ہو۔ ویسے اب تک تو میں نے دونوں طرح کے رول کیے ہیں۔"

50 "کبھی مشکل وقت دیکھا؟"

"کون نہیں دیکھتا مشکل وقت، مشکل سے نکل کر ہی تو انسان کندن بنتا ہے۔"

51 "کس مضمون سے نفرت تھی؟"

"کیمسٹری سے، بالکل بھی پسند نہیں تھا کیمسٹری۔"

52 "بیماری میں کس سے علاج کرواتے ہیں۔ ڈاکٹر، حکیم یا ہومیو پیتھک؟"

"ڈاکٹرز پر یقین ہے کیونکہ فوری آرام مل جاتا ہے۔"

53 "ہر کام کے لیے مشورہ لیتے ہیں؟"

"بیگم سے۔"

54 "پاکستان میں کیا چیز فری ملنی چاہیے؟"

"پانی...... پینے کا بھی اور استعمال کا بھی۔"

55 "کیا دل سے اترا انسان دوبارہ اپنی جگہ بنا سکتا ہے؟"

"اگر صرف میری بات کریں تو بالکل بھی نہیں۔ دیگر کا کچھ کہہ نہیں سکتا۔"

56 "ملک سے باہر مستقل رہنا پڑے تو؟"

"فیملی بھی ہو تو کیا ہی کہنے۔ بہت انجوائے کروں گا۔"

57 "ایکٹویٹیز کیا ہوں گی؟"



Scanned with CamScanner

"ظاہر ہے بیٹھ کر تو نہیں کھانا۔ جاب کروں گا اور اپنی فیلڈ کو بھی متعارف کراؤں گا۔ بہت کام کروں گا۔ اور انجوائے بھی کروں گا فیملی کے ساتھ۔"

58 "غصے میں پہلا لفظ منہ سے کیا نکلتا ہے؟"

"وہ آپ کو بتا نہیں سکتا۔ ہاہاہا۔"

59 "بہترین اینکر؟"

"وسیم بادامی۔"

60 "کیا اپنا راز کسی کو دینا چاہیے؟"

"نہیں...... پھر وہ راز نہیں رہتا۔"

61 "ایونٹ جو یاد رہتے ہیں؟"

"اپنی شادی کا اور گھر والوں کی سالگرہ کا۔"

62 "فیملی میں غصہ کس پر اترتا ہے؟"

"غصہ آتا ہی نہیں ہے۔ فیملی میں سب سے پیار ہے۔"

63 "کیا چیز جب مل جائے کھا لیتے ہیں؟"

"فرنچ فرائز۔"

64 "کس طرح کے سین بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں؟"

"جذباتی سین۔"

65 "اپنا ڈرامہ دیکھ کر کیسا لگتا ہے؟"

"خوشی ہوتی ہے۔ اچھا لگتا ہے۔ فخر ہوتا ہے اپنے آپ پر۔"

66 "کون سا چینل زیادہ دیکھتے ہیں؟"

"اسپورٹس چینل اور مووی چینل۔"

67 "کون سی فلم سینما میں پہلی بار دیکھی؟"

"سرگم۔"

68 "کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟"

"کبھی نہیں...... کیونکہ یقین نہیں ہے۔"

69 "آئینہ کب دیکھتے ہیں؟"

"جب تیار ہو رہا ہوتا ہوں۔"

70 "شادی کتنی ضروری ہے؟"

"ضروری تو خیر نہیں ہے لیکن اگر کرے تو برائی بھی نہیں بس اچھی طرح نبھائے۔"

71 "بچپن میں کون کون سے کھیل کھیلے؟"

"ہر طرح کے...... ابھی تک یاد کرتا ہوں۔"

72 "اچھی اور بری خبر سب سے پہلے کس کو سناتے ہیں؟"

"اپنی بیگم کو۔"

73 "کھانا کھانے کا مزہ آتا ہے چٹائی، ڈائننگ ٹیبل یا بیڈ؟"

"ڈائننگ ٹیبل پر سلیقے کے ساتھ۔"

74 "صبح اٹھ کر کس کو وش کرتے ہیں؟"

"بیگم کو اور بیٹے کو۔"

75 "کیا چیز لیے بغیر گھر سے نہیں نکلتے؟"

"موبائل فون۔"

76 "بچپن کا ایک خواب جو پورا نہیں ہوا؟"

"میں کرکٹر بننا چاہتا تھا۔ مگر بن نہ پایا۔"

77 "فیملی میں کون مزاج کا گرم ہے؟"

"چھوٹا بھائی۔"

78 "خواتین آئینے کو زیادہ وقت کیوں دیتی ہیں؟"

"کیونکہ ان کو اپنے آپ سے پیار ہوتا ہے۔"

79 "اگر آپ کی شہرت کو زوال آجائے تو؟"

"اللہ نہ کرے کہ ایسا ہو۔ پھر بھی ہمت نہیں ہاروں گا۔"

☆☆


خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے

بہنوں کے لیے ایک اور ناول

دل اک گلاب سا

ایم سلطانہ فخر

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37۔ اردو بازار، کراچی۔





Scanned with CamScanner

# ستاروں کی رہگزر پر

ادارہ

ہم چراغ یقیں جلاتے رہے
وقت کو راستہ دکھاتے رہے

72ء سے 2026 تک کا سفر وقت نے کتنی کروٹیں بدلیں۔ حالات کیا کیا رنگ دکھاتے رہے۔ موسم آتے جاتے رہے، راہ آسان نہ تھی مگر ایک لگن تھی ایک شوق تھا جس نے تھکنے نہیں دیا۔ اور پھر قارئین کا ساتھ جنہوں نے ہر قدم پر ہماری حوصلہ افزائی کی۔ ہم نے جو سلسلے شروع کیے۔ قارئین نے بھرپور طریقے سے حصہ لیا۔

سالگرہ نمبر میں قارئین کی شمولیت کے لیے حسب روایت سروے شامل ہے۔ سوالات ہیں۔

1۔ خواتین ڈائجسٹ سے آپ کا رشتہ کب اور کیسے استوار ہوا؟

2۔ آپ کو خواتین ڈائجسٹ کیوں پسند ہے۔ اس کی کون سی خوبی ہے جو اسے دیگر پرچوں سے ممتاز کرتی ہے۔

3۔ آپ نے خواتین ڈائجسٹ میں بہت سی تحریریں پڑھی ہوں گی۔ کوئی ایسا کردار جسے پڑھ کر آپ کے دل میں خواہش ابھری ہو کاش میں بھی ایسی ہوتی۔ اس کردار کے بارے میں تفصیل سے لکھیے۔

4۔ آپ سالگرہ مناتی ہیں؟ سالگرہ کے حوالے سے کوئی دلچسپ واقعہ جسے سوچ کر آج بھی چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔

5۔ گھر والے آپ کی سالگرہ بھول جائیں تو آپ کا کیا ردعمل ہوتا ہے۔

6۔ آپ کو سالگرہ پر بہت سے تحفے ملے ہوں گے۔ کوئی ایسا تحفہ جو بہت عزیز ہستی نے دیا ہو اور آپ کو بہت عزیز ہو۔

مسرت حسن......ڈیلاس امریکہ

عید مبارک ہو۔ ویسے میری سالگرہ بھی 21 مارچ کو تھی۔

1۔ یہ بہت پرانی بات ہے، میں اپنی فرینڈ کے ساتھ ان کے ماموں کے گھر گئی، ان کی ممانی اپنے روم میں ڈائجسٹ پڑھ رہی تھیں انہوں نے ڈائجسٹ پر نشان لگا کر رکھا اور کہا۔

”میں کچن میں جا رہی ہوں۔ تم دونوں کے لیے کچھ کھانے پینے کو لاتی ہوں۔“

میری فرینڈ ان کی ہیلپ کروانے ان کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔ میں وہاں بیٹھی تھی۔ میں نے وہ ڈائجسٹ اٹھایا اور جو ممانی نے نشان لگایا تھا، وہ ایک ناول تھا۔ اس کو میں نے پڑھنا شروع کیا، پورا پڑھ لیا اور پھر مجھے تجسس ہوا کہ اب آگے کیا ہوگا۔ بس ان کے گھر سے واپسی پر ہم بک اسٹور پر رکے، وہ ڈائجسٹ (خواتین ڈائجسٹ) خریدا اور گھر آ کر پورا پرچا پڑھا۔ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے خواتین ڈائجسٹ کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ یہ واقعہ 80 کے زمانے کا ہے۔

2۔ یہ بڑا مشکل سوال ہے اس ڈائجسٹ میں اتنی ساری ایسی چیزیں ہیں جو بہترین ہیں۔ سب سے پہلے تو مجھے اس ڈائجسٹ کی روح رواں امت



Scanned with CamScanner

اسبور بہت پسند ہیں۔ ان سے صرف ایک ملاقات میری ہوئی ہے۔ بہت سالوں پہلے۔ مگر میں آج تک نہیں بھولی بہت اچھے انداز میں اور بہت اچھے طریقے سے ملی تھیں اور ٹاپ آف دی لسٹ نفسیاتی ازدواجی الجھنیں۔ اس میں عدنان بھائی کا اتنے اچھے انداز میں جواب دینا بہت اچھا لگتا ہے واقعی ایسا لگتا ہے کہ جیسے کوئی بڑا بھائی سمجھا رہا ہو۔

آپ کا باورچی خانہ بہت پسند ہے، کافی چیزیں سیکھنے کو ملتی ہیں اور پیاری مصنفین کی تو کیا ہی بات ہے بہترین تحریریں ہوتی ہیں۔

3۔ ارے بھئی کیا سوال پوچھ لیا۔ بہت ساری تحریریں ایسی ہیں کہ جس کے کردار کو پڑھ کر سوچا کہ کاش میں ایسی ہوتی۔

اب کس کس کا نام لوں۔ اکثر تحریروں میں کوئی نہ کوئی کردار ایسا ہوتا ہے کہ دل کرتا ہے کہ کاش میں ایسی ہوتی اگر کرداروں کے بارے میں لکھنا شروع کیا تو جواب بہت لمبا ہو جائے گا اسی لیے......

کہاں تک سنو گے کہاں تک سنائیں۔

4۔ جب ہم سعودی عرب میں تھے تو ایک ویک اینڈ پر مدینے چلے گئے تھے، مدینے میں ہمارا دوسرا دن تھا، اس دن میری برتھ ڈے بھی تھی۔ میں نے منع کر دیا تھا کہ یہاں عبادت کرنے آئے ہیں۔ برتھ ڈے سلیبریٹ نہیں کرنا۔ بچوں سے، اپنے شوہر سے کہہ دیا تھا۔

اس رات ہم سب روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صحن میں بیٹھے تھے بالکل گنبد خضریٰ کے سامنے بیٹھے تھے تو میرے بیٹے وجیہہ اور یاسر دونوں اٹھے اور کہا۔

''امی آپ یہاں بیٹھی رہیے گا۔ ہم ذرا واک کر کے آتے ہیں۔''

دونوں بیٹے ایک شاپ پر گئے وہاں سے لکڑی کا ایک بیئرر خریدا اور شاپ کیپر سے اس پر لکھوایا۔

''ہیپی برتھ ڈے امی! فرام کڈز۔''

اور پیک کروا کر لائے ساتھ ایک پیسٹری بھی لائے اور میرے پاس آ کر بیٹھ گئے اور کہا۔

''امی! آج آپ کی برتھ ڈے ہے۔ یہاں کیسے سلیبریٹ کریں۔ بس یہ پیسٹری کاٹ لیں۔''

اب وہ پیسٹری نکالی اور اس پر ایک کینڈل لگائی اور جلا کر بچوں نے کہا ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔'' ابھی اتنا ہی کہا تھا کہ وہاں کی پولیس آ گئی اور وہاں جتنے لوگ بیٹھے تھے سب کو اٹھانے لگے جب ہمارے قریب آئے تو انہوں نے جو برتھ ڈے کا منظر دیکھا تو وہ بھی بولنے لگے ''ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔''

پھر کہا کہ

''جلدی سلیبریٹ کر کے اٹھ جانا۔'' پھر بچوں نے ان کو بھی پیسٹری دی۔ انہوں نے کھائی اور جلدی



Scanned with CamScanner

کا اشارہ کر کے آگے بڑھ گئے۔

پھر میرے بچوں نے وہ گفٹ جو بنوا کر لائے تھے وہ مجھے دیا مجھے بہت پسند آیا اور وہ گفٹ ابھی تک میرے بیڈروم میں رکھا ہے مگر ہر برتھ ڈے پر یہ واقعہ یاد کر کے چہرے پر مسکراہٹ آجاتی ہے۔

5۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ گھر والے میری برتھ ڈے بھول جائیں۔ مجھ سے زیادہ گھر والوں کو یاد رہتا ہے۔

6۔ چار سال پہلے میری امی امریکہ پاس آئی تھیں تو میری برتھ ڈے ان کے سامنے آئی۔ انہوں نے مجھے گولڈ کے ٹاپس دیئے جو مجھے بہت عزیز ہیں۔

تین سال پہلے میرے بھائی بھابھی یہاں میرے پاس آئے تو بھی میری برتھ ڈے ان کے سامنے آئی تو انہوں نے مجھے گولڈ کی رنگ دی جو مجھے بہت عزیز ہے، شادی سے پہلے میری برتھ ڈے پر میری ساری فرینڈز میرے گھر آئی تھیں جس سال شادی تھی، اس سال والی برتھ ڈے پر سب فرینڈز آئیں اور بہت اچھے تحفے دیئے۔ مگر میری بیسٹ فرینڈ نے جو مجھے گفٹ دیا، وہ مجھے بہت عزیز تھا جب میں نے گفٹ کھولا تو اس میں ایک کارڈ رکھا تھا اور اس میں لکھا تھا۔

اپنی معصوم فرینڈ کی معصوم دوستی کے نام۔ اور لکھا تھا کہ...... دسے دائی، و سے وفا، س سے سدا، ی سے یاد، ت سے تازہ یعنی دائمی وفا کے ساتھ سدا یاد تازہ رکھنا اور ساتھ ہی خوب صورت سوٹ اس کی میچنگ کی چوڑیاں، پرس، جیولری سیٹ اور پروین شاکر کی کتاب خوشبو تھی۔

یہ سارے تحفے مجھے میری عزیز ہستیوں نے دیئے تھے جو مجھے بہت عزیز ہیں یہ میں کبھی نہیں بھول سکتی۔

فرخندہ سلیم ...... ملتان

1۔ خواتین ڈائجسٹ سے میرا رشتہ کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ازل سے قائم ہو، ایک ایسا رشتہ جو وقت کے امتحان سے گزرتا ہوا اپنی روشنی اور اپنائیت برقرار رکھتا ہے۔

جب میں بچپن کے دنوں کو یاد کرتی ہوں تو وہ لمحے سامنے آجاتے ہیں جب زندگی سادہ تھی، ہر گوشہ اپنائیت اور خلوص سے بھرا ہوا تھا، اس وقت زندگی کی ذمہ داریاں محدود تھیں، اور ہر لمحہ ایک چھوٹے مگر خوب صورت تجربے کے لیے تیار ہوتا تھا۔

یہ تعلق 1990 میں قائم ہوا جب میں اس وقت میں بہت کم عمر کی تھی۔ میری دوست سیما کی بھابھی خواتین ڈائجسٹ پڑھا کرتی تھیں، اور ایک دن شوق کے مارے میں نے بھی رسالہ اٹھا لیا۔ بس یوں ہوا کہ ایک بار محبت ہو گئی، ایسی محبت جو بعد کے برسوں، مصروفیات اور وقت کی دھند میں بھی کم نہ ہوئی۔ خواتین ڈائجسٹ نے نا صرف کہانیوں کے ذریعے مجھے مسکرانے اور سوچنے کا موقع دیا بلکہ مجھے زندگی کے چھوٹے چھوٹے سبق بھی دیے، جو اکثر کتابوں یا نصاب میں نہیں ملتے۔

چونکہ خواتین ڈائجسٹ کا آغاز 1972ء میں ہوا اور میں نے اسے 1990ء میں پڑھنا شروع کیا اس لیے میں نے اپنے سے پہلے کے شمارے بھی تلاش کر کے پڑھ ڈالے۔ یہاں تک کہ خواتین ڈائجسٹ کا پہلا شمارہ بھی میرے ہاتھ لگا۔ یوں یہ تعلق محض مطالعے کا نہیں بلکہ ایک طویل، پختہ اور دل سے جڑا ہوا رشتہ بن گیا۔

میں نے ہر دور کے رسائل کا مطالعہ کیا۔ انیس سو نوے کے بعد کے شمارے، دو ہزار سے پہلے کے شمارے، اور حالیہ شمارے۔ ہر دور میں نئے مصنفین آتے گئے، لکھنے کا انداز بدلتا رہا، معاشرتی رویے اور ثقافت بھی بدلتی گئی، مگر ایک چیز جو ہمیشہ برقرار رہی، وہ رسالے کی اصل روح، اس کی اپنائیت اور زندگی کے ہر پہلو پر روشنی ڈالنے کی صلاحیت ہے۔

آج بھی جب صفحات کھولتی ہوں، وہی اپنائیت محسوس ہوتی ہے جو پہلی بار محسوس ہوئی تھی۔ خواتین ڈائجسٹ صرف تفریح کا ذریعہ نہیں، بلکہ زندگی کے سبق، رہنمائی اور ہمت کا ایک ایسا خزانہ

ہے جو ہر نسل کے لیے یکساں اہمیت رکھتا ہے۔

یہ رسالہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر مسکراہٹ، حوصلہ، اور امید کی ضرورت ہے۔ یہ کہانیاں کبھی ہنسنے پر مجبور کرتی ہیں، کبھی سوچنے اور خود کو سمجھنے پر، اور کبھی زندگی کے پیچیدہ مسائل میں رہنمائی فراہم کرتی ہیں۔ ہر عمر، ہر نسل کے قارئین لڑکیاں، خواتین، نوجوان نے اس رسالے سے کچھ نہ کچھ سیکھا، زندگی کے معاملات کو بہتر انداز میں جینا سیکھا اور اپنی سوچ کو روشن کیا۔

اسی لیے میرے لیے خواتین ڈائجسٹ محض ایک رسالہ نہیں، بلکہ ایک مستقل رشتہ ہے، ایک ہمسفر ہے، جو برسوں کے فاصلے، دوریوں اور زمانے کی تبدیلیوں کے باوجود آج بھی اسی طرح قائم ہے جیسا پہلی بار محسوس ہوا۔ یہ رسالہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ کچھ چیزیں، کچھ احساسات، اور کچھ رشتے وقت کے ساتھ کبھی مدھم نہیں پڑتے، بلکہ وقت کے ہر لمحے کے ساتھ اور زیادہ چمکتے ہیں۔ یہی وہ خوب صورتی ہے جو خواتین ڈائجسٹ کو صرف ایک رسالہ نہیں بلکہ زندگی کے ایک ساتھ اور دلکش ہمسفر میں بدل دیتی ہے۔

ج:2۔ کہانیوں اور سلسلوں کی تعریف تو ہمیشہ سے ہوئی ہے اور اب بھی ہوگی کہ ہونی بھی چاہیے کہ واقعی یہ اچھے اور دلچسپ ہوتے ہی ہیں مگر میں اپنی طرف سے تین خوبیاں بتانا پسند کروں گی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میرے کچھ اپنے ذاتی خیالات اور میری اپنی پسند ناپسند ہے۔ خواتین ڈائجسٹ مجھے اس لیے زیادہ پسند ہے کہ اس کی طباعت اور ظاہری انداز میرے دل کو ہمیشہ بھاتے رہے ہیں۔ کہانیاں اور سلسلے بے شک دلچسپ ہوتے ہیں، ان پر ہر کوئی بات کرے گا مگر میری پسند ذرا الگ ہے۔ میرے نزدیک کسی بھی رسالے میں سب سے اہم چیز یہ ہے، اور اس کی ظاہری صورت دل کو کس طرح بھاتی ہے۔

مجھے کبھی بھی مکمل سفید رنگ پسند نہیں آیا، جو کلف والا سفید ہوتا ہے۔ مجھے ہمیشہ سے کریم اور آف وائٹ یا پیلا صفحات کا رنگ پسند ہے۔ پڑھنے کے لحاظ سے مجھے جو سکون ملتا ہے، وہ ان ہی صفحات سے ملتا ہے۔ میرا دل چاہتا ہے صفحات پیلے اور چکنے سے ہوں اور ان پر الفاظ خوب صورت انداز میں لکھے ہوں۔

جب میں ایسے صفحات پڑھتی ہوں تو یوں لگتا ہے جیسے میں کوئی پرانے زمانے کی تاریخی چیز پڑھ رہی ہوں، کوئی قدیم خزانہ جس میں ہر لفظ ایک کہانی سناتا ہے۔

دوسری خوبی جو مجھے خواتین ڈائجسٹ میں بے حد پسند ہے وہ اس کے اسکیچز ہیں۔ خواتین ڈائجسٹ کے اسکیچز نہ صرف خوب صورت اور دلکش ہیں بلکہ ایک الگ دنیا میں لے جاتے ہیں۔ لگتا ہے جیسے

کردار، ماحول اور کہانی کے احساسات اس کے سامنے زندہ ہو گئے ہوں۔ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی تخلیق کی خوب صورتی ہے، جو مصور اپنے ذہن اور ہاتھ کی مہارت سے ایک شاندار تصویر میں ڈھالتا ہے۔

تیسری اہم خوبی جو مجھے اس رسالے میں بہت پسند ہے، وہ کہانیوں اور مصنفین کے نام لکھنے کا منفرد انداز ہے۔ ہر دور میں خطاطی کے انداز بدلتے رہتے ہیں، لیکن خواتین ڈائجسٹ کا مخصوص فونٹ اسٹائل مجھے بہت دلکش لگتی ہے۔ کہانیوں کے نام اور مصنفین کے نام ایسے انداز میں لکھے ہوتے ہیں۔ جیسے الفاظ کو زندگی مل گئی ہو۔

آخر میں سب سے بڑی خوبی، جس کی وجہ سے خواتین ڈائجسٹوں دنیا ہمیشہ دل کے قریب رہی۔ وہ ایڈیٹر صاحبہ کی محبت، محنت اور قارئین کے ساتھ اپنائیت ہے۔ انہوں نے ہمیشہ قارئین کو جوڑے رکھا، خطوط اور جوابات کے ذریعے ہر مہینے رابطے میں رکھا، اور ہر لفظ میں ایک خلوص اور اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ یہی وہ خوبی ہے جو خواتین ڈائجسٹ کو محض رسالہ نہیں بلکہ زندگی کا ہمسفر اور دل کے قریب دوست بناتی ہے۔

3۔ ان گنت تحریریں پڑھی ہیں اور کرداروں کے حوالے سے بھی یہ سچ ہے کہ اب یہ کہنا مشکل ہو جائے گا کہ کس کردار کا نام لیا جائے۔ ہر دور، ہر عمر میں، ہر طرح کے کردار پڑھے اور ہر دور میں سوچ بھی مختلف رہی۔ اس لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے۔

لیکن اگر اب کی بات کروں تو سچ یہ ہے کہ میں نے اپنی شخصیت کو بنانے میں ان تمام کرداروں سے سیکھنے کی کوشش کی ہے جو مجھے اچھے لگے۔ میں نے مختلف کرداروں کی خصوصیات کو اپنے اندر شامل کرنے کی کوشش کی، تاکہ اپنے آپ کو ایک بہتر اور متوازن انسان بنا سکوں۔

اب عمر کے اس مرحلے پر، یہ یاد رکھنا مشکل ہے کہ کس کہانی میں کون سا کردار تھا یا کس رسالے کے کون سے شمارے میں پڑھنے گئے مجھے بلکہ یاد آ رہا ہے جیسے ساجدہ حبیب اور نگہت سیما کو پڑھتے ہوئے وطن سے محبت کرنے کی سوچ اور ویسا انسان بننے کا دل کیا۔ راحت وفا خرہ کو پڑھ کر سادہ سی ہنستی مسکراتی سی زندگی جینے کا دل کیا۔ انجم انصار کو پڑھ کر شخصیت میں بہت زیادہ شوخی اور بچکانہ پن آ گیا۔ صعیرہ سید اور حسنہ حسین کو پڑھ کر دل فلسفے کی جانب چلا گیا۔ نمرہ عمیرہ کو پڑھ کر اچھائی کی طرف دل مائل ہوا، وہیں میرا حمید نے ہمت سکھائی اور نفیسہ ناز کو پڑھ کر خود ماضی کا کردار تصور کیا۔

4۔ میری نظر میں سالگرہ کوئی ایسا دن نہیں جسے خصوصی اہتمام کے ساتھ منایا جائے۔ اس سوچ کی ایک بنیادی وجہ وہ ماحول ہے جس میں میری پرورش ہوئی۔ وہ ایک سادہ اور قدر شناس زمانہ تھا جہاں گھروں میں سالگرہ جیسی تقریبات کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی تھی نہ کبھی آج تک کسی کی سالگرہ منائی گئی۔ چنانچہ نہ گھر والوں نے اس طرف خاص توجہ دی اور نہ ہی میرے اندر یہ شوق کبھی پیدا ہوا۔

شاید اسی وجہ سے وقت کے ساتھ میرے اندر ایک حقیقت پسندانہ سوچ پروان چڑھتی گئی۔ میں نے ہمیشہ زندگی کو اس کے اصل معنوں میں سمجھنے کی کوشش کی۔ میرے نزدیک سالگرہ کا دن دراصل خوشیوں کی نمائش، مبارک بادوں کی گونج یا تحائف کے تبادلے کا نام نہیں، بلکہ یہ شکر کا دن ہے۔ یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب انسان ٹھہر کر سوچتا ہے کہ رب کریم نے اسے زندگی کا ایک اور سال عطا کیا، ایک اور موقع دیا کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر انداز میں گزار سکے اور اپنی کوتاہیوں کو سنوار سکے۔ یوں میرے نزدیک سالگرہ دراصل جشن سے زیادہ شکر گزاری کا استعارہ ہے۔

عمر کے معاملے میں بھی میرا رویہ ہمیشہ صاف گوئی اور اعتماد پر مبنی رہا ہے۔ میری پیدائش 10 فروری 1978 کی ہے اس حساب سے میری عمر تقریباً اڑتالیس برس بنتی ہے۔ مجھے اپنی عمر بتانے میں کبھی کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی، کیونکہ عمر کا بڑھنا میرے نزدیک کسی کمی یا کمزوری کی علامت نہیں بلکہ

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ زندگی کا تسلسل ہے۔ایک نعمت ہے،جس پر شکرادا کرنا چاہیے،نہ کہ اسے چھپانے کی کوشش کی جائے۔

جہاں تک اپنی سالگرہ منانے کا تعلق ہے تو میں نے زندگی میں کبھی اس کا خاص اہتمام نہیں کیا اور نہ ہی اس کا کوئی شوق رہا نہ سالگرہ پر کسی نے مجھے کوئی تحفہ دیا ہاں ویسے تو تحفے ملے ہیں مگر سالگرہ پر نہیں۔ گھر والے بھی اس معاملے میں زیادہ توجہ نہیں دیتے۔

کئی مرتبہ ایسا بھی ہوا کہ مجھے خود اپنی سالگرہ کا خیال بعد میں آیا۔اس سال بھی فروری میں ایسا ہی ہوا کہ مجھے بعد میں سوشل میڈیا پر لوگوں کی مبارک باد سے اندازہ ہوا کہ میرا یوم پیدائش گزر چکا ہے۔

البتہ ایک پہلو ایسا ضرور ہے جسے میں اہم سمجھتی ہوں۔اگرچہ مجھے اپنی سالگرہ منانے کا شوق نہیں، لیکن دوسروں کی خوشیوں میں شریک ہونا مجھے اچھا لگتا ہے۔چاہے وہ بچے ہوں یا میرے قریبی رشتے دار اور احباب، میں ان کی سالگرہ یاد رکھنے،انہیں مبارک باد دینے اور کبھی محبت کے اظہار کے طور پر تحفہ دینے کی کوشش کرتی ہوں۔میرے لیے اصل خوشی شاید یہی ہے کہ دوسروں کے چہروں پر مسکراہٹ دیکھ سکوں۔

یوں میری سوچ بڑی سادہ سی ہے اپنی ذات کے لیے میں سالگرہ کو کسی جشن یا نمود کی ضرورت نہیں سمجھتی کہ یہ بچکانہ سا لگتا ہے،مگر زندگی کے اس دن کو دل ہی دل میں شکر گزاری کے احساس کے ساتھ ضرور دیکھتی ہوں۔

سلمیٰ مسرت......راولپنڈی

1۔80 کی دہائی کا وقت تھا ابھی رسالے شروع کیے تھے میری خالہ نسیم جو کہ ٹیچر تھیں ان کے پاس میں اکثر حور۔زیب النساء۔پاکیزہ دیکھتی تھی جبکہ میں جگنو۔نونہال۔تعلیم و تربیت میں کھوئی ہوئی تھی میرے ابو مطالعے کے بے حد شوقین تھے ہر قسم کے سیاسی،غیر سیاسی میگزین اخبار ہمارے گھر آتے تھے اور میں اپنے ابو کے ساتھ بھرپور ساتھ دیتی تھی۔

جیسے ہی اردو پڑھنی آئی بس پھر ہم نے کچھ نہ چھوڑا جو میسر تھا سب پڑھ ڈالا۔خواتین کا نام مجھے بھاری بھرکم لگتا تھا کرن، آنچل پاکیزہ سے شروع کیا۔میری دوست کی والدہ یہ میگزین باقاعدگی سے لیتی تھیں اس میں رفعت سراج کا دل دیا دہلیز آتا تھا۔ بس پھر خواتین نے ایسا دیوانہ کیا کہ سارے میگزین آہستہ آہستہ زندگی سے نکلتے گئے آج خواتین پہلے نمبر پر اور شعاع دوسرے نمبر پر ہے،شعاع کی آمد کے اشتہار ان دنوں خواتین میں تواتر سے آرہے تھے۔

2۔اس کی خوب صورت تحریریں سلسلے انجائی



Scanned with CamScanner

سویرا، باوقار، دنیا کی بہترین رائٹرز اور شاہکار ناول خواتین نے ان کو متعارف کروایا ایک جملہ کافی ہے۔ یہ تفریح کے ساتھ ہماری تربیت کرتا ہے۔

3۔ یہ کیا پوچھ لیا بے شمار کردار میری روح میں بستے ہیں۔ پیر کامل کی آمنہ نے جس بہادری سے درست دین کو اپنایا اور جب اسے سالار ملا، بہت بہت زیادہ رشک آیا۔

نمل کا سعدی قرآن کی خوب صورت آیتوں کی امیزنگ تفسیر کی۔ سائرہ رضا کی بہادر محبت کرنے والے ہیرو، ہیروئن، فاخرہ جبین کی ارم۔ اور مراد کی ہیروئن نام یاد نہیں آ رہا جس نے اپنے والد اور چھوٹے بہن بھائیوں کو سنبھالا۔ مالا جس کا اختتام بہت اچھا نہیں ہوا۔

4۔ گھر اور خاندان کی پہلی بیٹی تھی، ابو امی کی بہت لاڈلی تو شروع سے ابو گھر پر اہتمام کرتے تھے لوگوں کو نہیں بلاتے تھے پھر اسکول کالج میں دوستوں کے ساتھ بہت اہتمام کیا، شادی کے بعد میرے میاں کا مزاج ایسا نہیں ہے لیکن پتا نہیں کیسے میری خوشی کی خاطر جب ارسلان اور عمر چھوٹے تھے اسلام آباد میں بہت خوب صورت جگہ کا انتخاب کیا اور میری فیورٹ آئس کریم منگوائی۔ میرے بچوں نے بھی انجوائے کیا اس کی یاد بھی خوب صورت ہے۔

5۔ پہلے یعنی شادی کے بعد کبھی ذکر بھی نہیں ہوتا تھا لیکن ابو کا فون ضرور آتا تھا کراچی سے تو بہت افسردہ ہو جایا کرتی تھی اور اب میں منع کرتی ہوں، مجھے اپنی سالگرہ سے کوئی دلچسپی نہیں رہی تو اس بار میری بیٹی آمنہ نے مجھے ایسا سرپرائز دیا حیران رہ گئی۔ یکم مارچ کو ہمیں افطاری پر بلایا۔ ساتھ میری چھوٹی بہن کو بھی مدعو کیا۔ مجھ سے کہا۔

”امی آپ تراویح میں اتنی دور سے نہیں جا سکتیں گھر میں میرے روم میں پڑھ لیں۔“

بچے میری نواسی کے ساتھ کھیل میں مگن تھے میں مان گئی جب ڈرائنگ روم میں آئی تو سرپرائز سالگرہ منتظر تھی۔ تینوں بہنوں نے دونوں بہوئیں اور میرے بھانجے اور میرے معصوم سے پھول سب نے علیحدہ علیحدہ خوب صورت گفٹ دیے، پتا نہیں کب سے میری بیٹی تیاری کر رہی تھی تو لفظوں میں بتانا مشکل ہے اللہ میری بیٹی کو دونوں جہانوں کی لازوال خوشیاں دے۔ آمین

6۔ ابو نے بہت خوب صورت ڈائری گفٹ کی تھی جو مجھے آج بھی ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے۔ میں نے بڑی محنت سے اسے لکھا ہے۔

زمرد بی بی......اسلام آباد

1۔ خواتین ڈائجسٹ ہمارے گھر میں تب سے ہے جب ماہ دولت دنیا میں بھی تشریف نہیں لائے تھے اور ہماری دادی صاحبہ بڑے اہتمام سے خواتین ڈائجسٹ منگوایا کرتی تھیں اس دور کے 1991 تک کے شمارے بھی ہمارے پاس محفوظ ہیں اسی دور میں وہ پرانے شمارے بھی منگوائی تھیں اور اس طرح کچھ شمارے ہمارے پاس اب بھی بالکل اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہیں۔ پھر ہماری والدہ کی باری آئی ہے۔ انہوں نے بھی شعاع اور خواتین کا سنہرا دور دیکھا ہے جب ڈائجسٹ پچیس روپے کا ہوتا تھا اور صفحات بھی تین سو سے اوپر ہوا کرتے تھے۔ پھر ہماری باری آئی ہے، ہم کو یہ سب وراثت میں ملا ہے۔ ہم دو ہزار چار سے شعاع اور خواتین کو پڑھ رہے ہیں اور زندگی میں کتنے ہی اتار چڑھاؤ آئے مگر خواتین سے تعلق مضبوط ہی ہوتا چلا گیا۔

2۔ خواتین ڈائجسٹ کا معیار بلاشبہ سب سے اچھا ہے۔ میں اس وقت آپ کے چار شماروں سمیت دس ڈائجسٹ ہر ماہ منگواتی ہوں جیسا معیار میں نے خواتین کا دیکھا۔ ویسا کسی کو نہ پایا۔

اور دوسرے نمبر پر اس میں شائع ہونے والے سلسلے وار ناول جو ڈائجسٹ میں سلسلے وار ناول کے خانے میں ایک اور ناول کا اضافہ کر دیجیے۔

تیسرا اور سب سے اہم ہے اس میں موجودہ مصنفات۔ کمال۔ نمیرا احمد، نمرہ احمد، عمیرہ احمد، نگہت



Scanned with CamScanner

عبداللہ، نگہت سیما، اور بہت سی مصنفات بلاشبہ خواتین ڈائجسٹ کا اثاثہ ہیں۔ پلیز خواتین کے صفحات بڑھا دیں اور لکھائی تھوڑی چھوٹی کر کے زیادہ کہانیوں کو جگہ دیں۔

3۔ خواتین ڈائجسٹ میں کبھی سمیرا حمید کے ناول کی ہیروئین میں اپنی جھلک نظر آتی ہے تو کبھی نمرہ احمد کی ہیروئین محمل، کبھی عمیرہ احمد کی چڑیا تو کبھی نگہت عبداللہ کے ناول کی۔ سادہ سی ہیروئن، مکمل تو کسی میں اپنا عکس نظر نہیں آیا مگر جھلک نظر آتی ہے۔

4۔ سالگرہ اب تو نہیں مناتی۔ اب تو بعض دفعہ یاد بھی نہیں رہتا اور نہ گھر میں کسی کو پتا ہوتا ہے کہ ہم چھبیس جنوری کو پیدا ہوئے تھے، خواہ مخواہ عمر گننے لگ جاتے ہیں۔ سالگرہ مناتی تھی پہلے اور ایک دفعہ کیک سے موم بتیاں بجھاتے ہوئے بالوں کو آگ لگ گئی تھی اور شکر ہے فوراً بجھا دی گئی تھی۔ تحائف ملتے تھے۔ چائے چلتی تھی مگر اب ایسا کچھ نہیں۔ بس گھر میں ہی چھوٹے بچوں کی سالگرہ منائی جاتی ہے۔

5۔ یہی کہ اب تو خود کو بھی بعض اوقات بھول جاتا ہے تو کسی سے کیا گلہ کرنا۔ اب سالگرہ مناتے ہی نہیں کہ کسی کے یاد نہ رہنے پہ غصہ آئے۔ اب ہم اچھے بڑے بن گئے ہیں۔

6۔ بالکل سالگرہ پہ تحفے ملے ہیں۔ میرے شوہر زیادہ تر مجھے بریسلیٹ لا کر دیتے ہیں۔ عید پہ اور سالگرہ۔ تو وہی میرے لیے اہم ہوتے ہیں اور ان ہی کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہتی ہوں۔

**ثوبیہ نور...... بہاول نگر**

1۔ خواتین سے رشتہ اچھے خاصے بچپن میں استوار ہوا اس وقت کی بات ہے جب اردو کے نام پر نصابی کتابیں ہی میسر تھیں مگر پنجابی میں ہاتھ کافی کھلا تھا۔ تیسری چوتھی جماعت میں ہی ہیر وارث شاہ، سسی پنوں، سوہنی مہیوال، زیر مطالعہ رہا کرتے تھے ایسے میں ایک دوست، اپنی کسی دوست سے خواتین مانگ لائی اور گویا کسی نئی کائنات کے دروازے کھل گئے۔

لمبے عرصے تک ہم سادہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ یہ رسالے، اسی گھر سے ملتے ہیں۔ اس لیے مڈل اسکول تک ان ہی کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھتے رہے (اور فیض پاتے) پھر میٹرک کے لیے شہر آنا جانا ہوا تو دوسرے ذرائع معلوم ہوئے۔ ہاں تو ہمیں زیادہ پسند نہیں آئے (مہنگے تھے ہماری پاکٹ منی سے) مگر اسکول وین والے انکل کی اجازت سے ردیاں کافی دریافت کیں اور ردیوں کے اندر سے یہ گوہر نایاب دستیاب ہوئے۔ جنہیں آپ خواتین کے نام سے جانتے ہیں۔

2۔ سب سے پہلی وجہ پسند آنے کی ذوق مطالعہ ہی تھی مگر پھر اس کا صاف ستھرا مواد (جو



Scanned with CamScanner

اعتراض کرے اس کے سامنے پیش کر دیں کہ آپ بھی پڑھیں اور لطف اٹھائیں) پھر جو بھی مواد شائع ہوتا بہت ہی حقیقی، پڑھیں اور سیکھیں۔

سچ پوچھیں تو میرا ماحول تو ایسا تعلیمی نہیں تھا۔ تعلیم کی اہمیت پھر آگے بڑھنے کا حوصلہ، نئے راستوں کی دریافت انہیں رسائل سے کی۔ میں تو بہت ریزہ ریزہ تھی آگے بڑھنے کے راستے اسی روشنی میں دیکھتی گئی۔

3۔ ایسا کردار ڈھونڈنا تو مشکل ہے جس کے بارے میں سوچا ہو کہ ہاں میں بھی بالکل ایسی بننا چاہتی ہوں یار۔ بہت سے ایسے کردار ہو سکتے ہیں جن کی خوبیاں اچھی لگی ہوں۔

بلکہ میرے ساتھ ایسا مسئلہ تھا۔ میں کہانی کو پڑھتی نہیں تھی اس کا کردار بن جاتی تھی اور اس وقت مظلوم اور خدمت گزار قسم کی ہیروئن کافی فیشن میں تھی۔ آخر میں اس کی زندگی میں تو سب ٹھیک ہو جاتا مگر میں اپنی زود رنج طبیعت کے باعث وہی ہیروئن بن جاتی جیسے اس کے ظلم و ستم ختم ہوتے، میرا گویا مزا ہی کرکرا ہو جاتا اور اٹھتے بیٹھتے کہانی کے انجام کو اپنے خیالات کے مطابق ڈھالتی۔ مزید ظلم و ستم، مزید کٹھنائیاں اور ساتھ ساتھ بہتے آنسو۔

پھر جب اس ہیروئن جیسے حالات زندگی میں آئے تو سمجھ میں آئی کہ وہی انجام رہنے دیتی تو اچھا تھا تو اب مجھے بلند خیال، بلند حوصلہ، مضبوط ہمت والی ہیروئنز پسند ہیں اور ہیرو بھی ایسے ہی۔

4۔ سال گرہ ایسے تقریب کی طرح کبھی منائی تو نہیں مگر دوسرے گفٹس وغیرہ دے ہی دیتے ہیں۔ اور ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جب میں اور میری دوست شادی ہاسٹل میں رہا کرتے تھے میں تھرڈ ایئر میں اور وہ ماسٹرز ان انگلش کے بعد جاب کر رہی تھی اب میں کوئی ٹیوشن وغیرہ تو لیتی نہیں تھی خود ہی پڑھتی رہتی اور اس سے مشکل الفاظ کے معنی پوچھتی رہتی تب میری سالگرہ پر اس نے مجھے ڈکشنری گفٹ کی۔

5۔ سالگرہ بھولنے پر کوئی ردعمل نہیں بلکہ مجھے بھی بھول جائیں تو بھی کوئی ردعمل نہیں۔

خاموش اے دل بھری محفل میں چلانا نہیں اچھا
ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں

6۔ کسی بھی موقع پر ملے ہوئے گفٹس مجھے بہت عزیز ہوتے ہیں مجھے گفٹ لینا اور دینا دونوں ہی پسند ہے۔ میں اپنے گفٹس کو بڑے اہتمام سے استعمال کرتی ہوں۔ مگر پچھلی عید پر ملے گفٹس اتفاق سے ابھی بھی بغیر استعمال کیے رکھے ہیں اور وہ گفٹس والی مس شہناز (کولیگ، دوست، بہن) اب اپنے بہترین ٹھکانے کی طرف واپس جا چکی ہیں۔ اللہ ان کے درجات بلند فرمائے۔

☆☆


ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

| | |
|---|---|
| ملال زیست | آمنہ ریاض |
| بڑا آدمی | تسیم سحر قریشی |
| فصل غم کا گوشوارہ | رضیہ جمیل |
| دل اک گلشن | رضیہ جمیل |
| سوچ نگر کی رانی | رضیہ جمیل |
| حنا | نادرہ خاتون |
| چلمن | نادرہ خاتون |

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار کراچی فون 32216361

## باصلاحیت مصنفہ

# عنبرین ابدال سے ملاقات

شاہین رشید

عنبرین ابدال کو لکھتے ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گزرا۔ اس کے باوجود انہوں نے اب تک بڑی تعداد میں ناول، ناولٹ، افسانے ——— لکھے ہیں اور خوبی کی بات یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً ہر موضوع پر ہی لکھا ہے۔ ان کے ہاں کہانی میں کمی ہو سکتی ہے لیکن اثر انگیزی بھرپور ہے، تحریر میں روانی ہے نئی لکھنے والی مصنفین میں وہ نمایاں مقام رکھتی ہیں۔

"آپا ــــ انٹرویو شروع کرنے سے پہلے میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ مجھے آپ سے بات کرکے بہت بہت زیادہ خوشی ہوئی کیونکہ جب کسی کی ڈائجسٹ کے ساتھ ایک گہری واقفیت نہیں ہوتی اس کے ہاتھ میں جب ڈائجسٹ آتا ہے تو اس کے لیے سب سے کم وقت میں ایک تفریح جو ہوتی ہے، وہ انٹرویو ہوتی ہے۔ اور انٹرویوز پر میں نے ہمیشہ آپ کا نام دیکھا......

مزے کی ایک بات میں آپ سے ضرور شیئر کرنا چاہتی ہوں کہ "پتا نہیں کب کیوں اور کیسے میں آپ کا انٹرویو پڑھ رہی تھی تو میں نے سوچا کہ کیا کبھی ایسا وقت آ سکتا ہے کہ یہ میرا انٹرویو لیں ...... یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب میں بالکل بھی نہیں لکھتی تھی، ایک طالبہ تھی اور دور دور تک ایسا کوئی امکان نہیں تھا کہ میں لکھوں گی۔

جب آپ نے انٹرویو کے لیے کہا کہ تو مجھے نہ صرف بہت زیادہ خوشی ہوئی بلکہ وہ وقت بھی یاد آ گیا جب میں نے اس خواہش کا اظہار اپنے اندر کیا تھا۔ شاید وہ قبولیت کی کوئی گھڑی تھی تو بس اس لیے میں اپنی اس خواہش کو آپ کے ساتھ شیئر کر رہی ہوں۔

آپ اتنی سینئر ہیں۔ آپ سے بات کرنا ہی میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے ــــ میں نے جو چند لفظ لکھے ہیں، وہ شاید اس قابل ہیں کہ آپ میرا انٹرویو کر رہی ہیں۔"

بہت شکریہ عنبرین اس عزت افزائی کا۔ چلیں جی...... اب آپ سے سوال کریں گے۔

آپ کا نام عنبرین ابدال ہے۔ حسن ابدال ہمارے ملک کا ایک شہر ہے۔ کیا آپ کا تعلق وہاں سے جڑا ہوا ہے؟

"آپ کو بتاؤں کہ یہ میرا پہلا انٹرویو ہے اور مجھے دو ایک ڈائجسٹ والوں نے انٹرویو دینے کو کہا تھا مگر میں نے انکار کر دیا تھا، بات یہ ہے کہ خود کے بارے میں بات کرنا بہت مشکل لگتا ہے۔ لیکن آپ نے کہا تو انکار نہ کر سکی کہ وہ خواہش جس کے لیے میں نے دعا کی تھی، اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا تھا۔"

"جی جی ــــ بالکل ایک شہر ہے "حسن ابدال" لیکن پہلے آپ کو یہ بتاؤں کہ میرا اصل نام "عنبرین زہرہ" ہے اور اس نام سے میری واقفیت خود کی بہت کم ہے، عنبرین نام سے میری اٹیچمنٹ بہت کم تھی اور میری اماں کو میرا یہ نام بالکل بھی اچھا نہیں لگتا تھا اور وہ ہمیشہ مجھ سے کہتی تھیں کہ میں تمہارا نام بدل دوں گی اور "عنبرینہ" نام رکھوں گی...... جو کہ بہت مختلف اور یونیک ہوگا۔

مجھے یاد ہے کہ کوئی مجھے عنبرین کہہ کر بلاتا تھا تو میں کوئی توجہ ہی نہیں دیتی تھی، یہ تو بعد میں معلوم ہوا کہ "میں ہوں عنبرین" میرے سارے ڈاکومینٹس عنبرین زہرہ کے نام سے ہیں۔"

"جب میں لکھنے کی طرف آئی تو میں نے اپنے نام کے ساتھ "ابدال" لگایا اور کسی شہر کی وجہ سے نہیں



Scanned with CamScanner

لگایا بلکہ ابدال حسین غزنوی میرے ابا کا نام ہے تو میں نے نام کے ساتھ ابدال لگانا شروع کیا تب مجھے اپنا نام بہت پیارا لگنے لگا اور میں نے لکھنے کا آغاز بھی اسی نام سے کیا۔ اپنے نام سے واقفیت اس لیے کم رہی کہ سب مجھے چنکی کے نام سے پکارتے تھے۔"

"فیملی بیک گراؤنڈ بھی بتایئے؟"

"جی ضرور...... میرا تعلق ایک پڑھی لکھی فیملی سے ہے الحمدللہ ہمارے خاندان میں پڑھائی کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ میرے دادا سیاسی طور پر بہت ایکٹو رہے ہیں اپنے شہر میں، میں پنجاب کے شہر "حافظ آباد" سے تعلق رکھتی ہوں۔ ایک بات ضرور کہنا چاہوں گی کہ شہر کے بڑا یا چھوٹا ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ انسان کی سوچ اور عمل اسے چھوٹا بڑا بناتے ہیں، میں نے بہت بڑے بڑے شہروں میں بہت چھوٹی چھوٹی باتوں کو دیکھا اور چھوٹے شہروں میں بڑی بڑی باتوں کو ہوتے دیکھا۔ ہاں بڑے شہروں میں تعلیم بہت عمدہ ہوتی ہے، چھوٹے شہروں میں بڑے شہروں والا معیار نہیں ہوتا۔ البتہ خود اعتمادی میں، ایکٹو ہونے میں چھوٹے شہروں کے لوگ زیادہ آگے ہوتے ہیں ان میں پوٹینشل (صلاحیت) زیادہ ہوتا ہے۔ دنیا کے ساتھ بھاگنے کا جوش و جذبہ زیادہ ہوتا ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میرا تعلق حافظ آباد سے ہے۔ میں حافظ آباد میں ہی پیدا ہوئی اور اسی شہر میں میری اسکولنگ ہوئی اور مجھے اپنے شہر سے بہت محبت ہے۔" (قارئین بہت عرصہ پہلے ہماری ایک مصنفہ

نوید و فضل تارڑ تھیں۔ ان کا تعلق بھی حافظ آباد سے تھا۔ وہ بہت اچھا لکھتی تھیں۔ چھوٹے بڑے شہر سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

میرے والدین الحمدللہ حیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں لمبی اور صحت والی زندگی عطا فرمائے۔ میرے پپا پہلے پی آئی اے میں جاب کرتے تھے۔ وہاں سے جاب کو خیر باد کہہ کر بینک میں جاب کی اور بینک کے بعد انہوں نے اپنا بزنس شروع کیا اور اب فرنیچر کا بزنس کرتے ہیں۔ والدہ صاحبہ ہاؤس وائف ہیں۔ انہوں نے گھر میں رہ کر صرف اور صرف اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی۔ توجہ کا سب سے زیادہ شکار میں ہی ہوئی ہوں۔ میری والدہ کو دنیا کی کسی چیز سے لگاؤ نہیں رہا۔ نہ ٹی وی سے نہ میگزین و اخبارات کے مطالعہ کا شوق رہا۔ بس اپنی ساری توجہ ہم پر مرکوز کر دی۔

ہم ماشاءاللہ چھ بہن بھائی ہیں۔ پانچ بہنیں اور ایک بھائی۔ میں گھر میں بڑی ہوں اور مجھے لگتا ہے کہ جیسے میں گھر میں سب سے چھوٹی بہن ہوں۔"

آپ نے میری تعلیم کے بارے میں پوچھا تو میرے نزدیک تعلیم ڈگریوں کا نام نہیں ہے۔ اصل تعلیم تو یہ ہے کہ آپ زندگی کو کیسے گزارتے ہیں، کس نظریے سے دیکھتے ہیں۔ سچ میں، میں نے اتنے اعلا تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھا جنہیں بولنے کا سلیقہ نہیں ہوتا۔ اٹھنے بیٹھنے کا اور بنیادی مینرز کا نہیں پتا ہوتا اور میں نے ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے کہ جنہوں نے اسکول کی شکل تک نہیں دیکھی یا معمولی تعلیم حاصل کی ہے مگر ان میں مینرز بہت ہوتے ہیں وہ اپنی بھی ہوئی گفتگو سے زندگی کا فلسفہ سمجھا دیتے ہیں۔

تعلیم میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ کیا سیکھتے ہیں۔ میں تو ہر دن کچھ نیا سیکھ رہی ہوتی ہوں۔ اور آئندہ بھی سیکھنا چاہتی ہوں۔ آپ میرے لیے کہہ سکتی ہیں کہ ابھی تو میں طفل مکتب ہوں کاغذی ڈگریوں کو ہی اہمیت نہیں دیتی۔ تو سمجھ لیجیے کہ میں ابھی اسٹوڈنٹ ہوں۔

پڑھائی سے متعلق میں آپ کو ایک دلچسپ واقعہ سناتی ہوں جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ میری والدہ کو بس ایک ہی شوق تھا اور وہ ہم بہن بھائیوں کو پڑھانے کا شوق تھا اور چونکہ میں گھر کی بڑی تھی تو میں ہی اپنی اماں کے قابو میں آجاتی تھی۔ میں شاید پہلی یا دوسری میں تھی۔ یہ بتاؤں کہ مجھے میتھس بہت برا اور مشکل لگتا تھا۔ اور آپ سوچیں کہ پہلی اور دوسری کلاس کا بچہ کتنا ہی بڑا ہوگا۔ جس صبح میرا میتھس کا پیپر تھا، میری اماں نے اس رات مجھے کھانا نہیں دیا تھا کہ پہلے میتھس سمجھ لو...... اور صبح چار بجے تک مجھے پڑھایا اور پھر مجھے سلا دیا اور صبح چھ بجے پھر جگا دیا اور بہت اچھے طریقے سے میری تیاری کروادی۔

اور میری اماں کے شوق کو دیکھتے ہوئے ہم سب نے بھی بہت شوق سے تعلیم حاصل کی اور ہم سب ہی اماں کی وجہ سے پڑھائی میں بہت اچھے رہے اور میں اب اپنی اماں کو چھیڑتی ہوں کہ بھلا بتائیے کہ ون اور ٹو کلاس کے بچے نے کون سے میڈل لے لینے تھے کہ آپ نے نہ کھانا دیا نہ سونے دیا بس ساری رات پڑھاتی رہیں۔ کون سے مجھے اسکالرشپ مل جانی تھی۔

ہم لوگوں نے اسکول ______ سے واپس آنا۔ کپڑے بدلے، کھانا کھایا اور پھر اماں سب کو لے کر بیٹھ جاتی تھیں کہ کیا کیا ہوم ورک ملا ہے اور کس کو کیا کرنا ہے۔ میری تو بہت ہی شامت آئی تھی۔ روزانہ پہلے سے لے کر دس تک ٹیبل سنتی تھیں اور مجھے ٹیبل اتنے برے لگتے تھے کہ بتا نہیں سکتی اور اتنی سختی پر میں بھول بھی جاتی تھی اور ٹو کا ٹیبل تو مجھے بہت برا لگتا تھا۔ ویسے سچ بات بتاؤں جہاں اتنی سختی ہو وہاں بندہ تھوڑا بددل بھی ہو جاتا ہے۔ اماں کہتیں کہ رٹنا نہیں ہے بس سناتے جانا ہے۔ میں کاغذ پہ ٹیبل لکھ لیا کرتی تھی اور جب دیکھتی کہ اماں کوئی سبزی بنا رہی ہیں یا کسی کام میں مصروف ہیں تو میں پیپر میں دیکھ لیا کرتی تھی اور اماں کو پتا ہی نہیں چلتا تھا۔ ایسے ڈھیروں واقعات ہیں۔ میری چھوٹی بہن سمرین کو پڑھنے کا بالکل بھی شوق نہیں تھا اور وہ اماں کے قابو بھی نہیں آتی تھی۔

میری اماں تھوڑی سخت طبیعت کی ہیں جبکہ پپا بہت ہی نرم مزاج تھے اور ہیں۔ بچپن ہمارا بہت اچھا گزرا۔ صرف پڑھائی کی ٹینشن ہوتی تھی، باقی بے فکری کی زندگی تھی۔ کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، کھیل رہے ہیں۔ بہت حسین تھا بچپن۔

ہماری اماں کو ہمیں اچھا پہنانے کا بھی بہت شوق تھا۔ ریڈی میڈ کپڑے بہت پہنے اور نئے کپڑوں کو پہن کر میں بھی بہت [illegible] مارا کرتی تھی۔ گلی میں کوئی ریڑھی والا چیزیں بیچنے آتا تھا تو میں اپنے پپا سے پیسے لے کر ضرور چیزیں خریدا کرتی تھی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ پپا نے انکار کیا ہو کہ ابھی پیسے نہیں ہیں۔ ہاں یہ ضرور کہتے کہ ہر ایک کو مت روکا کرو اور دن میں اتنے پیسے خرچ بھی مت کیا کرو۔ مگر ڈانٹ کر نہیں بہت پیار سے سمجھاتے تھے۔

آپ نے گھر کے ماحول کے بارے میں پوچھا تو ہمارے ددھیال کا ماحول بہت سخت تھا اور مجھے بتانا یاد نہیں رہا کہ ہم لوگ ”سادات“ فیملی سے ہیں۔ تو ہماری خواتین کو بلا وجہ باہر جانے کی اجازت نہیں تھی۔ اور گھر کے دروازے پر اگر فیملی کا فیملی سے باہر کا کوئی بندہ آجاتا تھا تو گھر کی خواتین کو اجازت نہیں تھی کہ وہ دروازے پر جاکر پوچھیں کہ ”کون“ ہے، آنے والا ایک دو بار بیل بجاتا اور کسی کا جواب نہ آنے پر چلا جاتا تھا۔ ہمارے گھر کی یہ بات پورے محلے میں مشہور تھی کہ اس گھر کی خواتین دروازے پر نہیں آتی ہیں۔ سب لوگ بہت حیران ہوتے تھے کہ اتنا سخت ماحول ہے دروازے پر نہیں جانا اور نہ ہی کسی دوسرے کے گھر جانے کی اجازت ہوتی تھی۔ ہاں ہمارے گھر میں اگر خواتین ملنے آتیں تو گرم جوشی سے ویلکم کیا جاتا تھا۔ اور ہماری سہیلیوں سے بھی بہت پیار کیا جاتا تھا۔ جو بھی ہمارے گھر کے ماحول کے بارے میں سنتا تھا اس کے لہجے میں ایک ترس اور ہمدردی آجاتی کہ ہائے ایسے ماحول میں کیسے رہتے ہو۔



Scanned with CamScanner

آپ یقین کریں کہ مجھے کبھی یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمارے گھر کا ماحول گھٹن زدہ ہے۔ کچھ باؤنڈریز تھیں جن کو کراس کرنے کی ہمیں اجازت نہیں تھی۔ اور ویسے ہم گھر میں ہر طرح کے کھیل کھیلا کرتے تھے ہمارے گھر میں بچوں کے میگزین آتے تھے اخبارات بھی آتے تھے۔ گھر میں اچھے سے تیار بھی ہوتے تھے۔ شرارتیں بھی کرتے تھے اس لیے کبھی بھی محسوس نہیں ہوا کہ گھر کا ماحول کنزرویٹو ہے گھٹا ہوا ہے۔

بچپن روایتی تھا کھیل بھی روایتی تھے۔ گڑیوں کے ساتھ بھی کھیلے، ان کی شادی بھی کی۔ ہم دو بہنوں نے۔ گڑیوں کی شادی میں بازار سے کراکری لا کر ان میں کھانا بھی سجایا کرتے تھے میرے پاس ایک گڑیا ہے جو میری پیدائش پر میری ممانی نے دی تھی، ابھی میرے پاس ہے۔

گھر والوں کی لاڈلی تھی یا نہیں تھی، کہہ نہیں سکتی، البتہ اپنی اماں کی تو بالکل بھی لاڈلی نہیں تھی۔ اماں نے مجھے بہت مارا۔ مجھے بہت مار پڑتی تھی کیونکہ میں ضدی بہت تھی۔ البتہ ہم سب بہنیں پپا کی لاڈلی تھیں وہ ہم سب سے بہت پیار کرتے تھے اور کرتے ہیں اور ہم سب بہنوں کی ہر خواہش کو پورا ضرور کیا۔ اگر فوری طور پر نہیں تو بھی نہ کبھی ضرور پورا کیا ہے۔ پپا کے ساتھ میری لڑائیاں بھی بہت ہوتی ہیں۔

میں پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ لیکن مجھے پڑھنے سے زیادہ لکھنے کا بہت شوق تھا اور مجھے شوق تھا اس بات کا کہ میری رائٹنگ اتنی خوب صورت ہو کہ سب دیکھ کر حیران ہوں۔ اور یہ ضرور کہیں کہ کتنا پیارا لکھا ہے۔ اور لکھنے کی عادت مجھ میں اور میری چھوٹی بہن میں ہے، اس کی رائٹنگ بہت پیاری ہے۔

میں بھی تھوڑی غصے کی تیز ہوں۔ جب لڑائی ہوتی۔ ہے تو میرا جینا مرنا ختم ہو جاتا ہے ہر ایک کے ساتھ۔ فوراً کہہ دیتی ہوں کہ میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں کسی کے ساتھ بات نہیں کروں گی آج کے بعد کوئی مجھے نہ بلائے۔

بہنوں کے ساتھ اور بھائی کے ساتھ تعلق پیار اور احساس والا ہے۔ ہم بہنوں کو ایک دوسرے کی ہر ایک بات کا پتا ہوتا ہے۔ ہم ایک دوسرے کو کوئی بات بتائے بنا رہ بھی نہیں سکتیں۔ اور منع بھی کرتی رہتی ہیں کہ یہ بات اس بہن کو نہیں بتانی۔ اور پھر بتا بھی دیتی ہیں۔ اور مزے کی بات تو یہ کہ ہماری لڑائیاں بھی بہت ہوتی تھیں اور آج تک ہوتی ہیں۔

شکر الحمدللہ زندگی میں جو چیز چاہی وہ ملی سونے کا نوالہ ہم نہیں ہمارے والدین لے کر پیدا ہوئے تھے۔ میرے پاپا نے زندگی میں کچھ غلطیاں کیں سیونگ کے معاملے میں۔ مگر میں یہ ضرور کہوں گی کہ یہ ان کی مرضی تھی، ان کا دل تھا، ان کی خوشی تھی۔ ان کا دل تھا کہ ان کے اپنے بہن بھائیوں سے تعلقات بہت اچھے رہیں۔ اور سب ایک دوسرے کے ساتھ جڑے رہیں۔ بس انہوں نے کبھی نہیں سوچا کہ مجھے بچت کرنی ہے۔ اپنے بچوں کے فیوچر کے لیے۔

اصل میں میرے دادا نے اپنی زندگی میں اپنے ہی چھ بیٹوں اور دو بیٹیوں کے درمیان اپنی جائیداد تقسیم کر دی تھی اور سب کے حصے ان کے نام بھی کروا دیے۔

گھر میں پیسہ بھی دیکھا۔ خوش حالی بھی دیکھی۔ لیکن پھر بھی کچھ فیصلے انسان غلط بھی کر جاتا ہے اور پھر اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑتا ہے۔ پپا کا بزنس تھا پارٹنر شپ میں تو ان کا پارٹنر پیسے لے کر باہر چلا گیا۔ مطلب بھاگ گیا۔ تو ایک دم سے ہمارا ٹف ٹائم شروع ہو گیا۔ یہ تو والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے کہ ہم لوگوں کی طبیعت میں صبر و شکر بہت ہے وقت آسانی سے گزر گیا۔

میرے پپا بہت فراخ دل ہیں۔ اگر ان کی جیب میں سو دو سو یا ہزار دو ہزار بھی ہیں اور کوئی ان سے مدد مانگنے آ گیا ہے تو وہ انکار نہیں کرتے تھے ہم اکثر کہہ دیتے تھے کہ ایسا نہ کیا کریں کیونکہ ابھی ہمارا اپنا ٹف ٹائم گزر رہا ہے۔ تو کہتے کہ کیا کروں میں کسی کو انکار نہیں کر سکتا۔

ایک بار ہماری گلی میں ایک ٹھیلے والا آیا جو "دہی



Scanned with CamScanner

بھلے" بیچ رہا تھا۔ میں نے بھائی سے فرمائش کی کہ مجھے تو وہی بھلے کھانے ہیں تو بھائی جب بھلے والے کے پاس گیا تو اس نے کہا کہ آپ اس گھر سے آئے ہیں (اشارہ کرتے ہوئے کہا) یہ تو شاہ صاحب کا گھر ہے۔ بھائی نے کہا کہ "جی وہ میرے پاپا ہیں۔ تو اس نے نا صرف پپا کی تعریف کی۔ دعائیں دیں بلکہ یہ بھی بتایا کہ کچھ دنوں سے میرا کام بالکل بند تھا تو آپ کے پپا میرے پاس آئے اور مجھے پیسے دیئے کہ آپ اپنا ٹھیلا لگائیں اور چیزیں لے کر آئیں تاکہ آپ کے گھر کا چولہا جلتا رہے۔

جب بھائی نے مجھے آ کر بتایا تو مجھے اس وقت اتنا فخر محسوس ہوا کہ میں بتا نہیں سکتی۔ اس کے بعد ہم نے پاپا کو کہنا چھوڑ دیا کہ آپ سب کی مدد کیوں کرتے ہیں۔

بچپن بالکل بھی نام بوانے کی طرح نہیں گزرا۔ مجھے بچپن سے ہی گھر میں رہنا پسند ہے۔ ہمارے گھر کے قریب ہی شاپنگ مال ہے اور آپ یقین کریں، کئی کئی ماہ میرا جانا نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ ان کی سیٹنگ بھی بدل جاتی ہے۔ مگر میرا جانا نہیں ہوتا۔

ہاں میں اپنی فیملی کے ساتھ ضرور جاتی ہوں اور انجوائے کرتی ہوں۔ کھاتی پیتی ہوں، مزے کرتی ہوں۔ ہنر سیکھنے کا بہت شوق تھا جیسے سلائی وغیرہ۔ مگر باوجود کوشش کے نہیں سیکھ پائی سب سے خاص طور پر دادی اور اماں سے ڈانٹ ہی پڑتی تھی۔ کوکنگ سیکھنے کی کوشش کی مگر سیکھ نہ پائی، بہت بری کوکنگ کرتی تھی۔

میں اپنے گھر میں بھائی بہنوں میں بڑی ہوں مگر میری حرکتیں ایسی ہیں کہ سب مجھے کہتے ہیں کہ تم کبھی بڑی نہیں ہو گی۔ تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ حالانکہ مجھے دو کاموں کا بڑا ہی شوق ہے اور آج تک ہے۔ ایک تو کپڑے پریس کرنے کا اور دوسرا الماریاں ٹھیک کرنے کا اور اگر خیال آ جائے کہ مجھے الماریاں ٹھیک کرنی ہیں تو خواہ رات کا وقت ہو میں ٹھیک کرنے بیٹھ جاتی ہوں اور اس بات پر میری امی بہت ناراض ہوتی ہیں کہ کون سا کیڑا تھا جو تمہیں رات کے وقت کام کرنے پر مجبور کر رہا تھا کون سا بھوت ہے تمہارے اندر۔ بہت ڈانٹ پڑتی تھی مجھے ہاں کوکنگ کرنی تو مجھے آج تک نہیں آئی ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ میں بالکل انجان ہوں۔ ہاں جیسی چیزیں بنی چاہئیں ویسی بنتی نہیں ہیں۔ ویسے میں کھیر، زردہ، بریانی بہت اچھی بناتی ہوں۔ البتہ نارمل روٹین کے کھانے نہیں بناتی۔ میری بہن "کشف" کی کوکنگ بہت اچھی ہے اس کے ہاتھ میں ذائقہ ہے۔ اماں بھی مجھے اکثر کہتی ہیں کہ تم کھانا نہ ہی بناؤ تو اچھا ہے۔ کام کم کرتی ہو۔ پھیلاوا زیادہ کرتی ہو۔ مجھے روٹیاں بنانے کا بہت شوق ہے اور گھر والے اس بات پر بہت خوش ہیں کہ یہ روٹی بہت اچھی بنا لیتی ہے۔

"اب آ جائیں لکھنے کی طرف؟"

"سچ کہوں تو میں پیدائشی رائٹر نہیں ہوں اور نہ ہی میرے گمان میں تھا کہ میں رائٹر بنوں گی یا مجھے رائٹر ہی بننا ہے زندگی میں بہت سی چیزیں ہم خود کے لیے ڈیسائیڈ نہیں کرتے۔ یہ اوپر والا فیصلہ کرتا ہے کہ اپنے اس بندے کو میں نے کہاں اور کس طرف لے جانا ہے۔ میرے ذہن کے کسی بھی کونے میں، کونے میں یہ نہیں تھا کہ مجھے رائیٹنگ کرنی ہے، مجھے لکھنا ہے یا مجھے لکھنا آتا ہے اور میں کوشش میں ہوں کہ کچھ لکھ لوں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دن میں ایسے ہی بیٹھی پروگرام دیکھ رہی تھی "کون بنے گا کروڑ پتی" اس میں ایک عورت نے سات کروڑ جیتے۔ تو یونہی بیٹھے بیٹھے میں نے اپنے آپ سے سوال کیا کہ میں کیا کر رہی ہوں اپنے ساتھ...... کیا میری زندگی ایسے ہی گزر جائے گی۔ کیا ساری زندگی ایسی ہی رہوں گی۔ مجھے کچھ کرنا چاہیے۔ تو دماغ میں ایک بات اچانک سے آئی کہ چلو کچھ لکھتے ہیں۔ دیکھتی ہوں کہ مجھے کچھ لکھنا آتا ہے یا نہیں۔ میری زندگی کا وہ پہلا دن تھا جب کچھ لکھنے کا خیال میرے ذہن میں آیا تھا۔ یوں میرے لکھنے کا سفر شروع ہوا۔

(جاری ہے۔)

☆☆



Scanned with CamScanner

نادرہ خاتون

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔37۔اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

حسب روایت سال بھر کے شماروں پر بھرپور تبصرے کے ساتھ فرخندہ سلیم نے اس محفل کو رونق بخشی ہے۔ لکھتی ہیں سب سے پہلے خواتین کی ساری قارئین کی طرف سے خواتین کی ساری ٹیم کو ہری پسند کے گلاب، جو ہر ماہ اتنی محنت سے ہمارے واسطے ہمرا خواتین ڈائجسٹ تیار کرتے ہیں۔

گزرے سال کے خواتین کی یادوں کو تازہ کرتے ہیں تو ہر ماہ اداریے نے بہت کچھ سکھایا۔

حدیث کا سلسلہ ہمرا پسندیدہ ہے اس کی تعریف کے لیے الفاظ نہیں۔

شاہین جی نے سارے سال مصنفین کی بہت ہی دلچسپ ملاقاتیں ہم سے کروائیں جو سب کو بے حد پسند آئیں وہیں پکھاوا کا رزہر بھی لگے۔

خاتون کی ڈائری میں ہر ماہ قارئین نے دلکش شاعری کا انتخاب پیش کیا وہیں رنگا رنگ پھولوں کا گلدستہ تو ہمیشہ سے ہی پسندیدہ رہا ہے۔ پکوان بھی کسی سے کم نہ تھے۔

بیوٹی بکس نے ہر ماہ ایسی ترکیبیں پیش کیں جن سے چہرے کے کھنڈرے بھر گئے، رنگ گورا۔

ہرے ترے سب کے بھائی عدنان نے سب کو سارے سال اتنے زبردست مشورے دیے جو سب کی رہنمائی کرتے رہے۔

ایکسچز اتنے پیارے تھے سارے سال کہ دل کیا ڈائجسٹ کے اندر ہی چلے جاویں اور ایکسچز میں سما جائیں، باورچی خانے میں قارئین کی شرکت پورے سال بڑی شان و شوکت سے ہوئی۔

اب ذکر کرتے ہیں اس سلسلے کا جس کے بنا خواتین ڈائجسٹ نامکمل ہے۔ یعنی خطوط کا سلسلہ جس میں شرکت کی ساری شہزادیوں نے یعنی ناہید اسماعیل، سلمٰی مسرت، صدف ناصر، کوثی جمال، صائمہ علی، صائمہ گل، رضوانہ وقاص، عدینہ لغاری، حنا جاوید، جوریہ حیدر، الفت زہرا، براج طیبہ، سعدیہ مصطفیٰ، مصباح نذیر، کائنات، باسط، چاند فضل، حنا عمر خان، غزالہ اقرا عزیز، عذرا حیات، صفیہ مہر فرحان، تانی رانی، موناعلی، شالطیف، نازیہ مختار، ریحانہ چودھری، اقا عباسی، سارا واحد خان، فرزانہ انصاری، زرینہ خانم لغاری، روبیہ، سویرا ظفر اقبال، سارہ خان، ایمان سی، اقصیٰ شہزاد، کنیز فاطمہ، طیبہ شوکت، فرحانہ مہتاز، سعدیہ پروین، شبانہ تسنیم، قراۃ العین، صبا تحریم، علیزہ بلال، بریرہ حسن، روبینہ اصغر، سہانا کنول، ام ہادیہ، سعدیہ کنول، اقصیٰ شہزاد، عائشہ امیر، مریم لاشاری، اقراء بتول، ثمرین بانو، میشے علی خان، شبانہ سلیم، نیلوفر جاوید، ناصرہ مریم، رخشانہ عاجز، والدہ اور میرب، عروج یوسف، علیمہ جبین، سنجیدہ افضل، سمیرا اصافی، فیری زمان، ام ہادیہ، عروج عالم، عائشہ یار، شائلہ بشیر، عمارہ، آجیہ خان، مریم لاشاری، عشرہ مومن، حاجہ سعدیہ اخلاق، ثنا سفیان، مصباح یونس، مومنہ عمران، قلفی عمر، ایمن بلال، عمارہ صفدر، عائشہ امیر، نصرت جبین، عروج یوسف، کرن بتول، سمن تحریم، عشاء رمشا سسٹرز، فرزین چودھری اور حسینہ یاسمین مصباح کے خط پورے سال یعنی اپریل 2025 سے مارچ 2026 تک شامل ہوئے جو کافی دلچسپ، دلکش اور فکر انگیز تھے ان سب کو میری اور ادارہ خواتین کی طرف سے چنبیلی کے پھولوں کا گلدستہ پیش کیا جا رہا ہے جو ہر ماہ یا چاہے کبھی شامل ہوتی رہیں اور

دکھ لیں سب کا ذکر کیا ہے دل کھول کر وہیں خواتین ڈائجسٹ کی بچپن کی سہیلی فرخندہ سلیم کے خط بھی ہر ماہ خواتین میں لگتے رہے اور ذاتی نظمیں بھی ساتھ لگیں جو فرخندہ کے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔

اب باری ہے پورے سال کی کہانیوں اور سرورق پر تبصرہ کی۔

گزرے سال قسط وار ناولوں میں نمرہ کی مالا کی وفات کہانی کے اختتام پر ہوئی جس میں قارئین نے قبل سے چالیس دیں تک مالا کا دل کھول کر افسوس کیا ڈائجسٹ میں۔ وہیں ناول پردیس میں اجالا کی موت کا بدلہ میں نے اس کی مادہ بن مانس ساس اور قاتل شوہر کے کھانے میں چوہے مار گولیاں ملا کر لے لیا تھا۔ آپ سب کو یاد ہوگا اور دونوں ماں بیٹے الٹیاں کرتے کرتے مرے۔

سعدیہ عمیر کا ناول بھی گزشتہ سال ہیر و بشار کے ساتھ بھی بہت پسند کیا گیا جب کہ ظالم ولن کا اینڈ آپ سب کو اچھے سے یاد ہی ہوگا۔ ارے اس گزرے سال راحت کی بے شرم ثانیہ کی حرکتیں بھی تو تمام ہوئیں کہ آخر میں فرخ ہی اس کا نصیب بنا جو خود بھی ایک نمبر کا گھٹیا ہی تھا۔

اب اس سال خواتین میں کمال است انداز میں حسنہ حسین اجالا کی سسنی خیز داستان سنانے آ گئی ہیں جو پہلی قسط سے ہی قارئین پسند نہیں بہت پسند کر رہی ہیں وہیں سعدیہ کا دوسرا ناول بازی کہ وہ بھی کہتا ہے کہ میں کسی سے کم نہیں اور واقعی یہ سچ کہتا ہے۔

اپریل 2025 کا سرورق پیلی ساڑھی ماڈل میں شی جینا تھا۔ اس شمارے میں سعدیہ حسین اور فریدہ سیٹھی کی طویل تحریریں بہت اچھی لگیں جب کہ دعا ایوب، عشرہ مومن، نادیہ جہانگیر اور ندا ابرار انجم کے افسانے زیادہ پسند آئے۔ اور یہ شمارہ لذیذ سے گجریلے کی طرح بہت پسند آیا۔

مئی کی ماڈل گڑیا سی تھی جس کے ساتھ ہم خواتین والیاں بچپن میں گڈے کی شادی کرائی تھیں۔ نمی مصطفیٰ کا مکمل ناول کمال کا تھا وہیں صبا عمر خان، جویریہ مریم، صائمہ علی، آسیہ علی ساجد، مونا علی، اور مریم انصاری کے افسانے زیادہ پسند آئے اور یہ شمارہ شیرے میں تیرتی گرما گرم جلیبیوں کی طرح پسند آیا۔

جون میں اے آئی کی بقر عید نمبر کی ماڈل بہت موٹی تھی جو بالکل اچھی نہیں لگی۔ عائشہ نصیر احمد اور بشریٰ احمد کے طویل ناول کمال تھے، وہیں صبا تحریم کا افسانہ زیادہ اچھا لگا اور یہ شمارہ ذائقہ دار لب شیریں کی طرح پسند آیا۔

جولائی کی سنہرے بالوں والی انگریز ماڈل نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا تب ہی سر پہ چادر لی ہوئی تھی۔ فرح بھٹو کا ناول زبردست تھا وہیں دانیہ آفرین، حجاب ظہور اور حنا بشریٰ کے افسانے اچھے نہیں بہت ہی اچھے لگے اور یہ شمارہ کھوئے والی ٹھنڈی کھیر کی طرح پسند آیا۔

اگست کی اے آئی کی ماڈل اللہ جھوٹ نہ بلوائے بہت عجیب سی شے تھی مگر بیک کا منظر اچھا تھا۔ تحسین صداقت کا ناول اچھا لگا اکمل رضا، سیدہ، حرا رفاقت، شمائلہ والعباد کے افسانے زیادہ پسند آئے اور یہ شمارہ بادام کے سنگ بیسن کے گرما گرم حلوہ کی طرح پسند آیا۔

شاید سسرال والوں نے ستا کر رکھا تھا۔ اس لیے ستمبر کی ماڈل پیازی رنگ کی ساڑھی میں بنی منہ بنا کر کھڑی تھی۔ ام ہادیہ، بشارت، الطاف ہاشمی، رضوانہ وقاص، تحریم اعجاز، ریحانہ وقاص، اور لبنیٰ آصف کے افسانے زیادہ اچھے تھے وہیں میمونہ صدف کا مکمل ناول بہت زیادہ اچھا اور یہ شمارہ اخروٹی سوہن حلوہ کی طرح بہت پسند آیا۔

اکتوبر کی سرورق پر ماہ جبیں حسینہ اپنی دوست کی مہندی میں مدد کرتے ہوئے پھولوں کی تھالی پکڑ کر دوست کے بھائی کو دیکھ کر ہنس رہی تھی۔ قرۃ العین خرم ہاشمی (اف اتنا لمبا نام) کا مکمل ناول اور ام ایمن کا ناولٹ بہت اچھا لگا وہیں عقیلہ ہاشمی، خدیجہ عبداللہ، جویریہ حیدر ملغانی اور صدف کے افسانے زیادہ پسند آئے اور یہ شمارہ شیرے میں ڈوبے لذیذ گلاب جامن سے کم نہ تھا۔

نومبر کی ماڈل حسین سا فراک پہنے اپنی دوست سے ادھار مانگی انگوٹھی ہاتھ سے واپس اتارتی نظر آئی۔ ثوبیہ زمان، حمیرا شفیع اور عیسیٰ عائش کے افسانے بہت پسند آئے اور یہ شمارہ بادامی برفی اور قلاقند کی طرح پسند آیا۔

دسمبر کی چھوری نے چکن کاری کا برینڈ سوٹ بازار سے چرا کر پہنا ہوا تھا جو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ فرزانہ کھرل کا مکمل ناولٹ بہت زبردست تھا وہیں حنا جاوید کا مکمل ناول بھی بہت پسند کیا گیا۔ ساجدہ رمضان، نظیر فاطمہ اور فرحانہ ممتاز کے افسانے زیادہ دلکش تھے اور یہ

بقیہ صفحہ نمبر 200 پر



Scanned with CamScanner

سمیعہ عمیر

مکمل ناول

# ساڑی گردہ

## تیسری قسط

فواد ایک متوسط گھرانے کا نوجوان، باپ ایکسیڈنٹ میں ٹانگوں سے معذور ہو جاتا ہے حالات اس نہج پر آ جاتے ہیں کہ سب گھر والوں کو زندگی کی گاڑی چلانے کے لیے تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ فواد مکان بیچ کر باپ کا علاج کروانا چاہتا ہے۔ وہ منع کر دیتے ہیں۔ شاہد گیلانی اپنی بیٹی رامین کے ساتھ گیلانی ہاؤس میں رہتے ہیں۔ رامین فہد کی یونی فیلو ہے۔ شاہد گیلانی کی بیوی کینسر کا شکار ہو کر مر جاتی ہے۔ رامین یونی ورسٹی میں اچانک گرتی ہے۔ ڈاکٹر کے پاس جانے پہ اس کے کچھ ٹیسٹ ہوتے ہیں، رپورٹ آنے پہ پتا چلتا ہے کہ اسے اسٹیج تو بریسٹ کینسر ہے۔

شکرانے کے نفل تو تمہیں پڑھنے ہی چاہئیں۔ میرے بچوں کے لیے تو رشتوں کی لائن لگی تھی۔ مگر میں نے کہا بچپن سے دیکھے فواد اور سائرہ ہیں۔ ان سے بہتر کون ہوگا۔ اب مردوں کی بھی آمنے سامنے بات ہو جائے تو میں تمہیں دانیال کے اپارٹمنٹ کی تصویریں دکھاؤں۔ دیکھنا تمہاری بیٹی کا نصیب کیسے چمکا ہے، وہ بیٹے کی ساس سے بیٹی کی ساس پر چشم زدن میں پہنچی تھیں۔ چند باتیں مزید کر کے انہوں نے فون بند کر دیا۔

"دیکھو تو تمہیں اپنی ماں پر شک تھا۔ کیسا معاملہ سیٹ کر دیا ہے۔" فرزانہ کی تو خوشی کا ٹھکانا ہی نہیں تھا۔ "اس نے کہاں سوچا ہوگا کہ سائرہ کے ایسے نصیب کھلیں گے۔ ایک دو دن تک آئیں گے۔ تمہارے ابا سے رشتہ مانگنے کا تکلف بھی پورا کر لیں گے۔" انہوں نے فخر سے بتایا۔

"مطلب؟ میرا رشتہ مانگنے آئیں گے؟" زارا کھل کر سمجھ نہیں رہی تھی کہ کون سی بات اس کے لیے ہے کون سی دانیال کے لیے۔

"مطلب یہ میری لاڈو رانی۔ بی اے تمہارا ہو یا نہ ہو بیاہ تمہارے طے پا گیا ہے۔ فواد کے ساتھ۔" فاخرہ نے دوپٹے کا پلو اس کے سر پر اوڑھاتے ہوئے کہا۔ زارا کے چہرے پر خوشی کے رنگ پھیل گئے۔

☆☆☆

گیلانی ہاؤس کے ڈرائنگ روم میں وہ دونوں آمنے سامنے خاموش بیٹھے تھے۔ شاہد صاحب سگار کا کش لیتے ہوئے کچھ سوچ رہے تھے۔ فواد ڈرائنگ



Scanned with CamScanner

روم کی قیمتی مگر بے کار چیزوں کو دیکھ کر اوازار ہو رہا تھا۔ اصل باتیں تو وہ پہلے ہی طے کر چکے تھے۔ یہ تنہائی تو روایت نبھانے کی خاطر تھی۔ شاہد صاحب کی نظر باہر سے آتی راعین پر پڑی جو ملازمہ کو چائے کا کہہ کر دروازے کی اوٹ میں گفتگو سننے آئی تھی۔

"میں نے تمہاری بات سن لی ہے۔" شاہد گیلانی نے اچانک کہا۔ جیسے ڈائریکٹر نے ایکشن کہا ہو اور ڈرامہ شروع ہونے لگا ہو۔

"جی؟" فواد نے ناسمجھی میں سر اٹھایا تو اس نے بھی راعین کو دیکھ لیا۔

"میں نے آج تک راعین کو کسی چیز کے لیے انکار نہیں کیا۔ لیکن آج سے پہلے اس نے ہمیشہ اپنے اسٹینڈرڈ کی چیز پسند کی ہے۔" وہ راعین کو سناتے ہوئے فواد کو اس کی اوقات یاد کروا رہے تھے۔

"اس عمر میں اپنے اسٹینڈرڈ سے بلند چیز بھی پسند آ ہی جاتی ہے۔ آپ ان کو الزام نہ دیں۔" فواد کا موڈ بہت اچھا تھا۔

شاہد گیلانی نے سارا غصہ سگار کو ایش ٹرے پر مسل کر نکالا۔

"دس سال کے تجربے کے بعد جو نوکری ملتی ہے وہ کل تمہیں مل جائے گی۔ پندرہ سال پائی پائی جوڑنے کے بعد جو گاڑی تم جیسا آدمی خرید سکتا ہے وہ کل دوپہر تک تمہارے آفس کے سامنے کھڑی ہو گی۔" دروازے کی اوٹ میں موجود راعین کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

یہ سب اتنی آسانی سے کیسے ہو رہا تھا؟

"لیکن۔" شاہد گیلانی نے تجسس بڑھاتے ہوئے وقفہ دیا۔

فواد نے قدرے آرام دہ ہو کر پہلو بدلا۔

"لیکن شادی کی شام ہی تم اپنا سامان سمیٹ کر گیلانی ہاؤس میں شفٹ ہو جاؤ گے۔ صرف اسی صورت میں تمہاری شادی راعین سے ہو سکتی ہے۔"

"واٹ؟" فواد اپنی کرسی پر آگے ہوا تھا۔

بڑے لوگوں کے چھوٹے ظرف کا وہ ابھی عادی نہیں ہوا تھا۔ شاہد گیلانی کی کمینی مسکراہٹ کہہ رہی تھی کہ ایک اچھا کھلاڑی اپنا سب سے اہم مہرہ اس وقت نکالتا ہے جب مقابل کے پاس واپسی کی گنجائش نہ ہو۔

"تو بولو مسٹر فواد رشید! راعین سے شادی قبول ہے؟"

راعین کا دل ڈوب رہا تھا۔ تو فواد کی سانسیں بند ہونے کو تھیں۔ سسرال کی نوکری اور سسرال کی روٹی اپنے لیے ایسی زندگی تو اس نے کبھی نہیں چاہی تھی۔ زندگی کا تریاق پھر سے کوسوں دور رکھ دیا گیا تھا۔

☆☆☆

وہ تنہا زہر پیتا یا گھر والوں کے ساتھ سسک سسک کر مرنا اس کی اپنی موت تھی۔

"راعین سے شادی قبول ہے تو تمہیں اس گھر میں اس کے ساتھ رہنا ہوگا۔" شاہد گیلانی نے بات دہرائی۔

فواد نے تھوک نگلا۔

"اچھے سے سوچ لیں۔ میں تو اپنا سامان لے کر آ جاؤں گا مگر کہیں یہ نہ ہو کہ میرے آتے ہی آپ کو اپنا بوریا بستر سمیٹ کر جانا پڑ جائے۔ کیونکہ ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں۔"

اس نے اتنے سکون سے کہا کہ شاہد گیلانی تسخیر کی خوشی محسوس نہیں کر سکے۔ الٹا انہیں اپنا آپ جال میں پھنستا محسوس ہوا تھا۔ راعین سامنے نہ ہوتی تو وہ منہ توڑ جواب دیتے۔

"اس بات میں کوئی لچک نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں میری بیٹی میرے سامنے رہے۔" شاہد نے کہا۔

"مجھے منظور ہے۔" فواد نے اپنی آخری خوشی کا بھی گلا گھونٹا۔

دروازے میں چائے کی ٹرالی کھڑکی تو راعین بھی نکل کر سامنے آ گئی۔

"راعین! تم فواد کو کمپنی دو۔ مجھے کام ہے۔" شاہد گیلانی اپنا کوٹ درست کرتے اٹھے تھے۔ راعین ڈرائنگ روم میں آئی اور پیچھے زرینہ ٹرالی دھکیلتے ہوئے آ گئی۔

"آپ رہنے دیں۔ چائے راعین بنا لے گی۔"



Scanned with CamScanner

فواد نے بے تکلفی سے راحین سے کہا۔ زرینہ اور شاہد گیلانی دونوں حیرت سے راحین کو دیکھنے لگے۔

"راحین باجی گلاس اٹھا کر منہ تک لے جاتی تھیں۔ یہی ان کی مہربانی تھی۔ وہ کپ میں چائے انڈیلیں گی؟ ایسا تو ناممکن تھا۔" زرینہ نے سوچا۔

"کچھ روایتیں بھی تو پوری ہونی چاہئیں۔" فواد نے راحین کو کہا۔

"زرینہ! تم جاؤ۔" راحین نے خود اسے برخاست کیا۔ شاہد گیلانی پیر پٹختے ہوئے دروازے سے باہر چلے گئے۔

انہیں جلد از جلد اپنا مقصد پورا کر کے فواد کو راحین کی زندگی سے نکلوانا تھا۔ راحین باپ کی چھوڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔

"آپ بھول رہے ہیں میں نے شادی کے لیے ہاں نہیں کی۔" راحین اکڑ کر بیٹھی اسے جتا رہی تھی۔

"ابھی تو سوال چائے کا ایک کپ ہے۔ اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فواد نے سادگی سے پوچھا۔

"آپ کو ہو کیا گیا ہے؟" فواد اتنا بول اور اتنا مسکرا سکتا تھا اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔ وہ حیرت سے چائے انڈیلنے لگی۔

☆☆☆

وہ کون لوگ تھے جو تبدیلی کے خواہاں ہوتے تھے۔ ان کے لیے تو بدلا ہوا فواد کسی موذی مرض جیسا ثابت ہو رہا تھا۔ رشید اور غزالہ تو یک ٹک دیکھے جا رہے تھے۔ وہ جو کہہ رہا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ ان کے فیصلے کے خلاف جا کر اپنا فیصلہ سنا دے۔

وہ بہن کی خوشیوں کی فکر نہیں کر رہا تھا۔ ماں باپ کی دی گئی زبان کی اہمیت نہیں رہی تھی۔ یہ ان کا فواد تو نہ تھا۔ غزالہ کو وہ اجنبی لگنے لگا تھا۔ جو کتابوں سے نظر نہیں اٹھاتا تھا ان کی آنکھوں میں دیکھ کر پسند کی شادی کی اطلاع دے رہا تھا۔ رشید صاحب نے اپنے بازو سے ماتھے کا پسینہ پونچھا۔ آج وہ صحیح معنوں میں مفلوج محسوس کر رہے تھے۔ ان کو آزاد دینے والا تو ایک الگ ہی ڈگر پر چل نکلا تھا۔

"کبھی ذکر ہی نہیں کیا تم نے۔" غزالہ کی سوچ تو ایک دھارے میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

"یہ فیصلہ اچانک ہی ہوا ہے۔" فواد نے سر جھکایا۔

وہ ماں باپ کو کیا کہتا جو سچ بھی ہوتا اور ان کی دل آزاری بھی نہ کرتا۔

"بھائی! یہ وہی لڑکی تو نہیں جو چاٹ کی دکان پر ملی تھی؟" سعد نے ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے گفتگو میں دلچسپی لی۔

"ہاں وہی ہے۔" فواد کا لہجہ ہر جوش سے عاری تھا۔

"وہ تو بہت امیر ہے۔ وہ مان گئی؟" مائدہ کا منہ بھی حیرت سے کھلا تھا۔

"وہ اچھی لڑکی ہے اور میں تو آپ کا فواد ہوں۔ آپ کو میرے فیصلے پر بھروسا نہیں؟" فواد نے ماں کے گھٹنے پر ہاتھ رکھا۔

ماں اسے چھونے سے بھی گھبرا رہی تھی۔

"ہم نے منیر کو پیغام پہنچا دیا تھا۔ سالوں کے ساتھ کے بعد اب انکار کر دیں گے تو میں اس سے نظر کیسے ملاؤں گا؟" رشید صاحب کی ٹانگیں مردہ ہوئی تھیں۔

بچے فرمائشیں کرنے سے کب فیصلہ سنانے پر آ جاتے ہیں خدا کی قدرت۔

"منیر چچا سے میں بات کر لوں گا۔ وہ بھی مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں۔ وہ مان جائیں گے۔" فواد کے دل پر ایک اور بوجھ آ گیا۔

والدین نے فواد کو بھی کان پکڑ کر اس کی غلطی بھی نہیں بتائی تھی کیونکہ بتانی ہی نہیں پڑتی تھی۔ اب اس کا فیصلہ کیسے رد کر دیتے۔

"وہ اتنی حسین ہے آپ لوگ دیکھتے رہ جائیں گے۔ بہت اچھی فیملی ہے۔ پیار سے کہو تو ہر بات مان لیتی ہے۔"

وہ ڈرامائی انداز میں ہنسا تھا۔ ایسے لگا شاید اس نے اترے چہرے کے ساتھ خبر سنائی تھی اس لیے ردعمل بھی ویسا ہی آیا تھا۔ وہ خوش ہوگا تو سب خوش ہو جائیں گے۔



Scanned with CamScanner

”کھانا لگ گیا ہے۔“ سائرہ نے کہا اور شرمندہ، بوکھلائے ہوئے چہروں پر نظر ڈالی۔

”آئیں کھانا کھاتے ہیں۔“ فواد خوشی سے اٹھا اور باپ کی وہیل چیئر کو گھسیٹنے لگا۔

رشید اور غزالہ کی تو بھوک مر گئی تھی۔ آنے والے وقت کی بے یقینی ہولائے دے رہی تھی۔

ایک فواد تھا جس کی بھوک زور و شور سے چمک رہی تھی۔ وہ رغبت سے کھانے لگا۔ یہ باپ کی کمائی تھی جو اتنے سالوں بعد بھی حلال تھی۔ جبکہ اس کی اپنی کمائی تو روز اول سے سیاہ ہونے والی تھی۔ حلال رزق کھا کر بھی اس میں ہمت نہیں آئی کہ گھر داماد بننے کی بات اپنے گھر والوں کو بتا سکے۔

☆☆☆

”میں آپ کے احسان نہیں بھولا۔ میری وجہ سے آپ کی دل آزاری ہو، میں یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ امی کی آنٹی سے کیا بات ہوئی ہے۔ ورنہ میں پہلے ہی بتا دیتا کہ میں تو کہیں زبان دے چکا ہوں۔“

وہ منیر کے گھر آیا اور ویسی ہی تابعداری سے قائل کر رہا تھا۔ جیسے اس نے اپنے والدین کو کیا تھا۔

”ممنون تو میں تمہارا ہوں۔ میرا بیٹا تو ایسا پرایا ہوا کہ پہلے جن گلیوں میں کھیلتا تھا، اب وہی اسے گندی لگتی ہیں۔ تم نے سگے نہ ہوتے ہوئے سگا بن کر دکھایا۔“ ان دونوں کا ساتھ تنے اور جڑوں جیسا تھا۔ کون کس کو سہارا دیے تھا کہا نہیں جا سکتا۔

”یہ کاجوں میں پلنے والی محبتوں میں وفا نہیں ہوتی اور یہ امیر زادیوں کو تو شوہر نہیں نوکر چاہیے ہوتا ہے۔“ فاخرہ ساتھ ہی بیٹھی تھیں اور سینہ پیٹ کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہی تھیں۔

”اپنا نہیں تو سائرہ کا سوچا ہوتا۔ اس کو کہاں اچھا رشتہ ملنے لگا۔ نہ تعلیم ہے نہ پیسہ۔“ فاخرہ نے رشتہ لیتے کے وقت جتنی خوشامد کی تھی اس سب کا حساب برابر کر دیا تھا۔ ان کی کڑوی باتوں کو نظر انداز کیے دونوں مرد ایک دوسرے کو دلاسا تسلیاں دینے میں مگن تھے۔

”نیک بخت او وہ بتا رہا ہے غزالہ کو غلط فہمی ہوئی تھی۔“ منیر نے بیگم کو چپ کروایا۔

”میرا بیٹا، ماں کی ایک بات پر مان گیا تھا ان غریب، جاننے والوں کی لڑکی بیاہنے، میری تربیت کی بات کرتے ہیں اور یہ جس کو نوکری دی۔ کیسا احسان فراموش نکلا۔ تم نے اس لڑکی کو زبان دے دی ہے۔ تو تمہاری ماں نے مجھے بھی زبان دی تھی۔“ فاخرہ نے غصے سے کہا۔

منیر اور فواد سر جھکائے بیٹھے رہے تو فاخرہ پیر پٹختی وہاں سے اٹھ گئیں۔ ایک زارا تھی جس نے ایک بھی آنسو نہیں بہایا تھا۔ ابھی تو اس نے ایک نظر استحقاق سے فواد کو دیکھا بھی نہیں تھا کہ سارے حقوق چھن گئے۔ وہ اتنی منتوں کے بعد آج اندر آیا تھا تو یہ سب کہنے چائے کی پتی پانی میں گھولتی رہی۔ محبت ادھوری رہ جانے کے طریقوں میں سب سے تکلیف دہ یہ طرز عمل تھا۔ سب رضامند تھے۔ صرف ایک وہ ہی نہیں مانا تھا۔ اسے فواد نے خود ٹھکرایا تھا اور اس کے سارے مان چھن گئے تھے۔

☆☆☆

دن دگنی رات چوگنی ترقی محاورے سے نکل کر حقیقت بن گئی تھی۔ فواد کو بھی چمچماتی گاڑی مل گئی تھی۔ جو پورچ میں کھڑی ہوتی تو بمشکل گیٹ بند ہوتا۔ رنگ و روغن اور مرمتوں سے گھر کا روپ ہی بدل گیا تھا۔ فواد کی موٹر سائیکل سعد کو مل گئی تھی جسے وہ اڑائے پھرتا تھا۔ مائدہ کی پاکٹ منی میں ہوشربا اضافہ ہوا تھا۔

اس کی شادی کی تیاریوں کی لسٹ ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔ ایک سائرہ تھی جو ہتا پودے کے پھول کی طرح مرجھانے لگی تھی۔ اس کے انتظار کا وقت مکمل ہو گیا اور اسے ادھورا کر گیا۔ گھر کے کاموں کے لیے ملازمہ رکھ لی گئی تھی۔ اس کا متبادل کتنا آسان تھا۔ ہنڈیا بھون کر وہ یہی سوچتی رہتی تھی کہ اس نے پڑھائی چھوڑ کر زندگی کے کتنی سال ضائع کیے۔ ڈاکٹر بننے کا خواب جس کو اس نے گلا گھونٹ کر مارا تھا۔ اب مردہ آسیب کی طرح دہلاتا تھا۔ وہ نہ پیچھے کی رہی تھی نہ



Scanned with CamScanner

آگے جا سکتی تھی۔

"باجی! آٹا کدھر رکھوں؟" ملازمہ بیس کلو آٹے کا تھیلا اٹھائے ڈول رہی تھی۔

سائرہ اسے جگہ بتانے لگی تو دروازے میں کھڑے ایک خاموش وجود کا احساس ہوا۔ وہ صارم تھا۔ جو فواد کے کہنے پر سودا لے کر آیا تھا۔

"شکریہ۔" اس نے آگے بڑھ کر راتی تھیلے پکڑے اور خاموشی سے الماری کھول کر ملازمہ کو آٹے کی جگہ دکھائی۔ ملازمہ چلی گئی۔ صارم کھڑا رہا۔

"مجھے غیر ثابت کرنے کا آپ کوئی موقع جانے نہیں دیتی ہیں۔" پابندی اظہار محبت پر تھی۔ اظہار بے اعتنائی پر تو نہیں۔

"دہلیز پار کر کے آنے کے بعد آپ کی آمد کی خبر ملتی ہے۔ پھر بھی آپ اجنبیت برتنے کا گلہ کرتے ہیں۔" سائرہ شاپر سے سودا نکال رہی تھی۔

"میں اتنی دیر سے کھڑا ہوں۔ تم خود سے بتا سکتی تھیں کہ پریشان کیوں ہو۔" اس نے سیدھا پوچھا۔

"خود سے کیا بتاؤں میں تو ہاسی اخبار ہو چکی ہوں۔ اپنے کام کی رہی نہ کسی اور کے۔" وہ خود پر ہنسی۔

صارم سمجھ گیا تھا۔ وہ ایسے ہی سمجھ جاتا تھا۔

"چار سو روپے ہوں گے؟" اس نے دل کی بات کبھی بھی صارم نے مان توڑ رکھا تھا۔

"کیوں آپ نے مشوروں کی فیس لینا شروع کر دی ہے؟" سائرہ نے ہنستے ہوئے قریبی الماری کھولی اور سودے کی رقم سے مطلوبہ پیسے نکالے۔

"یہ اس لیے ہیں کیونکہ آپ کو میرے دیے تحفے قبول نہیں ہوتے۔" صارم نے نوٹ گن کر جیب میں ڈالے اور بغل سے ایک کیک آئسنگ سیٹ نکالا۔ جس سے آسانی سے کیک پر کریم سے پھول بنائے جا سکتے تھے۔ اس نے کچھ دن پہلے یہ سیٹ خریدا تھا اور سیدھے ہی اندر آیا تھا۔

"ارے صارم جیتے رہو بیٹا۔" غزالہ کمرے میں تھیں صارم کی آواز سن کر باہر آئیں اور اس سے سودا سلف کی تفصیل سننے لگیں۔

سائرہ کونے سے ہو کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کمرے میں جا کر اس نے پیکٹ کھولا۔ جس پر لکھا تھا۔

"قیمت 400 روپے۔"

☆☆☆

وہ سکون سے بیٹھی بال برش کر رہی تھی جب اچانک اس کے ذہن میں بجلی کی تیزی سے یہ خیال گزرا کہ دو دن بعد اس کی فواد سے شادی ہے۔ اس نے جھٹکا کھایا جیسے کسی خواب سے جاگی ہو۔ یہ سب کیسے ہو گیا؟ بس دو دن۔

اسے جب یہ احساس ہوا تو اس کو بے چینی لاحق ہو گئی۔ وہ یہ سب کیوں کر رہی تھی؟ اگر ان دونوں کے مزاج نہ ملے؟ اس کے گھر والے ناکنک ہوئے؟ اور سب سے تکلیف دہ خیال تھا کہ اگر وہ اس کو خوش نہ رکھ سکی؟ تو پھر کیا؟

اس نے سنا تھا اور۔ تھینکنگ کا نوبل انعام ہوتا تو عورتوں کو ملتا۔ تب وہ ان عورتوں پر ہنستی تھی۔ اب اسے سمجھ میں آ رہی تھی۔ عورت محبت میں کتنی بے اختیار ہو جاتی ہے۔ سوچ سوچ کر اس کا ذہن مزید تھک گیا۔ وہ بے مقصد گیلانی ہاؤس کی دوسری منزل پر چکر لگا رہی تھی۔ کھڑکی میں کھڑی ہو جاتی پھر دوسری میں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ تب اچانک فواد کی کال آ گئی۔ اسے کیسے معلوم ہو جاتا ہے کہ رامین کو اس کی ضرورت تھی؟

"ہیلو۔" رامین کو کیسے نہ لگتا کہ اللہ نے اس کی مشکل آسان کرنے کے لیے ہی اسے بھیجا ہے۔

"آپ ٹھیک ہو؟" جب ہیلو کرتے ہوئے رامین نے پہلے جیسی گرمجوشی نہیں دکھائی تو فواد کو فکر ہوئی۔

"نہیں، میں ٹھیک ہی تو نہیں ہوں۔ میں بیمار ہوں اور میں ڈرپوک ہوں۔ مجھ میں علاج کروانے کی ہمت نہیں ہے۔ میں ایک چیز سے بچنے کے لیے الٹے سیدھے فیصلے کر رہی ہوں اور مزید پھنستی جا رہی ہوں۔" اس کا دل چاہا بول دے۔ مگر وہ سچ کہہ ہی نہیں سکی۔

"عجیب سی بے چینی ہو رہی ہے؟ کہیں کچھ غلط تو نہیں ہونے جا رہا؟ میں نے تو ابھی ہاں بھی نہیں کہی



Scanned with CamScanner

تھی۔" رامین نے کہا۔ یہ بھی سچ تھا مگر ادھورا سچ۔ دل کو تسلی تو پورا سچ کہنے سے ہی ہوتی ہے۔

فواد مسکرا دیا۔ رامین اندر سے بھی معصوم تھی۔ یہ اس کی باتوں ہی فریاد سن کر فواد کو سمجھ میں آرہا تھا۔

"راستے خود ہی اس طرف نکل رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے یہی ہونا ہمارے لیے ٹھیک تھا۔" فواد نے چاہا اس کے دل سے سارے ڈر، خوف نکال دے۔

"too good to be true right۔" اتنا اچھا کہ یقین نہیں آرہا ہے؟ اس نے بھولپن سے کہا۔

فواد بہت سے بے اختیار جذبوں سے لبریز ہوا۔

"اتنا اچھا نہیں ہوں میں۔ جتنا آپ کو لگتا ہوں۔"

وہ اب بھی کچھ نہیں پایا تھا کہ اس امیر زادی جس کو دنیا میں کوئی بھی مل سکتا تھا، اس نے اس میں کیا دیکھ لیا۔

"آپ مجھے سنبھال لیتے ہیں۔ میں نے یہ دیکھا۔ میں خود کو آپ کے سپرد کر کے بے فکر ہو سکتی ہوں۔ جانتی ہوں آپ سنبھال لیں گے۔" وہ اب ایک کھڑکی کے پاس زمین پر ہی بیٹھ گئی تھی۔ ایک دم سے سکون محسوس ہو رہا تھا۔

"اور آپ میری خاطر کیا کریں گی؟" فواد مطلبی نہیں تھا لیکن کچھ باتیں تھیں جو رامین مان لیتی تو یہ شادی آسان ہو جاتی۔

"زندگی نے مہلت دی تو سب کچھ کروں گی۔" اس کے جملے کا وزن مہلت پر تھا۔

"میرے گھر رخصت ہو کر آئیں گی؟" وہ بولنے کے ساتھ اب پیش قدمی کر رہا تھا۔

"ڈیڈ نہیں مانیں گے۔" اس نے شاہد گیلانی کا نام لیا جبکہ اس کی اپنی خواہش بھی تھی کہ وہ اس کے گھر والوں سے دور رہے۔

"پہلی رات بھی نہیں؟" فواد نے اب تک گھر پر اس شرط کا نہیں بتایا تھا۔ نہ ہی وہ نکاح سے پہلے بتانا چاہتا تھا۔

"فواد! میں ادھر رہ ہی نہیں سکتی۔ پلیز سمجھیں۔" زندگی مختصر بھی ہو تو اپنی من مرضی کی ہی گزارنے کا دل کرتا ہے۔

"دلہن رخصت ہو کر آتی ہے۔ رسمیں ہوتی ہیں۔ رونق لگتی ہے۔ وہ سب ہونے دیں۔ اگلی صبح میں خود سب کو بتا دوں گا اور آپ کے ساتھ آپ کے گھر آجاؤں گا۔ پرامس۔" فواد پیار سے کہا۔

"رسمیں؟" رامین نے پوچھا۔

فواد اس کو رسمیں بتانے لگا۔ ساتھ اپنے گھر والوں کے قصے۔ ماموں کی شادی کی باتیں بتا رہا تھا۔ اس کے محبت سے بولنے سے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ اس کو اپنے گھر والوں سے کتنا پیار ہے۔

رامین پہلی رات اس کے گھر میں گزارنے کے لیے مان گئی تھی۔

☆☆☆

عروسی لباس میں وہ پرستان کی شہزادیوں کی طرح لگ رہی تھی جو پہلے کبھی نہیں لگی تھی۔ معصوم، کم عمر، بیوی اور خوف زدہ۔

"آر یو شیور؟" پنڈال میں مہمان جمع تھے۔ وہ رات وہ حیرت میں تھی کہ کرسیوں پر کھانا مل رہا تھا۔ بغیر دھکے دیے جتنا مرضی کھاؤ۔ نکاح خواں کمرے کے باہر موجود تھا اور شاہد گیلانی اپنی بیٹی سے وہی سوال کر رہے تھے جو پہلی بار فواد کے گھر آنے کے بعد سے ہر روز کرتے آئے تھے۔

"ہمیں اسے سچ بتا دینا چاہیے تھا۔"

سرخ مہارانی اسٹائل، دوپٹہ، کندن کی لمبی مالا، گنگا جمنی کا مدار بلاؤز میں چھپا ایک سرطان زدہ سینہ تھا۔ جس میں قید نھا دل جھوٹ سے نئی زندگی شروع کرنے کے خیال سے ہی کانپ رہا تھا۔

شاہد گیلانی نے جیب سے نوشابہ کا وہ لاکٹ نکالا جو وہ ہر وقت پہنا کرتی تھی۔ سونے سے بنی ہرنی کی آنکھ کی جگہ سرخ پتھر لگا تھا۔

"یہ تمہارا ویڈنگ گفٹ ہے۔" انہوں نے بیٹی کے گلے میں چین پہنائی۔

رامین بھیگی آنکھوں سے باپ کے سینے سے لگ گئی۔

"سب صحیح ہو جائے گا ناں؟" اسے تسلی کی بہت ضرورت تھی اور شاہد گیلانی اس کام میں نہایت تھکے تھے۔ اس بازی میں ہاں سب بساط کے مہرے تھے۔ چال صرف شاہد چل رہے تھے۔ انہوں نے فواد کو راحین کی بیماری کا معلوم نہیں ہونے دیا تھا۔ نہ راحین ہونے والی ڈیل کا جانتی تھی۔ سب سے مضبوط کھلاڑی ہو کر بھی وہ سب سے کمزور محسوس کر رہے تھے۔ کیونکہ اس بازی میں انہوں نے اپنی بیٹی کی خوشیوں کو داؤ پر لگایا تھا۔"

☆☆☆

شاہد گیلانی کے مہمان کم ہونے کے باوجود نمایاں ہو رہے تھے۔ پلستر زدہ دیواروں پر بھی قیمتی پینٹنگز کی طرح وہ محفل بھی آرٹ کا نمونہ لگ رہی تھی۔

شاہد گیلانی نے میزبانی خوب نبھائی تھی گیلانی ہاؤس کے لان میں لگے پنڈال کی ہر چیز شاندار تھی۔ بس علمبرداری کی کمی محسوس ہو رہی تھی۔ غزالہ ہر ایک کو یہی کہہ کر پرسکون کر رہی تھیں کہ ماں جو نہیں ہے۔ باپ کہاں عورتوں میں آ کر پوچھتا پھرے اس کے علاوہ جتنے مہمان ہیں اتنے تو ویٹر کھڑے کیے ہوئے ہیں۔ ہمیں کون سے کسی چیز کی کمی ہے۔

☆☆☆

وہ نہیں بھاگا جب کہ اس کا بہت دل تھا کہ فرار ہو جائے۔ رشتے ایسے نہیں بننے چاہئیں۔ وہ خوددار انسان تھا۔ وہ یہ نہیں کر سکتا تھا۔ نکاح ہو گیا تو بھی وہ مستقل مزاجی سے کھڑا رہا۔ اس کی بے چینی دوردوں پر تھی۔ لیکن فواد نے جب سارے فاصلے عبور کر کے راحین کو اپنی سمت آتے دیکھا تو اس بڑے سے پنڈال میں اسے اپنا آپ پہلے سے بھی چھوٹا لگا۔

سامنے آتی لڑکی پچی تھی۔ غرور تھا تو سامنے ماتھے پر سجا کر رکھتی تھی۔ نخرا انگلیوں پر لپٹا تھا۔ نفرت کرتی تھی تو ڈنکے کی چوٹ پر کرتی تھی اور محبت کرنے لگی تو وہ جذبات بھی چھپا نہیں سکی۔

اس کی ساری خامیوں پر ایک خوبی بھاری تھی کہ وہ شفاف تھی اور فواد کی ریاکاری اس کی تمام اچھائیوں کو کائی کی طرح ڈھانپ کر بدبودار کرنے لگی تھی۔ اس وقت اسے احساس ہوا وہ کتنا خوش قسمت ہے۔ راحین نے اسے چنا تھا۔ اس وقت اس نے دل میں عہد کیا کہ۔

وہ اس لڑکی کی خوشیوں کی حفاظت عزت فرض کی طرح نبھائے گا اس لڑکی کی آنکھوں میں کبھی آنسو نہیں آنے دے گا۔

راحین بالکل اسٹیج کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس نے گھبرائی ہوئی نگاہ فواد سے ملائی۔ فواد نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"بہت اچھی لگ رہی ہو۔" وہ اسے سہارا دے کر اسٹیج پر لایا تھا اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ حسین دکھ رہی ہے۔ اس نے سچ کہا تھا وہ اسے اچھی لگ رہی تھی۔

☆☆☆

لڑکے والے چاند سورج کی جوڑی کی بلائیں لے رہے تھے تو لڑکی والے اندازہ لگا رہے تھے کہ یہ بے جوڑ شادی کتنی مدت پوری کرے گی۔ پلکیں جھپکائے بغیر اسٹیج کو تھوڑی بہت دلوں بعد میک اپ ٹیوٹوریل دیکھ کر تیار ہو کر زارا بھی آئی تھی۔ جس کو فواد کی ہنسی پر نقلی ہونے کا کئی بار گمان ہوا تھا۔

"زارا باجی! پیزا کھایا آپ نے۔" سعد تو کھانے میں لگا ہوا تھا۔ اس ہی طرح آ کر زارا کو پوچھا۔

"پیزا؟" زارا تو ایک جھوٹی امید پر آئی تھی کہ شاید عین وقت کوئی مسئلہ ہو جائے۔ مگر کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔

"ہاں چھوٹا پیزا بھی ہے۔ آئیں آپ کو پیسٹری کھلاتا ہوں۔" اس نے ایسے کہا۔ جیسے میٹھا کھانے سے غموں کا علاج ہو جائے گا۔

"آج اتنے اچھے کیوں بن رہے ہو؟" زارا کو یاد نہیں تھا کہ کبھی سعد نے اتنی عزت دی ہو۔

"آپ کیا سوچ رہی ہیں۔ مجھے ہمیشہ برا لگ جاتا ہے۔" سعد نے اس بار کچھ شرمندگی سے کہا۔

"لے آؤ پیسٹری۔" زارا نے ہوائی فوک جھونک بھولتے ہوئے کہا۔



Scanned with CamScanner

☆☆☆

تعارف پھر تصویر، تعارف ایک اور تصویر کا یہ عمل سادہ مگر مشینی لگ رہا تھا۔ فنکشن میں اس سب کے علاوہ کچھ تھا ہی نہیں۔ لڑکے اور لڑکی والوں میں اتنا فرق تھا کہ رسم ورواج کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔

"ایک فیملی فوٹو ہو جائے؟" سعد نے کہا۔ اس رشتے کو اس نے بے غرض ہو کر قبول کیا تھا۔ اس لیے سب سے پرسکون وہی تھا۔

"ہاں کر لیتے ہیں۔" فواد نے کہا۔

رشید صاحب اسٹیج پر نہیں آ سکتے تھے۔ رامین اور فواد اسٹیج سے اتر کر صوفوں پر رشید صاحب کے پاس جانے لگے تاکہ تصویر لی جا سکے۔ شاہد گیلانی نے دیکھا تو ماتھے پر ناگواری کے بل نمایاں ہو گئے۔ انہیں یہ ہرگز قبول نہیں تھا کہ اتنا بڑا خاندان رامین کے سر پر سوار ہو جائے۔ دوسری جانب رشید صاحب نے رامین کے سر پر پیار دیا تو بیٹے کے فیصلے پر دل سے خوش ہوئے! اس کے فیصلے کا خمار چھٹنے لگا۔

فواد کی قسمت ہمیشہ سے قابل رشک رہی تھی۔ مائدہ اور سائرہ رامین کے ساتھ جڑ کر تصویریں کھنچوا رہی تھیں۔ بات پکی ہونے کے بعد وہ رامین سے ایک ہی بار ملی تھیں۔ آج تو اتنی خوب صورت بھابی ان کی اپنی ہو گئی تھیں۔ اس لیے وہ خوشی سے پھول رہی تھیں۔ سعد بھی بھائی کو چھیڑ رہا تھا۔ فوٹوگرافر کو چٹخنے کا کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ سب دل سے کھل کر ہنس رہے تھے۔

شاہد گیلانی بھی اس چھوٹی محفل کی معصوم خوشیاں اپنے بلند مزاج پر قربان کرنے پہنچ گئے۔

"اب ہمیں اجازت دیں۔" رشید صاحب کو لگا شاہد کا آثار رخصتی کا عندیہ ہے۔

"اجازت تو اب آپ فواد سے لیجیے گا۔ اب تو یہ اس کا ہی گھر ہے۔ کیوں فواد! تم نے اپنے والد کو بتایا نہیں کہ تم گیلانی ہاؤس میں شفٹ ہو رہے ہو۔" ان کو سر پر بٹھانے کے فوراً بعد ہی زمین پر گرانا شاہد صاحب کو ضروری لگا تھا۔

معاملے کی سنجیدگی بھانپ کر رشتے دار بھی قریب آنے لگے۔

"پلیز، میں خود بات کرتا ہوں۔" فواد شاہد گیلانی اور رشید صاحب کے درمیان آیا تھا۔ مگر تیر کمان سے نکل چکی تھی۔

"ڈیڈ! میں نے آپ کو بتایا تھا۔ آج ہم ساتھ جائیں گے۔"

رامین نے انگریزی میں پٹر پٹر کہا۔ وہ پہلے ہی شاہد گیلانی کو بتا چکی تھی۔ اس کی سمجھ سے باہر تھا شاہد گیلانی نے آ کر یہ کیوں کیا تھا۔ وہ تو اس شادی کے سب بڑے سپورٹر تھے۔

"ابو دراصل......" فواد نے پھر بولنا چاہا۔

"دراصل میں اپنی بیٹی کو اپنی نظروں سے دور نہیں کر سکتا۔ اس لیے میری شرط تھی کہ فواد گیلانی ہاؤس شفٹ ہو جائے۔" شاہد گیلانی نے فواد کی بے چینی کو سکون سے اپنے اندر اتارا۔

"لو جی فواد گھر جمائی بن گیا۔ کیا کہنے؟" فاخرہ نے لہک کر اونچی آواز میں کہا۔ جن کو معلوم نہیں تھا ان کو بھی خبر پہنچ گئی۔

فاخرہ نے تسلی سے اس خاندان کی رنگ اڑی شکلیں دیکھی تھیں جنہوں نے ان کے بچوں کو ٹھکرایا تھا۔ وہ تو شادی میں شوہر کے زبردستی لانے پر آئی تھیں۔ اور پہلے لمحے سے تسکین کا سامان ڈھونڈ رہی تھیں۔ جو مل کر نہیں دے رہا تھا۔ نہ نان کچے نکلے تھے۔ نہ شوربے میں تیل زیادہ تھا۔ نہ دلہن بدصورت تھی۔ نہ لوگ نودولتیا۔ اب اٹھانے کو ملی تو اتنی بڑی بات مل گئی جس نے دل شاد کر دیا۔

"امی! ابو! ہم ابھی آپ کے ساتھ ہی آ رہے ہیں۔ لیکن وہ رامین کے ڈیڈ اکیلے ہوتے ہیں وہ چاہ رہے تھے کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہیں۔"

فواد بوکھلا کر صفائیاں دینے لگا۔ فواد نے گھر والوں سے کہا تھا کہ پہلے کچھ دن وہ ہوٹل میں رہیں گے۔ لیکن اس کے ذہن میں تھا کہ رخصت ہو کے پہلے وہ گھر جائیں گے۔ رسمیں نبھائیں گے۔ پھر ہوٹل۔



Scanned with CamScanner

کے بہانے وہ واپس گیلانی ہاؤس آ جائیں گے۔ اگلا پورا دن وہ راحمین کے ساتھ گھر پر گزارنے گا اور تحمل سے ماں باپ سے سسرال میں رہنے کی اجازت بھی لے گا۔ مگر سب چوپٹ ہو گیا۔ پنڈال میں موجود سب مہمان تماشا دیکھ رہے تھے۔

"کافی دیر ہو گئی ہے ان رسموں رواج کی فار میلٹی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ویسے بھی راحمین اتنی تیار ہو کر ان چھوٹی گلیوں میں نہیں جا سکتی۔" انہوں نے اویس کو اشارہ کیا کہ سب سمیٹ لے۔

"فواد! یہ سچ کہہ رہے ہیں بیٹا؟" غزالہ نے حیرت سے پوچھا۔

بیٹے کے رخصت ہونے سے زیادہ دکھ اس کے یوں بدل جانے کا تھا۔ یہ وہ بیٹا نہیں لگ رہا تھا جس کے بارے میں سوچ کر فخر ہوتا تھا کہ آخرت میں اس کو ماں کے نام سے پکارا جائے گا۔

"آپ ہی تو کہتی ہیں جو قربانی خود دینے کا حوصلہ نہیں ہو۔ اس کا تقاضا بھی نہیں کرنا چاہیے۔ میں نے راحمین سے قربانی نہیں مانگی کہ اپنے باپ کو چھوڑے۔ بلکہ اپنے حوصلے آزما رہا ہوں۔" وہ ماں کے گلے سے جا لگا تھا۔

مگر آج اس کی ماں کی آغوش میں بھی اس کے لیے چھپنے کی جگہ نہیں تھی۔

"ٹھیک ہے، جہاں رہو خوش رہو۔" وہ اب بھری محفل میں کیا کہتیں۔ انہیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"چلو بچوں پھر ہمیں اجازت دو۔" رشید صاحب نے اشارہ کر کے راحمین کو پاس بلایا اور پیار دیا۔ اس ذرا سے منظر نے اس کا دل بھی کھٹا کر دیا تھا۔

بڑے بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے۔

بارات کی واپسی ماتمی تھی۔ دلہن لینے آئے تھے دولہا رخصت کر کے جانا پڑ رہا تھا۔ رشید صاحب شرمندہ تھے، انہوں نے کیوں بیٹے سے اتنی امید لگائی۔ سعد اور مائدہ باقاعدہ بول رہے تھے کہ بھائی مطلبی ہو گئے ہیں۔ ہمیں صبر کا کہتے تھے اور خود اتنا اونچا ہاتھ مار لیا۔ سائرہ نے بھائی کے چہرے کو بہت غور سے دیکھا تھا۔ ایسا کیا تھا جو اس کے چہرے پہ نہیں آ رہا تھا۔

راحمین کا دل بھی عجیب ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا سب جذباتی لوگ کولہو کے بیل کی طرح اپنے جذبات لادے واپس جا رہے ہیں۔ اسے ان کا غم سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اس لیے پرواہ بھی نہیں تھی۔ اسے صرف یہ احساس تھا کہ فواد اس کا ہو چکا ہے اور وہ اس کی۔

☆☆☆

فواد کا سامان راحمین کے ہنگامی بنیادوں پر سجائے ہوئے کمرے میں رکھا گیا تھا۔ رشید صاحب کی ٹیکسی بوجھل ہو کر واپس جا رہی تھی۔ ان کے ساتھ تحائف کے دو بڑے سوٹ کیس تھے۔ جس کا وزن وہ بمشکل گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ فواد کے سارے عہد اور ارمان اپنی موت مر گئے تھے۔

راحمین اس کے لیے پھر سے گلے میں پھنسی ہڈی بن گئی تھی۔ فواد گھر والوں کے پیچھے انہیں چھوڑنے گیا۔ آہستہ ہی لیکن سب چل رہے تھے۔ وہ بات کرتا تو بڑھ جاتی۔ اس نے انہیں جانے دیا۔

سب سے آخر میں زارا پنڈال سے نکلی تھی اور جانے سے پہلے اس نے مڑ کر فواد کو دیکھا تھا۔ فواد کی ناخوشی میں اسے اپنی خوشی کی امید نظر آئی تھی۔ سپلی صرف بی۔ اے میں نہیں آتی۔ اکثر لوگ شادیوں میں بھی فیل ہو جاتے ہیں اور دوبارہ کوشش کرتے ہیں۔ پا لینے کی آرزو نے اس کو دوبارہ رسک لینے کا حوصلہ دے دیا تھا۔

☆☆☆

شاہد گیلانی کی تمسخر اڑاتی حاکمانہ نظروں کو بڑی مشکل سے ضبط کر کے اس نے چیک وصول کیا تھا۔ وہ مجبور تھا مگر کسی کی ملکیت نہیں تھا۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے وہ اس فیصلے میں اللہ کی مصلحت ڈھونڈ رہا تھا اور اس کا دل کہہ رہا تھا کہ ان کاروباری لوگوں کو انسانی جذبات سے روشناس کروانے کا کام قدرت نے اسے سونپ کر یہاں بھیج دیا ہے۔ وہ خود کو



Scanned with CamScanner

سمجھاتے ہوئے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ قصور اس کا اپنا تھا اسے سب کو پہلے ہی بتا دینا چاہیے تھا۔ یہی سوچتا وہ کمرے کے دروازے تک پہنچ گیا۔

"بھوڑی راحین چڑھی اور لڑکے کو بیاہ کر لے آئی۔" کمرے میں راحین کی ایک کزن نے شرارت سے کہا۔ وہ اسے کمرے میں لے کر آئی تھیں اور وہ بیٹھ گئی تھیں۔

راحین آنکھیں جھکا کر تاثرات چھپا رہی تھی۔

"سوال یہ ہے کہ اب گھونگھٹ کون اٹھائے گا؟" مہک نے بھی چھیڑنے کی رسم نبھائی۔

فواد کی مردانگی پر چابک پڑا۔ اسے لگا ان کی ذاتی زندگی سب کے لیے دلچسپی کا سامان ہو گئی ہے۔ وہ سرخ پڑتے چہرے کے ساتھ سامنے آیا اور کھلے دروازے پر دستک دی۔

راحین سمیت سب نے دیکھا۔

"چلو چلیں۔ جسٹ آف لک۔" لڑکیاں گھبرائی سٹپٹی باہر چلی گئیں۔

فواد اس کے کمرے میں تھا۔ یہ تو اسے خواب لگ رہا تھا۔

"میرا سامان کہاں ہے؟" وہ دروازہ بند کر کے اندر آیا تھا۔

چاہ کر بھی وہ راحین کو ان لوگوں سے الگ نہیں کر پا رہا تھا۔ جو اس کا مذاق اڑا کر لطف اندوز ہو رہے تھے۔ راحین کے خوابوں میں دراڑ آ گئی۔ وہ اس کے علاوہ کچھ اور کیسے سوچ سکتا تھا؟

"ڈریسنگ روم میں۔" اس نے اشارہ کیا۔

"مجھے چینج کرنا ہے۔" وہ فرار حاصل کرنے باتھ روم میں چلا گیا۔

لڑکیاں رخصت ہو کر جی بھر کر روتی ہیں۔ لڑکوں کو معاشرے نے یہ اختیار بھی نہیں دیا۔ فواد بے چینی سے بل کھا رہا تھا۔

اس باتھ روم کا کوڑا دان بھی اس کے بدرنگ مرمت زدہ بیگ سے زیادہ چمکدار تھا۔ اس کے پاس پیسہ آ گیا تھا مگر خرچ کرنے کی عادت نہیں ہوئی تھی۔

وہ اپنا پرانا ٹوتھ برش اور گھسا ہوا نائٹ سوٹ ہی لے آیا تھا۔ جبکہ وینٹی پر راحین کی پندرہ قسم کی صرف کریمیں ہی موجود تھیں۔ ہر عضو کے لیے خاص کریم۔ موسم کی مناسبت سے الگ شیمپو۔ دن کے اوقات کے حساب سے مختلف سیرم۔ دانت صاف کر کے چمکتے ہوئے گلاس میں اپنا سستا سا ٹوتھ برش رکھنے کی اس میں ہمت نہیں ہوئی۔ اپنا سامان اس نے واپس بیگ میں ہی رکھ دیا تھا۔

آج کا دن زندگی کا سنہرا دن ہونا چاہیے تھا مگر آج کے دن میں کچھ اچھا نہیں تھا۔ اسے اس گھر کی ہر چیز چبھ رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ کوئی بہانا کر کے یہاں سے نکل جائے۔

وہ باہر آیا تو راحین اپنے گلے میں لٹکے لاکٹ سے چھیڑ خانی کر رہی تھی۔ کمرے کو اس نے فواد کی خاطر نیوی اور گہرے رنگوں میں سجایا تھا۔

"عورت بننا آسان نہیں ہے ناں؟" راحین نے گردن موڑ کر کہا۔

"عورت؟ مطلب؟" فواد گڑبڑایا۔

"پوری دنیا کی عورتیں۔ شادی کے بعد اپنا گھر چھوڑ کر نئے ماحول میں جاتی ہیں اور مسکرا کر اسے قبول کرتی ہیں۔ مردوں کے لیے یہ اتنا مشکل کیوں ہے؟" وہ راحین تھی کہے بنا نہیں رہ سکی۔

"روایت عورتوں کے رخصت ہونے کی ہے۔ مجھے تو روایت توڑنے پر مجبور کیا گیا ہے۔" فواد مستحکم کھڑا رہا۔

"کہاوت مشہور ہے کہ مرد بنو۔ میرا مشورہ ہے کہ عورت بنو۔ اس جیسا نرم مگر مضبوط کوئی نہیں۔" راحین نے اپنے مخصوص ذہین انداز میں کہا۔ فواد چپ کر کے اس کے لفظ سمجھنے لگا۔

"آپ نے مجھ سے یہی طے کیا تھا کہ پہلی رات ہم میرے گھر جائیں گے۔" فواد نے وہ وعدہ یاد کروایا جو وفا نہیں ہوا۔

"میں نے بھی آپ کو پہلے ہی بتایا تھا کہ ڈیڈ میرے بارے میں بہت پوزیسو ہیں۔"



Scanned with CamScanner

اس نے اپنا موقف بتایا اور لہنگا اٹھا کر جوتوں کا اسٹریپ کھولنے لگی۔ اس کے پیروں پر بھی مہندی لگی تھی۔

اتنا روایتی روپ اس نے زندگی میں پہلی بار اپنایا تھا۔

فواد کو ایک نظر دیکھ کر احساس ہو گیا کہ یہ سب نہ رسم و رواج کے لیے ہے نہ ہی دنیا دکھاوے کے لیے۔ یہ سب اس کے لیے تھا۔ اسے لمحہ بھر میں اپنی قسمت پر شکر گزاری ہوئی۔ اسے چاہنے والی بیوی ملی تھی وہ اس نعمت کا انکار کیسے کر سکتا تھا۔ وہ اس کو دیکھتا جا رہا تھا اور پرسکون ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر راحین کا حنا رچا ہاتھ پکڑ لیا اور ہتھیلی دیکھی۔ وہاں "فواد کی دلہن" لکھا تھا جو اس وقت کا ٹرینڈ تھا۔

وہ مسکرا کر اس پر انگلی پھیرنے لگا۔ راحین کی پلکیں وزنی ہوئیں۔

"میں جانتا نہیں تھا کہ آپ کو شرمانا بھی آتا ہے۔" اس کا دل ہی نہیں کر رہا تھا کہ اپنی بیوی کے چہرے سے نظر ہٹائے۔ راحین کے کچھ بال دوپٹے سے نکل کر چہرے پر آ گئے تو فواد نے وہ بھی اپنی پوروں سے دور کر دیے۔ تا کہ بغیر رکاوٹ اس کا چہرہ دیکھ سکے۔

"یہی بات میں آپ کے مسکرانے کے بارے میں بھی کہہ سکتی ہوں۔" راحین نے نظر ملا کر کہا۔

فواد ہنس دیا۔

پچھلی کڑواہٹ اپنی جگہ مگر راحین کو پا لینے کی خوشی بھی اپنا وجود رکھتی تھی۔ اس نے کمرہ چھوڑ کر جانے کا سوچا تھا تو یہ اس کی حماقت تھی۔ اس نے یہ شادی نبھانے کی نیت سے کی تھی اور وہ اس مقدس رشتے کی توہین نہیں کر سکتا تھا۔

"ویسے یہ وقت اظہار محبت کے لیے اچھا ہے۔" راحین نے اس کی خاموشی توڑنے کے لیے آئیڈیا دیا۔ وہ اب تک یہی سوچ رہی تھی کہ فواد کو اس سے دیوانہ وار محبت ہو گئی تھی، اس لیے اسے حاصل کرنے کے لیے سب کر گزر رہا تھا۔

"وقت اچھا ہے تو کیجیے اظہار محبت۔ میں سن رہا ہوں۔" فواد ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا اور ٹانگ پر ٹانگ رکھ لی۔ راحین مسکرا دی۔

فواد کے دل کا جو حصہ اس شادی پر ناخوش تھا وہ اس نے مہارت سے چھپا لیا تھا۔ راحین کو کچھ پتا نہیں لگا تھا۔

☆☆☆

غزالہ رات ہی بالٹی پانی سے بھر کر سوئی تھیں۔ کیونکہ صبح ٹینکی بھرنے والا موجود نہیں تھا۔ اس دن نلکے نے بے ایمانی کی اور پانی اگلنے لگا۔ جب آسودگی آتی ہے تو انسان ان مشکلوں کی یاد میں اداس ہونے لگتا ہے جس نے اپنوں کو جوڑے رکھا تھا۔ انہوں نے خود بھی وضو کیا اور رشید صاحب کو بھی کروایا۔ نماز کے بعد وہ سو ہی نہ سکے۔ بس خاموش بیٹھے سوچتے رہے۔ جب بچوں کے اٹھنے سے شور ہوا تو انہیں احساس ہوا کہ دن نکل آیا ہے۔

"چلو ایک اولاد کے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔" غزالہ نے کہا۔ چادر ٹھیک کر کے وہ بستر پر ہی بیٹھ گئی تھیں۔ جہاں سے آئینے کے سامنے سوچ میں گم رشید صاف نظر آ رہے تھے۔

"بیٹی کی ڈولی اٹھے تو ذمہ داری اترتی محسوس ہوتی ہے بیٹا رخصت ہو جائے تو ایسا لگتا ہے جیسے جنازے کو سہارا دینے والا ایک کندھا کم ہو گیا ہے۔" وہ لرزتے ہاتھوں سے چادر اوڑھ رہے تھے۔

"ابو۔" وہ فواد کی آواز تھی۔

غزالہ اور رشید دونوں نے نظر نہیں اٹھائی۔ کہیں یہ ان کا وہم نہ ہو۔

"ماں باپ کبھی اولاد کے محتاج نہیں ہوتے۔"

وہ بت بنے دونوں نفوس کے درمیان کھڑا ہو گیا۔

"یہ اولاد ہوتی ہے جس کی والدین سے ضرورت کبھی ختم ہی نہیں ہوتی۔" وہ دو زانو ہو کر باپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

"میں جتنی بھی بڑی غلطی کروں۔ آپ وعدہ کریں، آپ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میں ہر بار پلٹ کر نہیں لوٹوں گا۔ آپ میرے راستے بند نہیں کریں گے۔" وہ بے آرام لگ رہا تھا۔

"فواد! تمہیں کوئی پریشانی ہے؟" غزالہ نے پوچھا یہ آناً فاناً شادی مزاج کے خلاف فیصلے انہیں بھی



Scanned with CamScanner

دال میں کچھ کالا لگنے لگا تھا۔
"میرے ماں باپ جب تک میرے لیے دعا کرتے ہیں، پریشانیاں میرے پاس آتی ہیں تاکہ سلجھ سکیں۔" وہ بلند ہمتی سے مسکرایا۔
غزالہ بھی بیٹے کے سینے سے آلگیں۔ یہی تو ان کا فواد تھا جو صرف یاد کرنے سے حاضر ہو جاتا تھا۔
اس کنبے نے ہمیشہ کی طرح مل کر ناشتا کیا۔ وہی نوک جھونک۔ ویسی ہی باتیں۔ اب ڈائننگ ٹیبل پر نعمتوں کی کمی نہیں تھی۔ کمی تھی تو بیگم فواد کی جس کو زندگی کا حصہ بنا کر بھی وہ اپنے خاندان کا انگ نہیں بنا سکا تھا۔

☆☆☆

شاہد گیلانی جم کر رہے تھے جب انہیں معلوم ہوا کہ فواد گھر سے نکل گیا ہے۔
"نالی کے کیڑے۔ انہیں ترقی راس نہیں آتی۔" انہوں نے افسوس سے سوچا۔
"راحین اور فواد کو بتا دو شام کو ان کو بھی میرے ساتھ ڈنر پر جانا ہے۔ دیکھ لینا اس کے کپڑے ہمارے معیار کے ہوں۔" شاہد گیلانی نے ادریس کو نوٹ کروایا۔ وہ فواد کو جلد از جلد اپنے سرکل کا حصہ بنا دینا چاہتے تھے۔

☆☆☆

فواد صبح سے گھر کا قبضہ چھڑانے کے سلسلے میں مصروف تھا۔ علیم کے اثر و رسوخ والے ایک کزن سے کرائے کا معاہدہ بھی ہو گیا تھا۔ جب تک پینٹ اور مرمت ہوتی تب تک ایک اسلحے والا گارڈ بھی رکھ لیا تھا۔ اب اسے گھر کی طرف سے بے فکری تھی۔ اس بے فکری کی قیمت گیلانی ہاؤس کی غلامی تھی۔ اکڑے کالر والی قمیص نے اس کی گردن کے گرد گھیرا تنگ کیا۔ ایک شاہد گیلانی ہی ناقابل برداشت تھے۔ پارٹی میں ان جیسے نا جانے کتنے برداشت کرنے پڑیں گے۔
اس نے سوٹ ٹھیک کرتے ہوئے راحین کو دیکھا۔ اسے لگا وہ بھی خوش نہیں۔ وہ بس کپڑے تبدیل کر کے صوفے پر بیٹھ گئی تھی۔ فواد اس زبردستی کی تیاری کا گلہ کرنا چاہتا تھا۔
"پرسنالٹی درآمد کرنے کی جگہ دریافت کریں۔ بندہ بشر گندے کپڑوں میں بھی ایسا لگتا ہے کہ شہزادیاں مرتی ہیں۔" اس کا مزاج اس کی پریشانیوں کی طرح ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔
"کون بشر؟" راحین کو اس کی باتیں پہلی بار میں کب سمجھ آتی تھیں۔
"یہ تو مغرور شہزادی سے پوچھیں اسے کس سے محبت ہے۔" فواد نے آئینے سے رخ موڑ کر راحین کو دیکھا۔ اظہار محبت ایک چیلنج بن گیا تھا۔ دونوں سننا چاہتے تھے اور دونوں ہی نہیں کہہ رہے تھے۔
راحین کا دل چاہا اس کے اتنی محنت سے بنائے گئے بال خراب کر دے۔ مگر فاصلہ سمیٹنے میں اسے جھجک ہوتی تھی۔
"میں آپ کی خاطر اتنا تیار ہو گیا ہوں نا اور آپ نے جوتے تک نہیں پہنے۔" فواد نے اسے یاد کرایا۔
"میں آپ کے تیار ہونے کا ہی انتظار کر رہی تھی۔" راحین نے کہہ کر بیل بجائی۔ دو ملازمائیں دروازہ کھول کر اندر آ گئیں۔ ایک راحین کے بال بنانے لگی ایک نیل پالش بدلنے لگی۔ اور بھی نا جانے کتنے ہی کام تھے۔ فواد نے گھنٹہ بھر سن روم میں بیٹھ کر ایک کتاب پڑھ کر وقت گزاری کی۔

☆☆☆

گیلانی ہاؤس سے دو گاڑیاں ڈنر پر جانے کے لیے نکلی تھیں۔ دو گاڑیاں اس لیے کیوں کہ ڈرائیور کے ساتھ سامنے والی کرسی پر بیٹھنا تو ناممکنات میں سے تھا۔ فواد سوچ رہا تھا کہ اس سے زیادہ لوگ تو وہ بائیک پر بٹھا کر بازاروں کے چکر لگاتا رہا ہے۔ دعوت کی چکا چوند سے وہ متاثر نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن غیر آرام دہ ہو گیا تھا۔
ناقابل تسخیر مکان۔ مالکوں کے دل و دماغ بھی ویسے ہی ناقابل پہنچ تھے۔ اس میں فواد جیسا سادہ عام انسان کیسے بس سکتا تھا۔ وہ پارٹی تین بڑے کمروں میں تھی۔
ہر کمرے میں تین سے چار مختلف صوفہ سیٹ اور



Scanned with CamScanner

میزیں تھیں۔ جو سب سے مل چکے تھے وہ بیٹھ گئے تھے۔ باقی چل پھر کر وقت گزار رہے تھے۔

"یہ بیچ ڈرنک ہے۔" راسمین نے ویلکم ڈرنک فواد کو پکڑاتے ہوئے وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

"تھینکس۔" فواد نے ڈرنک پکڑ کر گھونٹ لیا۔

شاہد گیلانی نے اسے ساتھ لے جا کر چند لوگوں سے اس کا تعارف کروایا۔

شاہد کے ہم پلہ بزنس مین اتنی بڑی رقم کی باتیں کر رہے تھے کہ فواد الجھ گیا۔ گھر، پیسہ، گاڑی، ملازمت سب کچھ ہونے کے بعد بھی اب کیا بچا ہے جس کے لیے مزید دولت حاصل کرنی ہے؟

وہ ان کی باتیں نہیں سمجھ سکا تھا۔ مگر نظریں پڑھنا اس کا پرانا فن تھا۔ وہ جس سے بھی ہاتھ ملا رہا تھا۔ شاہد کے رعب میں اس نے خاموشی سے ہاتھ ملا لیا تھا۔ مگر اس کی نظریں بول رہی تھیں۔ جہاں اس کے لیے تحیر صاف درج تھا۔

شاہد گیلانی نے اپنی عزیز بیٹی کے لیے کھلونا خریدا تھا۔ ہر کوئی اس سے ہم کلام ہو کر سودے کی جانچ کر رہا تھا کہ کون فائدے میں رہا ہے۔ اس ہی قیمت میں فواد سے بہتر پیس مل جاتا۔ کم عمر ہے اگر ٹک گیا تو جلد مالکوں کے مطابق ڈھل جائے گا۔ نظریں اس کا تھری پیس سوٹ چیر کر اس کے سستے صابن کی خوشبو سونگھ رہی تھیں۔

شاہد گیلانی مردوں کی سمت مڑ گئے جہاں موٹی توند اور بڑے گلاس والے کچھ آدمی کروڑوں کی خوشی منا رہے تھے۔ تو باقی اس سے ملتی جلتی رقم کو رو رہے تھے۔ انہی مردوں کی بیویاں دوسری سمت ایسے عریاں قصے سنا رہی تھیں کہ وہ سن کر تو انگریزی سوپ ڈرامے بنانے والے بھی شرما جائیں۔ فواد نہ مردوں میں جا سکا نہ عورتوں میں۔ بیچ کے نیوٹرل زون میں رکا رہا۔ راسمین اس کے ساتھ تھی اور اس کی طرح ہی بیزار ہو رہی تھی۔

"کیوں نہ ہم خاموشی سے یہاں سے نکل جائیں۔" فواد کو شرارت سوجھی۔

"ہم لوگ جتنے مختلف لگتے ہیں، اتنے ہیں

نہیں۔ میں بھی یہی سوچ رہی تھی۔"

راسمین مسکرائی۔ آج بھی ساری نگاہیں اس سمت ہی اٹھ رہی تھیں۔ مگر لوگ راسمین کو دیکھنے سے زیادہ فواد میں دلچسپی لے رہے تھے۔ وہ دونوں قدموں پر برابر وزن ڈالے کھڑا تھا۔ چہرے پر خلوص اور آنکھوں میں ذہانت تھی۔ انداز میں متاثر ہونے کا شائبہ تک نہ تھا۔ وہاں کے لوگوں کے لیے یہ نیا نمونہ تھا۔ ہر عمر کی عورت اسے سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

اتنے میں ویٹر سلور ٹرے میں "ڈش آف دی ڈے" "CORIANDER PRAWNS" (دھنیے والے جھینگے) لے آیا۔ چھوٹی سی کٹوری میں ایک نوکیلی اسٹک تھی۔ جس پر دو پراونز لگے تھے۔

اسٹک اٹھاؤ اور سیدھا منہ میں ڈال لو۔ فواد کو بہت بھوک لگی تھی، اس نے صبح کا ناشتہ کیا تھا۔ وہ ہاتھ بڑھاتا اس سے پہلے راسمین نے ویٹر کو منع کر دیا۔ فواد کو یہ بھی عجیب لگا ان کے گھروں میں تو دعوت کا ایک ہی مطلب ہوتا تھا۔ "روٹی" اور ایک ہی مقصد ہوتا تھا "کھانا" یہ کیا دعوت دی تھی کہ کھانے کے معاملے میں نخرے دکھائے جا رہے تھے۔

"پھر فرار ہونے کے بارے میں کیا خیال ہے؟" فواد نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"بہت اچھا خیال ہے۔" راسمین نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور سرکا کر اس کے بازو تک لے گئی۔ پھر بازو میں ہاتھ ڈال کر آہستہ سے باہر کی طرف چلنے لگی۔ اتنے قریب ہو کر چلنا فواد کے لیے نیا تجربہ تھا۔ باہر کی طرف جاتے ہوئے انہیں ایک درمیانی عمر کی عورت نے دیکھا اور روک لیا۔ وہ اپنی جلد اور جسامت دونوں سے اپنی عمر سے بہت کم لگتی تھی۔

"تم یہ لذیذ انسان کہاں چھپا کر بیٹھی تھیں؟" ٹک کالی مرچ جیسے بالوں والی اس عورت نے انگریزی میں کہا۔ اس خاتون نے جیسے فواد کو خوراک سے تشبیہ دی تھی، اسے بہت اوچھی لگی۔

"یہ میرے ہسبنڈ ہیں۔ اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ایک پری زاد۔" راسمین نے بھی انگریزی میں



Scanned with CamScanner

جواب دیا۔

جیسے ملازموں کے سامنے انگریزی بولی جاتی ہے کہ وہ سمجھ نہ جائیں۔ ویسے فواد کے سامنے وہ دونوں اسی کے بارے میں بات کرتے ہوئے اس کو گفتگو سے پرایا کر رہی تھیں۔

"یہ پری زاد ہے تو بہت برا ہوا۔ ورنہ میں امید کر رہی تھی کہ اس بار تم بھی ہماری لوگالا جوائن کر لوگی۔"

وہ عورت ڈرنک سے چیری اٹھا کر اسے لبوں اور زبان کے بیچ گول گھماتے ہوئے واہیاتی سے بولی۔

"آپ کو بتایا نا یہ پری زاد ہیں اور میں ان کی پری۔ ہم EXCLUSIVE ہیں۔ ڈکشنری دیکھ لیجیے گا۔ کیونکہ آپ اور آپ کی دوستوں میں سے بھی کسی کو بھی Exclusive کا مطلب معلوم نہیں ہوگا۔" راحین نے عمر کے لحاظ کے بغیر شٹ اپ کال دی۔

وہ عورت سچ میں بے غیرت تھی۔ برا ماننے کے بجائے ہنسی اور فواد کو مزید گھورنے لگی۔

"اتنا اعتبار ہے تو پوچھ کر دیکھ لینا۔ اچھے اچھے ایسا موقع پالیں تو ہوس کے شیطان ہو جاتے ہیں۔" وہ عورت مزید بولی۔

"ڈونٹ کاؤنٹ آن اٹ۔" (ایسا نہیں ہوسکتا) راحین نے کہہ کر جان چھڑائی اور فواد کو لئے آگے چلی گئی۔

بیرونی دروازہ اب بھی دور تھا۔

"شادی مبارک ہو راحین۔ بہت بد ذوق باپ ہے تمہارا۔ نئے جوڑے کو گھومنے دیتا۔ کہاں اس دعوت میں لے آیا ہے۔ داماد بھی تنخواہ پر تو نہیں رکھا جو اس سے شاہد کو انکار نہیں ہو سکا۔" بہت اونچے قد والے اس آدمی نے کھلے عام تمسخر اڑایا۔ شاہد گیلانی نے دور سے دیکھا کہ ہارون مزاری فواد اور راحین کو روکے ہوئے ہے۔ وہ اپنے دوست سے معذرت کر کے ان کی طرف چل دیے۔

ہارون مزاری کی ہنسی میں ایک دو اور لوگ بھی شامل ہو گئے۔ فواد خاموش رہا۔

"ایسا نہیں ہے، ڈیڈ نے میرے لیے عزت دینے والا انسان ڈھونڈا ہے۔ بڑوں کو انکار نہیں کرتا۔" راحین نے انگریزی میں جواب دیا۔ وہاں جیسے اردو میں بات کرنا ممنوع تھا۔

ہارون کا بیٹا ایک بدنام سپر ماڈل سے دوسری شادی کر کے دبئی میں رہ رہا تھا۔ جبکہ اس کی خاندانی بیوی بچے لوگوں کی باتوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ راحین نے اس سمت اشارہ نہیں کیا تھا۔ مگر ہارون کا ان دنوں میٹر آؤٹ تھا۔ وہ تو یہ جواب شاہد سے سننا بھی برداشت نہ کرتا۔ کہاں کل کی بچی راحین اسے بڑوں کی فرماں برداری بتا رہی تھی۔

"سستی چیز پر اونچے برینڈ کا نام لگا دینے سے اس کا معیار نہیں بدل جاتا۔ تم نے ٹکے کا مرد ڈھونڈا ہے جو تم باپ بیٹی کے اشاروں پر ناچ سکے۔" ہارون نے گھونٹ بھر کر قہقہہ لگایا۔

اتنے میں ویٹر دوبارہ ڈش آف دی ڈے کی ٹرے لے آیا۔

فواد نے بڑھ کر ایک تیلی اٹھائی اور گھما کر دھنیے والے پرانز دیکھنے لگا۔

"بات اگر قیمت کی ہو رہی ہے تو بتاتا چلوں۔ کچھ چیزیں بے مول اس لیے ہوتی ہیں کیونکہ وہ انمول ہوتی ہیں۔" فواد نے کہا سب چپ ہو گئے۔

غالباً عرصہ بعد انہوں نے اردو سنی تھی۔

"یہ دھنیا جسے آپ CORIANDER کہتے ہیں۔ گھاس کے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے۔ بازار میں سبزیوں کے ساتھ بے مول بکتا ہے۔ لیکن قدر دانوں کے ہاتھ لگ جائے تو ڈش آف دی ڈے بن جاتا ہے۔ اس کا کوئی نعم البدل بھی نہیں۔" فواد نے جتاتے ہوئے پرانز منہ میں ڈالے اور چبانے لگا۔ آگے سے جب کوئی نہیں بولا تو فواد نے خالی تیلی ٹرے میں واپس رکھی۔

شاہد گیلانی نے اسے پچپن لاکھ دیے تھے تو اس نے کروڑ روپے کا جواب دے کر اس کے دشمن کو لاجواب کر دیا تھا۔ حساب برابر۔ کسی سے جواب نہ بن پڑا۔ حاضر جواب خود شناس اور ذہین۔ شاہد گیلانی



Scanned with CamScanner

کونکر کا دا ماد ملا تھا۔

"اب ایکسکیوزمی" فواد نے کہا اور راحمین کے بازو میں بازو ڈال کر لوگوں سے دور چل پڑا۔ پیچھے موجود شاہد گیلانی نے سب سن کر ایک بار پھر اپنی بیٹی کی پسند کو دل ہی دل میں سراہا تھا۔ فواد اور راحمین باقی رات ایک خاموش کونے میں بیٹھ کر آپس میں ہی بات کرتے رہے۔ اس کو آگ لگی ہوئی تھی لیکن وہ وہاں سے گئے نہیں۔ فواد فرار ہونے والوں میں سے تھا ہی نہیں۔

☆☆☆

گاڑی میں بیٹھ کر فواد نے پارٹی فور کا ڈبہ کھولا۔ گھڑی کے ڈبے جتنے چوکور ڈبے میں ایک ڈیزائنر چاکلیٹ تھی۔ جو کسی فرنچ شیف نے ہاتھوں سے بنائی تھی۔ پانچ ہزار کا ایک ٹکڑا دینے کے بجائے وہ چاہتے تو چاکلیٹ کے ڈبے دے دیتے۔ مگر وہاں ساری بات اسٹینڈرڈ کی تھی۔ ساتھ ایک دام سوتے کا سکٹ تھا۔ "یہ کیا ہے؟" فواد نے انگلیوں میں بسکٹ گھمایا۔

ترستا وجود تڑپتا دل، سرطان زدہ سینہ، آسیب زدہ زندگی اپنی انگلیوں پر گننے کے لیے اس رات اس کے پاس بہت کچھ تھا۔

☆☆☆

اس سے تو اس دنیا کا مادہ پرست ہونا ہی برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ آج جو اس نے اس دنیا کا بے حیا رخ دیکھا تھا تو وہ چکرا گیا تھا۔ سن روم میں کتاب کھولے بیٹھے اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ خود کو کچھ کروالے۔

وہ جانتا تھا کہ راحمین ان لوگوں میں سے نہیں ہے۔ لیکن گھر داماد ہونے کا یہ نقصان تھا۔ راحمین کے ساتھ اس کی زندگی میں بھی شامل ہونا اس کی مجبوری تھی۔ کل کو ان کے بچے اس ہی ماحول میں پلتے بڑھتے۔ اس کا سر پھٹنے لگا تھا وہ یہ سب نہیں ہونے دے سکتا تھا۔ وہ بہت برا پھنسا تھا۔ وہ جتنا راحمین سے رشتہ نبھانے کا سوچتا تھا یہ رشتہ اتنا ہی کانٹوں کی راہ گزر بنتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

چھٹی کا دن تھا۔ گیلانی ہاؤس کی ناشتے کی ٹیبل

دوپہر کے قریب بجی تھی۔ فواد اب تک واپس نہیں آیا تھا۔ شاہد گیلانی کو فواد کے سن روم میں رات گزارنے کے بارے میں سب پتا تھا۔ فواد کو راحمین کی زندگی میں شامل کرنے کی جلد بازی میں انہوں نے ان کے بیچ دوریاں پیدا کر دی تھیں۔ انہیں ہر کام میں پلاننگ کی عادت تھی جب کہ یہ رشتہ بے ساختگی مانگتا تھا۔

"لڑائی جیتنے کے لیے سب سے اہم ہتھیار رویہ ہوتا ہے۔ جس دن تم نے اپنے ذہن کو قائل کر لیا ہم اسی دن جیت جاؤ گی۔" شاہد نے راحمین سے کہا۔ جو ٹیبل پر آنے کے بجائے لیونگ کے صوفے پر بیٹھی تھی۔

"ڈیڈ یہ کوئی ڈیل نہیں ہے، میری شادی ہے۔" راحمین نے بے زاری سے صوفے سے ٹیک لگائی۔

وہ کمرے میں بھی بے زار ہو سکتی تھی۔ یہاں اس لیے بیٹھی تھی کیونکہ یہاں سے بیرونی دروازہ نظر آتا تھا۔

"میں شادی کی نہیں علاج کی بات کر رہا ہوں۔ ٹریٹمنٹ شروع کروالو۔ وقت نکل رہا ہے۔" شاہد نے سمجھایا۔

"وہ وقت کب کا نکل گیا اب واپس نہیں آئے گا۔" اس نے نہیں ماننا تھا نہیں مانی۔

"میں یورپ جا رہا ہوں۔ لوکل پارٹنر شپ کے لیے میٹنگز ہیں۔" شاہد گیلانی نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا اور موبائل پر خبریں پڑھنے لگے۔

راحمین نے باپ کو دیکھا اور اٹھ بیٹھی۔

"آپ میں مجھ سے دور جانے کا حوصلہ کہاں سے آجاتا ہے؟" وہ باپ سے پیٹھ پھیرنے کا گلا کر رہی تھی۔

"یہ تمہارے فیصلے کی آزمائش ہے۔ سمجھو تم مجھے آخری بار دیکھ رہی ہو۔ مجھے الوداع کہنے کا حوصلہ ہے؟" شاہد نے اسے ڈرایا۔

وہ ڈر کر باپ کی آغوش میں چھپ جانا چاہتی تھی۔

"میری مرضی بھی ایک کینسر زدہ ٹیومر ہو گئی ہے۔ ہر کوئی اسے مجھ سے الگ کرنا چاہتا ہے۔"

راحین رو دی۔

"میں جا رہا ہوں۔ تاکہ تم اور فواد ایک دوسرے کو وقت دے سکو۔ اپنی دنیا بسا سکو۔ میں تمہاری خوشیوں کے بیچ بھی کھڑا نہیں ہوں گا۔ مگر یہ تمہاری مرضی جو ہے۔ یہ تمہاری سب سے بڑی دشمن ہے۔ زندگی بہت قیمتی ہے اور وقت انمول، اس کو ضائع مت کرو۔ اب تم اکیلی نہیں ہو، فواد بھی تمہارے ساتھ ہے۔"

شاہد گیلانی نے اسے ہر طرح سے سمجھایا تھا۔

اگلے دو دن اس کو مزید سمجھاتے رہے۔

راحین علاج پر نہیں مانی تھی۔ نہ ہی فواد نے اگلی دو راتوں میں سے کوئی بھی کمرے میں گزاری تھی۔

شاہد کا ارادہ مزید مضبوط ہو گیا۔ انہوں نے اپنے ٹرپ کو اور لمبا کھینچ لیا اور تیسری صبح چلے گئے۔

☆☆☆

شاہد گیلانی کب کے جا چکے تھے وہ اب بھی اتنی توجہ سے وہی باتیں سوچ رہی تھی جو وہ جانے سے پہلے اسے سمجھاتے رہے تھے۔ اس نے فواد کے آنے پر توجہ نہیں دی۔ فواد سورج کی روشنی سے چلنے والی اشیاء کی طرح ایک بار پھر پرجوش ہو چکا تھا۔ وہ سوٹ کیس نکال کر سامان پیک کر رہا تھا۔

"چلیے بیگم صاحبہ پیکنگ کر لیں۔" فواد نے اپنا سوٹ کیس کھٹ سے بند کیا۔

"کیا مطلب؟" راحین ہڑبڑا گئی۔

"سسرال جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ اب کچھ دن آپ میرے گھر جا کر رہیں گی۔"

فواد نے فیصلہ سنایا تھا۔ راحین سے شاک میں کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"پیکنگ کرتے ہوئے وہ سوٹ رکھیے گا جن کے ساتھ دوپٹہ ہو اور جن کی آستینیں پوری ہوں۔" وہ اپنی لے میں کہہ رہا تھا۔

راحین کو لمحہ لگا تھا جاننے میں کہ حوالات کو مذاق سے سسرال کیوں کہا جاتا ہے۔

"ہرگز نہیں۔ میں آپ کے گھر نہیں جا رہی، آپ نے یہ سوچا بھی کیسے؟" وہ کرنٹ کھا کر بستر سے اٹھی پھر اپنے درمیان قائم ہوئے نئے رشتے کا خیال آیا۔

"آپ نے تو گیلانی ہاؤس میں رہنے کا فیصلہ کیا تھا۔" اس نے بدقت مروت سے کہا۔

"میں نے صرف ایک عہد کیا تھا کہ آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے بھی اسی بات کی توقع کرتا ہوں۔ پہل میں نے کی تھی، دوسرا قدم آپ نے اٹھانا ہے۔ چند دن، کچھ ہفتے کیا آپ میرے ساتھ میرے گھر نہیں رہ سکتیں؟" وہ ادب سے پیٹھ پر ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

"ہرگز نہیں۔" وہ آئی برو اچکا کر بولی۔ بہت عرصے بعد پہلے والی مغرور راحین نظر آئی تھی۔

"آپ کو میں اچھا لگتا ہوں تو میرے گھر والے اس سے بھی اچھے لگیں گے۔" فواد نے سکون سے کہا۔ راحین کے پسینے چھوٹ گئے۔

"نو، نیور، سب کچھ بہت جلدی ہو رہا ہے۔ میں ریس ہار گئی۔ آپ نے ڈیڈ کو منا لیا۔ تین ہفتے میں شادی ہو گئی اور آپ کہہ رہے ہیں میں آپ کی فیملی کے ساتھ جا کر رہوں۔ نہیں۔ میرا مائنڈ یہ سب پروسس نہیں کر رہا۔ پلیز نو۔" وہ زبان سے سوچتے ہوئے تیز تیز بول رہی تھی۔

فواد نے بڑھا کر اس کا مچلتا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ریلیکس!" اس نے ہاتھ سہلاتے ہوئے اسے بیڈ پر بٹھایا۔

"اتنی گاڑھی باتیں نہ سوچیں۔ چلو کوئی ہلکی بات کرتے ہیں۔ جیسے...... آپ بچپن میں بڑے ہو کر کیا بننا چاہتی تھیں؟" فواد نے مہارت سے بات گھمائی۔ راحین نے اس کی گرفت سے اپنا ہاتھ جھٹکے سے چھڑایا۔

"یہ آپ اپنا وہی طریقہ آزما رہے ہیں ناں کہ مجھے باتوں میں لگا کر مجھے بہلا لیں گے؟" اس نے آنکھیں دکھائیں۔ فواد کی ہنسی نکلی۔

"میں فوجی بننا چاہتا تھا۔ ایک پلاسٹک کی بندوق اور آرمی کی ٹوپی پہن کر جنگی مشن تصور کرتا تھا۔"

"میں بچپن میں؟" راحین نے ذہن پر زور دیا



Scanned with CamScanner

جیسے صدیوں پرانا کوئی قصہ یاد کر رہی ہو۔

”مجھے ڈانسر بننے کا شوق تھا۔ بغیر میوزک کے بھی گھنٹوں ڈانس کر سکتی تھی۔ ہر طرف اپنی ہی دھن سنائی دیتی تھی۔ اچھا وقت تھا۔“ وہ سوچ میں کھو کر دھیمی پڑ گئی۔

”ہماری سوچوں پر تب پابندی نہیں تھی ہر روز نیا آئیڈیو مچر سوچتے تھے۔ اب عقل نے ہمت بھی توڑ دی ہے۔“ فواد نے سمجھایا۔

”عقل آنے کے بعد معلوم ہو جاتا ہے کہ آپ کس ماحول کے لیے بنے ہیں۔“ راحین نے حتمی طور پر کہا۔

”میں اپنی فیملی کے بارے میں کافی پوزیسو ہوں۔ مجھے ان کے پاس رہنا اور ان کو اپنی نظروں میں رکھنا اچھا لگتا ہے۔ اب آپ بھی میری فیملی ہیں۔ میں دو جگہ بٹ کر نہیں رہ سکتا۔“ اس نے کہا۔

”ہمارے بیچ دوریاں آ جائیں گی سوچ لیں۔“ وہ اتنا بڑا خاندان بیچ میں لا رہا تھا۔ دوریاں تو یقینی تھیں۔

”کیا خبر دوریاں سمٹ جائیں۔“ اس نے ہاتھ پر گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

”فریج میں میرا چاکلیٹ کیک پڑا تھا کس نے کھایا؟“ مائدہ خالی چمچے کو خنجر کی طرح پکڑ کر لاؤنج میں حساب لینے آئی۔

سائرہ ایک شرٹ پر بٹن لگا رہی تھی۔ جبکہ سعد چپس کا بڑا پارٹی پیک کھاتے ہوئے ٹی وی دیکھ رہا تھا۔

”ہاں وہ کیک۔ میرے خیال میں ایسا گھر میں بھی بن سکتا ہے۔“ سائرہ نے فوراً سوئی دھاگا چھوڑ کر موبائل پر کیک کی ریسپی نکالی۔ اس پر صارم کے دیے سیٹ سے کتنی اچھی آئسنگ ہو سکتی تھی۔

اتنی دیر میں مائدہ نیم دراز سعد کے سر پر پہنچ گئی۔

”میں نے اپنے پیسوں سے آن لائن منگوایا تھا۔ بازار میں نہیں ملتا۔“ مائدہ نے ہاتھ نچا کر کے کہا۔ وہ جانتی تھی یہ حرکت سعد کے علاوہ کس کی ہو سکتی ہے۔

”اتنا سا تھا۔“ سعد نے اپنی صفائی دی۔

”وہ اتنا بھی بہت مہنگا تھا۔ اپنا سائز دیکھو اور اپنی خوراک دیکھو۔“ مائدہ نے چپس کا پیکٹ جھپٹا اور دوڑ لگا دی۔

”کیا بدتمیزی ہے۔“ سعد بھی ریموٹ چھوڑ کر اٹھا۔ دونوں صوفوں کے گرد گول گھومنے لگے۔

”تم دونوں باز آ جاؤ۔ میں ریسپی دیکھ رہی ہوں۔ ایک اور بنا دوں گی۔ امی ابو جاگ جائیں گے۔“ سائرہ وہیں بیٹھے دونوں کو روکنے لگی۔ مائدہ اتنے غصے میں تھی اس نے چپس کی ایک مٹھی بھری ہاتھوں میں توڑے اور اچھال کر سعد کی طرف پھینک دیے۔

سعد کہاں بدلہ سنبھالتا تھا۔ اس نے پیکٹ چھینا اور پورا پیکٹ دبا کر چورا کر دیا۔

اسی دوران دروازہ کھلا تو سامنے فواد اور راحین کھڑے تھے۔ فواد الرٹ تھا۔ وہ دوڑتے سعد کو دیکھ کر فوراً پیچھے ہو گیا۔ راحین کے بالکل سامنے مائدہ تھی۔ سعد اپنا حتمی بدلہ لینے کے لیے آگے بڑھا۔ اس نے اپنی طرف سے مائدہ کے سر پیکٹ الٹا کیا تھا۔ لیکن مائدہ عین وقت پر سائیڈ پر ہو چکی تھی۔ چپس کے ذروں کی بارش راحین پر ہوئی تھی۔ راحین کے پروٹین ٹریٹمنٹ والے بالوں سے چپس ٹپک ٹپک کر اس کی پلکوں میں پھنس رہے تھے۔

”بھائی آپ“ سائرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا تماشا لگایا ہوا ہے؟“ فواد نے سعد کو جھڑکا۔ وہ اتنی محنت کر کے راحین سے وعدہ کر کے لایا تھا کہ اگر راحین کا دل نہ لگے تو واپس آ جائیں گے۔ اور آتے ہی ایسا استقبال ہوا تھا۔ اس نے رخ موڑ کر راحین کو دیکھا جو شاک کے عالم میں کھڑی تھی۔ اس کا منہ کھلا تھا اور سانسیں بند تھیں۔ چپس کے ذروں کا ڈھیر اس کی لمبی پلکوں اور مغرور ناک پر جمع تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا یہ ہوا کیا ہے۔ سائرہ کتاب رکھ کر آگے بڑھی اور اس کے بال جھاڑنے لگی۔

”میں دونوں کو سمجھا رہی تھی۔ بس کھیل میں بات بڑھ گئی۔“ سائرہ وضاحتیں دینے لگی۔

راحین کو اپنے بالوں میں انجان ہاتھوں کا لمس محسوس ہوا تو اس نے ہاتھ اٹھا کر سائرہ کو روک دیا۔ پھر وہ فواد کی طرف پلٹی۔

''اٹ از ٹو مچ۔'' اس نے مٹھی میں فواد کی آستین بھینچی۔

''مجھے واپس جانا ہے۔'' راحین چھینکیں جھاڑتے ہوئے جانے کو پلٹی تو دیوار سے ٹکرا ہو گئی۔

''اوچ۔'' وہ جن ہاتھوں سے سر جھٹک رہی تھی ان سے ہی سر پکڑا۔ تیل والے نمکین چپس اس کی پلکوں میں بسے تھے اور اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

''آؤ میرے ساتھ۔'' فواد نے ایک ہاتھ اس کی کمر میں ڈالا اور اسے لے کر آگے بڑھا۔ پھر کندھے کے اوپر سے جھانک کر سائرہ کو نظروں ہی سے سب صاف کرنے کو کہا۔

☆☆☆

''نادانیاں چھوٹے کرتے ہیں اور بھگتنا بڑوں کو پڑتا ہے۔'' اب سائرہ جھاڑو لے کر صفائی کر رہی تھی اور سوچ رہی تھیں کمرے میں بھائی کی کیا درگت بن رہی ہو گی۔

''اتنی بھی کیا نازکی بھابھی کی؟'' ہم بائیک پہ بیٹھتے ہیں۔ کیا کیا نہیں منہ پر لگتا؟'' مائدہ نے منہ بسورا۔

''ان کو صرف نمک تیل سے مسئلہ ہو رہا ہے۔'' سعد نے کہا۔

''اب تم دونوں کا گٹھ جوڑ ہو گیا ہے۔ بھائی کی انسلٹ کروا دی۔ بھابھی پہلی بار گھر آئی تھیں۔'' سائرہ نے سمجھایا۔

''ہم نہ بھی تماشا لگاتے تو بھابھی کو سو نقص نظر آ جاتے۔ یہ ہمارا گھر ہے، ان کا محل نہیں جو انہیں بھا جائے۔'' سعد نے دل لگتی کہی۔

''اللہ مالک ہے، وہی حل نکالے۔'' سائرہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

فواد کو اندازہ ہو رہا تھا کہ راحین نے کبھی نہ خود سامان پیک کیا تھا نہ ہی کھولا تھا۔ بیڈ روم میں آتے ہی اس نے دو پٹہ سینڈل اتار کر پھینکی۔ جو پہلا ٹراؤزر اور شرٹ ملی وہ پکڑی اور باتھ روم میں گھس کر شاور لینے لگی۔

''میرا شیمپو پکڑا دیں۔'' دس منٹ بعد ہلکا سا دروازہ کھلا۔ اس نے دروازے کے پار سے آواز لگائی۔ فواد نے فوراً اس کے تینوں سوٹ کیس کھولے۔ وہاں تو بوتلوں اور کپڑوں کی دکان لگی ہوئی تھی۔ فواد نے زنانہ چیزوں میں سے ڈھونڈ کے باری باری آٹھ بوتلیں اس کو پکڑائیں۔ مگر ان میں سے کوئی بھی اس کا مطلوبہ شیمپو نہیں تھا۔

''بلیک بوتل ہے۔ گولڈن ڈھکن کے ساتھ گول مٹول سی۔'' وہ اب بھی باتھ روم کے کھلے دروازے سے ہاتھ باہر نکالے کھڑی تھی۔

''یہ والی دیکھیں۔'' فواد نے ایک اور بوتل تھمائی جس میں سے کھیرے کی خوشبو آ رہی تھی۔

''یہ آفٹر باتھ لوشن ہے یہ بھی چاہیے۔ لیکن شیمپو جلدی ڈھونڈیں۔'' وہ حکم چلا رہی تھی کیونکہ اسے جلد از جلد چپس کی بو خود سے دور کرنی تھی۔

''کس جیب میں رکھا تھا؟'' فواد نے زچ ہو کر پوچھا۔

''مجھے نہیں معلوم مگر ادھر ہی ہو گا آپ اندر تک دیکھیں۔'' باتھ روم میں صابن شیمپو پڑا تھا۔ مگر نہ جانے کس کا تھا۔ راحین وہ استعمال نہیں کرنا چاہتی تھی۔

فواد نے ساری شرافت بالائے طاق رکھی۔ زنانہ سامان سے لدے بیگز کا سامان بے شرموں کی طرح باہر نکالنے لگا۔ دوسرے بیگ میں ایک اور چھوٹا بیگ موجود تھا۔ جس میں موجود چیزوں نے اسے ایسا چونکایا تھا۔ جیسے اسلحہ دیکھ لیا ہو۔ لیکن وہ بیگ راحین کو پکڑانے کے بعد دروازہ بند ہو گیا تھا۔ وہ اسٹڈی ٹیبل کی کرسی پر بیٹھ کر سوچنے لگا۔ وہ دونوں، ان کا ماحول واقعی بہت مختلف تھے۔

''ڈسٹ بن کہاں ہے؟'' راحین نے دروازہ کھول کر باہر آتے ہی پوچھا۔

اس نے تولیے سے سر لپیٹا ہوا تھا۔ وہ نائٹ سوٹ جیسی بہت چھوٹی سی ٹاپ اور کھلے ٹراؤزر میں



Scanned with CamScanner

ملبوس تھی۔

"پردے کے پاس رکھا ہے۔" فواد نے اشارہ کیا۔

"وہ تو بیڈ روم کا ہوگا۔ میں باتھ روم کے ڈسٹ بن کا پوچھ رہی ہوں۔" راحین نے پھر سے پوچھا۔ فواد الجھ کر رہ گیا۔

"ایک ہی کافی ہے۔" فواد نے سادگی سے کہا۔ غزالہ کے کمرے کے علاوہ صرف فواد کے کمرے میں ڈسٹ بن تھا۔ باقی سب لاؤنج والا استعمال کرتے تھے۔

"باتھ روم میں ٹوائلٹ رول بھی نہیں ہے۔" ڈفلی بیگ سے سامان نکالتے ہوئے وہ کہیں سے بھی وہ راحین نہیں لگ رہی تھی جو کچھ روز پہلے فواد کی محبت کے لیے مری جا رہی تھی۔

"ابھی آپ یہ باکس استعمال کرلیں۔ میں ٹشو رول لے آؤں گا۔" فواد نے ٹیبل سے ٹشو باکس اٹھا کر راحین کے قریب بیڈ پر رکھا۔

راحین تولیے سے بال جھٹک کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور کئی قسم کی کریمیں اور سیرم لگانے لگی۔ فواد سوچ رہا تھا کہ ابھی تو یہ گھر کا سدھرا ہوا روپ ہے۔ پانی کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ رنگ و روغن اور مرمت ہو چکی ہے۔ اپنے کمرے میں اس نے جدید شاور اور بیسن لگوائے تھے۔ پھر بھی راحین کے لیے یہ سب ناکافی تھا۔ وہ پرانے گھر میں آتی تو کتنا بڑا صدمہ لگتا۔

"مجھے لانڈری باسکٹ بھی نہیں ملی۔ کپڑے فلور پر رکھ دیے ہیں۔" وہ سوٹ کیس میں سے کچھ نکالتے ہوئے بول رہی تھی۔

فواد سوچ رہا تھا یہ لانڈری باسکٹ کیا بلا ہوتی ہے؟ وہ تو کھونٹی پر کپڑے لٹکا دیتا تھا یا قالین پر رکھ دیتا تھا امی اٹھا لیتی تھیں اور دھلوا دیتی تھیں۔

راحین ہیئر ڈرائر نکال کر سوئچ ڈھونڈ رہی تھی۔

"اس کا تو بڑا تین منہ والا پلگ ہے میں دیکھتا ہوں۔" فواد نے اس کے ہاتھ سے ڈرائر لیا۔ زیادہ تر سوئچ دو منہ والے تھے۔ اس نے اے۔ سی کا سوئچ نکال کر اس کی جگہ ڈرائیر لگایا۔

"تھینکس۔" راحین نے جیسے ہی سوئچ آن کیا سارے گھر کی بجلی چلی گئی۔

"یہ کیا ہوا؟" راحین نے مڑ کر دیکھا۔

"میں چیک کرتا ہوں۔" فواد باہر نکل گیا۔

"وہ آپ کا ڈرائر وولٹیج بہت زیادہ لیتا ہے۔ سرکٹ بریکر ڈاؤن ہو گیا تھا۔"

فواد نے ڈرائر کا سوئچ نکالا اور کھلے دروازے سے باہر آواز لگائی۔

"سحاب اوپر کردو۔"

جیسے ہی لائٹ دوبارہ آئی فواد نے دروازہ بند کر دیا تھا۔

"پھر میں بال کیسے ڈرائی کروں؟" وہ ہاتھ میں ڈرائر اٹھائے کھڑی تھی۔

"ہوا سے۔" فواد مسکرایا۔

راحین ڈرائر پٹخ کر بیڈ پر بیٹھ گئی اور موبائل اٹھا لیا۔

"دوسرے کپڑے پہن لیں۔ امی ابو بھی اٹھ گئے ہیں۔ آ کر سلام کرلیں۔" اس نے بیگم کو فرض یاد کروایا۔

"میں ایسے گیلے بالوں کے ساتھ باہر نہیں جا سکتی۔" راحین نے بہت تحمل سے کہا اور موبائل دیکھنے لگی۔

فواد کو اس کا جواب سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن جیسے کبھی غزالہ کہتی تھیں کہ وہ دوپٹے کے بغیر باہر نہیں جا سکتیں تو فواد مان لیتا تھا۔ اب راحین کی بھی مان کر خاموش ہو بیٹھا۔ ہر شخص کے اپنے اصول ہوتے ہیں اور وہ اصول پسند تھا۔

☆☆☆

غزالہ اور رشید نے قیلولہ کر کے دوبارہ وانت صاف منہ صاف کیے اور بال سنوارے۔ بہو رانی پہلی بار گھر آئی تھی۔ پھر وہ لاؤنج میں بلاوجہ منتظر بیٹھ گئے۔ نہ بہو نمودار ہوئی۔ نہ بیٹا برآمد ہوا۔

"فواد آ کر شکل ہی دکھا جاتا۔" غزالہ صوفے پر



Scanned with CamScanner

کئی بار پہلو بدل چکی تھیں۔

"آپ سو رہے تھے، وہ بھی آرام کرنے لیٹ گئے ہوں گے۔" سائرہ نے ان کو گرم ہونے سے پہلے ٹھنڈا کرنا چاہا تھا۔

"ہو سکتا ہے بھابھی سعد کا غصہ بھائی پر نکال رہی ہوں۔ انہیں اندر مرغا بنایا ہوا ہو۔" مائدہ نے کھسیانی ہنسی ہنس کر کہا۔

"تو مجھے غصہ دلایا نہ کرو۔" سعد نے چیخ کر اپنا دفاع کیا۔

"مائدہ تو وہ نہیں لگاتے۔" رشید نے سختی سے کہا۔ مائدہ سعد کو ڈانٹ پڑوانا چاہتی تھی۔ الٹا خود ڈانٹ کھا کر بیٹھ گئی۔

کچھ ہی دیر میں دروازے کی آہٹ ہوئی اور سب الرٹ ہو گئے۔

فواد آگے چل رہا تھا۔ پیچھے جھجکی اکتائی راحین آرہی تھی۔ اس نے سبز رنگ کا شیڈڈ فراک پہنا ہوا تھا۔ جس کے ایک کندھے پر سیاہ موتیوں کا ہلکا سا کام تھا۔

"السلام علیکم ابو۔" فواد گرم جوشی سے پہلے باپ سے ملا۔

"وعلیکم السلام جیتے رہو۔" رشید صاحب نے بیٹے کا کندھا تھپتھپایا۔ اور وہی ہاتھ پیچھے کھڑی راحین کے رخ کر دیا۔ اسے لگا تھا وہ بھی جھک کر سلام لے گی۔ مگر اس نے دور سے ہی سلام کیا۔ رشید صاحب اٹھ سکتے تو اٹھ کر پیار دے دیتے۔ مگر ایسا ممکن نہیں تھا۔ اس نے دہائی پیار دے کر ہاتھ کھینچ لیا۔

"چلو میری پیاری بیٹی اپنے گھر آ ہی گئی۔" غزالہ نے اٹھ کر دلہن کو گلے لگا کر استقبال کیا۔

"وہ ڈیڈ کچھ دن کے لیے ٹور پر گئے ہوئے ہیں۔" اس نے ساس کا جوش و جذبہ دیکھ کر وضاحت دینا ضروری سمجھا۔

"بھابھی ادھر بیٹھیں۔" سائرہ نے اٹھ کر مرکزی صوفے پہ اسے جگہ دی۔

سب کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ ہر کوئی فیر آرام دہ تھا کہ کس موضوع پر گفتگو کی جائے۔ راحین کو گفتگو میں خاص دلچسپی تھی ہی نہیں، اس لیے خاموشی سے اپنا موبائل ٹٹولنے لگی۔

"صارم نے چکر لگایا کہ نہیں؟" فواد نے گفتگو شروع کی۔

"آیا تھا۔ تمہارا وہ دوست بھی آیا تھا جس کے کزن نے گھر کرائے پر لیا ہے۔" غزالہ نے خبر دی۔

"بے شک اسلم کرایہ کم دیتا تھا۔ مگر پرانا بندہ تھا۔ تم نے خواہ مخواہ مہنگا کرایہ دار بدل لیا۔ چلو خیر۔" رشید نے دھیمے سے کہا۔ اب کیا جوان اولاد کو کٹہرے میں کھڑا کرتا۔

فواد چہرہ جھکا کر رہ گیا۔ کرایہ دار بدلنے کے بیچ میں وہ جو تختہ دار پر چڑھ کر اترا تھا۔ اس کی سچائی صارم اور علیم کے علاوہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

"بھابھی! آپ کو کھانے میں کیا پسند ہے؟ آپ کے لیے کوئی اچھی سی ڈش بناؤں۔" سائرہ نے پیشکش کی۔

"میں ڈنر میں کچھ خاص نہیں کھاتی۔" راحین نے جھٹ منع کر دیا۔ وہ کھانے کے معاملے میں حد درجہ نخریلی تھی۔ وہ روڈ نہیں ہو رہی تھی۔ باتوں کے سامنے ویسے ہی تھی۔ سائرہ کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی۔ سب تھوڑی بہت گفتگو کرتے رہے جبکہ راحین لاتعلق سے بیٹھی رہی۔

☆☆☆

اویس دفتر کی کرسی پر مصروف بیٹھا تھا۔ شاہد گیلانی کی کال آئی تو عادتاً ادب سے کھڑا ہوا دونوں طرف سے بہت دیر کاروباری باتیں ہوئیں۔

"راحین میرا فون نہیں اٹھا رہی۔ بس میسج پر بات کر رہی ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے؟" شاہد گیلانی بیٹی سے اتنے دور گئے تھے کہ دوسروں سے اس کی خیریت پوچھ رہے تھے۔

"جی جی وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ میں گھر پہ چکر لگاؤں گا۔" اویس نے حقیقت جانتے ہوئے بھی جھوٹ بولا۔ گیلانی ہاؤس کے تمام ملازمین کی طرح

اسے بھی راحین کی طرف سے ڈیڈ کو کچھ نہ بتانے کا حکم تھا۔

اویس سے بات کر کے شاہد مطمئن ہو گئے۔

☆☆☆

راحین موبائل پر ایک آرٹیکل پڑھنے میں اتنی مصروف ہو گئی کہ اسے معلوم ہی نہیں ہوا کہ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔ سائرہ نے جب کھانا لگنے کی اطلاع دی تو راحین نے دانتوں تلے زبان دی۔ اس نے سوچا تھا کھانے سے پہلے ہی بہانا کر کے کمرے میں چلی جائے گی۔ اب عین وقت پر کیا بہانا کرتی۔

فواد باپ کی وہیل چیئر لے آیا اور باقی سب بھی ہاتھ دھو کر پہنچ گئے۔ راحین نے میز پر لگے پھیکے رنگوں کے پلاسٹک کے برتن دیکھے۔ ڈائننگ ٹیبل پر حال ہی میں نئی پالش کر کے اسے جدید بنانے کی ناکام کوشش کی گئی تھی۔ راحین کو بھی چاروناچار بیٹھنا پڑ گیا۔ فواد نے اس کو کھانا نکال کر دیا۔ تو بہت اچھی خوشبو آنے لگی۔ اس نے تجسس سے نوالہ منہ میں رکھا۔ معلوم تو ہوا کہ ذائقہ خوشبو کے ہم پلہ ہے کہ نہیں؟ نوالہ تو منہ میں گھل ہی گیا۔

اس کے گھر کے شیف کو دیسی کھانا اچھا بنانا نہیں آتا تھا۔ دیسی کھانا بھی اتنا ہلکا پھلکا ہو سکتا ہے۔ اسے تعجب ہوا۔

''گڈ فوڈ۔'' اس نے بے خیالی میں با آواز بلند کہا۔

''تھینک یو۔'' سائرہ نے جواب دیا۔

''ہماری سائرہ کے ہاتھ میں بہت ذائقہ ہے۔ انڈا بھی تل دے تو منہ میں پانی آجاتا ہے۔'' رشید نے خوش ہو کر بیٹی کا مان بڑھایا۔

راحین دوبارہ کچھ نہیں بولی مگر رغبت سے کھاتی رہی۔

☆☆☆

راحین کھانے کے بعد ہی کمرے میں آ گئی تھی۔ کچھ دیر بعد فواد بھی اندر پہنچا تو دیکھا۔ راحین پھر سے سامان کھول رہی تھی۔ فواد کو لگا وہ لڑ جھگڑ کر واپس جانے کی تیاری کر رہی ہے۔ لیکن حقیقت میں سائرہ کے ہاتھ کا بھر پیٹ کھانا کھانے کے بعد اسے بہت نیند آ رہی تھی۔

''میں بیڈ شیٹ ڈھونڈ رہی ہوں۔ مجھے کسی اور کی چادر پر نیند نہیں آتی۔'' اس نے سوٹ کیس سے اپنی چادر نکالی۔ فواد نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے چادر پکڑ لی۔

راحین لمحہ بھر کو ڈر گئی کہ فواد غصہ ہو گا۔ چلائے گا۔ جیسے وہ اور شاہد گیلانی ملازموں پر چلاتے تھے۔

''میں مدد کر دیتا ہوں۔'' فواد نے آہستہ سے کہا اور راحین کے ہاتھ سے چادر لے کر بستر پر بچھانے لگا۔

راحین وہاں رک تو گئی تھی مگر ساری رات کروٹیں لیے فواد سے رخ موڑ کر سونے کی اداکاری کرتی رہی۔

اگر یہ سچی محبت نہیں تھی اور صرف پا لینے کی خواہش تھی تو اسے سخت خطرہ لاحق تھا۔

☆☆☆

وہ چھت پر ٹنکی کے پاس بیٹھا تھا۔ انڈر گراؤنڈ ٹینک بننے کے بعد وہاں پانی کا مسئلہ حل ہو چکا تھا۔ لیکن ابھی بھی یوں چھت پر بیٹھ کر فجر کی اذان کا انتظار کرنا اسے اچھا لگتا تھا۔ اذان ہونے لگی۔ پچھلے چند دنوں سے وہ جس کوفت کا شکار تھا وہ چھٹنے لگی تھی۔ اس کا یقین تھا کہ اللہ وسیلہ بناتا ہے۔ مگر اس کے مسائل حل ہونے کا یہ کیا طریقہ تھا کہ وہ خود کو دوسروں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی محسوس کر رہا تھا۔

اس کی جیب میں آج بھی سکے تھے اس نے سکے ہاتھ پر پھیلا لیے۔ جیب پھر بھی وزنی رہی اب جیب میں نوٹ اور کارڈز جو آ گئے تھے۔ سکے اثاثہ معلوم ہوتے تھے اور نقد اور کارڈز جوکھیں۔ وہ چڑھتے سورج کو دیکھنے کے کمزا نہیں ہوا۔

وہ جھک کر بیٹھا رہا۔ جب سورج اتنا بلند ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنے لگا تو اس کو اپنی خالہ جنت یاد آ گئیں۔ انہوں نے رقم لے کر بیٹی دی تھی۔ پھر

ایک کے بعد ایک احسان کرتی چلی گئیں۔ تو رتم پیچھے رہ گئی۔ احسان پہاڑ بن گیا۔

اس کو بھی اپنے دل کے سکون کے لیے یہی کرنا تھا۔ راحین اور شاہد گیلانی کا وہ مضبوط سہارا بننا تھا جو کسی دولت سے حاصل نہیں ہو سکتا ہو۔ اس نے تکیے ایک بار پھر اچھال کر ٹھیک کیے اور پر عزم ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔

☆☆☆

راحین رات کو کئی بار ڈسٹرب ہو کر اٹھی تھی، ہر بار اٹھ کر وہ بے فکری سے سوئے ہوئے فواد کو دیکھتی تو اسے اور آگ لگ جاتی۔ اس کی نیندیں اڑا کر وہ گھوڑے بیچ کر سو رہا تھا۔ سب سے پہلے قبل از موسم مچھر تھے۔ جنہوں نے راحین کی نیند میں مخل ہونے کی گستاخی کی تھی۔ راحین نے اٹھ کر لوشن لگایا اور پنکھا فل کر دیا۔ پھر کتنی ہی دیر اسے نیند نہیں آئی اور جب بالآخر وہ سوئی تو فواد نے اٹھ کر کھٹر کا کرنا شروع کر دیا۔ وہ باتھ روم گیا۔ پانی پیا پھر کمرے سے باہر نکلتے ہوئے زور سے دروازہ بند کیا۔ راحین تلملا کر رہ گئی۔ اس نے کانوں پر تکیے رکھ لیے۔ بہت میٹھی میٹھی نیند آرہی تھی وہ بے فکر ہو کر سونا چاہتی تھی۔ پھر اذانوں کا سلسلہ چل پڑا۔ ایک کے بعد ایک اذان ہو رہی تھی۔ اتنی سی جگہ پر نہ جانے کتنی مسجدیں تھیں۔

"آج اچھی ہوا چل رہی ہے۔ صحن میں لے چلو وہاں نماز پڑھتا ہوں۔" رشید کی آواز دور سے آئی اور محو ہو گئی۔ راحین کی نیند میں معمولی سا اسپیڈ بریکر آیا۔ خوش قسمتی سے وہ ڈسٹرب نہیں ہوئی اور سو گئی۔

وہ کچھ دیر سوئی تھی۔ مگر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہو تو دھاڑ دھاڑ کسی نے گیٹ پیٹنا شروع کر دیا۔

"حاجی صاحب دودھ لے لو۔" دودھ والے نے اونچی آواز لگائی جو رشید تک بعد میں پہنچی اور کھڑکی کے ذریعے راحین کو پہلے آگئی۔ وہ غصے سے حیوانی آوازیں نکالتی اٹھ بیٹھی۔ کچھ بال بے آرامی سے کھڑے تھے باقی اس نے سر پکڑ کر الجھا دیے

تھے۔ سونے پر سہاگا اس ہی لیے فواد کمرے میں داخل ہوا اور حسب عادت رائٹنگ ٹیبل پر پڑے سکے میں سکے ڈالے۔ راحین کو سکوں کی آواز سر پر وزنی پتھروں کی طرح محسوس ہوئی۔

"اسٹاپ اٹ آل دس۔" وہ چلاتے ہوئے گھٹنوں کے بل بیڈ پر آگے ہوئی۔ بایاں ہاتھ بڑھا کر سکوں سے بھرا مگ اٹھایا اور دے مارا۔ وہ تھکی ہوئی تھی اس لیے ہاتھوں میں کم طاقت تھی مگ کارپٹ پر گرا پر ٹوٹا نہیں۔ قطرہ قطرہ جمع کی ہوئی فواد کی پونجی ہر سمت بکھر گئی۔ کتنے ہی سکے فواد پر بھی گرے۔ وہ ناسمجھی کے عالم میں پھٹی آنکھیں لیے کھڑا تھا۔ جبکہ راحین نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالی ہوئی تھیں۔ اس سے پہلے کہ فواد کچھ پوچھتا کھڑکی کے باہر سے ایک اور آواز آئی۔

"سبزی والے.....!"

اب راحین کے غصے نے بھی جواب دے دیا وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر گھٹنے کے بل بیٹھے بیٹھے رونے لگی۔

"ایک سیکنڈ۔" فواد دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ سعد آنکھیں ملتا ہوا باتھ روم کی طرف جا رہا تھا۔ جس میں پہلے سے مائدہ موجود تھی۔ قبل اس کے کہ وہ دروازہ پیٹ کر مائدہ کو باہر نکلنے کا کہتا فواد نے اسے وہیں روک دیا۔

"خبردار شور نہیں کرنا۔ باہر جا کر سبزی والے کو کہہ کر آؤ۔ گھڑ۔ ہی لگائے۔ میری کھڑکی کو دکان نہ بنائے۔"

یہ کہہ کر وہ واپس کمرے میں آگیا۔ اس کے پیچھے کئی منہ بنے اور کتنوں کو اس کے زن مرید ہونے کی فکر لاحق ہو گئی۔ وہ کمرے میں آیا تو راحین نازک ہچکیوں کے ساتھ آنسو بہا رہی تھی۔ فواد اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

"مجھ سے نہیں ہو رہا۔ میں تھک گئی ہوں۔ میں اس لائف کے لیے نہیں بنی، میں ساری رات سو نہیں سکی۔ میرا سر پھٹ رہا ہے۔" وہ ہچکیوں کے درمیان

وضاحت دینے لگی۔

فواد نے انگلیوں کی پوروں سے اس کے دائیں گال سے بال سمیٹ کر کان کے پیچھے کیے اور دوسرے ہاتھ سے پانی بڑھایا۔ راحین نے ٹشو سے ناک صاف کیا اور پانی پینے لگی۔

"نئی جگہ پر نیند آنے میں کچھ وقت لگتا ہے۔" فواد نے تسلی دینا چاہی۔

"مجھے شور کی عادت نہیں ہے۔ میں روشنی میں بھی نہیں سو سکتی۔" اس نے عاجزی سے کہا۔

"عادت نہ ہو تو آسائش بھی چبھتی ہے۔ مجھے بھی تو آپ کے گھر میں نیند نہیں آتی تھی۔" فواد نے یاد کیا۔

"دس از ناٹ ورکنگ۔" راحین مایوس تھی۔

"اس کا مطلب ہے ہمیں اور زیادہ کوشش کرنی ہے۔" فواد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے قریب کیا۔

راحین بھی اتنی تھکی تھی کہ سارا غصہ بھول کر فواد کے کندھے پر سر رکھ دیا۔ وہ ایک دوسرے کے ماحول کے نہ سہی ایک دوسرے کے عادی ہو رہے تھے۔

"ہر جگہ کی نعمتیں اپنی ہوتی ہیں۔ نعمتیں چاہے جتنی چھوٹی ہوں۔ ان کی ناقدری نہیں کرنی چاہیے۔ اب یہ سکے جو آپ نے پھینکے ہیں یہ کم مالیت کے تھے مگر نعمت تھے۔" اس نے راحین کے کندھے سے ہاتھ اٹھایا اور دور ہو گیا۔

"ہم نعمتوں کو اپنا حق سمجھ کر کبھی اپنی صحت، کبھی عقل تو کبھی زندگی داؤ پر لگا دیتے ہیں۔ اس کی قدر کرنا سیکھیے۔" فواد نے کارپٹ پر گرا مگ اٹھایا اور بکھرے ہوئے سکے سمیٹنے لگا۔

"مجھے اس وقت کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔" راحین دوبارہ لیٹنے کی تیاری کر رہی تھی جب فواد نے کہا۔

"آئیں میری مدد ہی کروا دیں۔" فواد نے سکوں کی طرف توجہ کروائی۔

راحین کو لگا وہ پاکستانی مرد ہی ہے باتوں کا شیر اور کام میں بیوی کا محتاج۔

"بعد میں کروں گی۔" راحین نے تکیے پر سر رکھا اور چادر تان لی۔

فواد نے صرف سامنے پڑے سکے سمیٹے اور مگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یاد سے باقی سمیٹ لیجیے گا۔ اپنے فیصلوں کا خمیازہ بھگتنے کا حوصلہ ہونا چاہیے۔ میں تیار ہونے جا رہا ہوں۔ آج میرا ابھی آفس کا پہلا دن ہے۔"

فواد الماری سے شرٹ پینٹ نکالنے لگا۔ راحین چادر اتار کر جھٹ اٹھ بیٹھی۔

"مطلب؟" راحین کو خطرے کی بو آرہی تھی۔

"مطلب میں رزق حلال کرنے جا رہا ہوں۔ دعا کیجیے گا۔" وہ راحین کو یہاں اکیلا چھوڑ کر جا رہا تھا۔ راحین کے پھر حواس خطا ہو گئے تھے۔

☆☆☆

"السلام علیکم بھابھی یہ کافی لائی ہوں۔ بھائی کہہ رہے تھے آپ کے سر میں درد ہو رہا تھا۔" سائرہ نے بھاپ اڑاتا مگ راحین کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا۔

"تھینک یو۔" راحین اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اب سونے کی کوشش کرنا بے کار تھا۔

"آپ کو اے سی کی ضرورت تو نہیں؟" سائرہ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر ریموٹ ڈھونڈنے لگی۔

"نہیں ابھی نہیں، ابھی تو پنکھے میں ٹھنڈ محسوس ہو رہی ہے۔" راحین نے مگ پکڑا۔ مگر گھونٹ نہیں بھرا۔ اسے کیفین منع ہو گئی تھی۔ یہ بھی اس نے چھپا رکھا تھا۔

کھڑکی کے باہر کھٹ پٹ ہو رہی تھی۔ سائرہ نے پردہ ہٹایا۔ باہر سعد سیاہ رنگ کے چارٹ پیپرز شیشے پر لگا رہا تھا تاکہ روشنی اندر نہ آئے۔ سائرہ نے دوبارہ پردہ برابر کر دیا اور مسکراتے ہوئے چلی گئی۔

راحین نے دو منٹ خود سے جنگ کر کے کافی پینا شروع کر دی۔ وہ بھی تو چاہتی تھی کہ جتنی ہے اچھی زندگی گزارے۔ پابندی اس کے حق میں بہتر بھی تھی تو



Scanned with CamScanner

اسے قبول نہیں تھی۔

☆☆☆

اویس انکم پرسنل اسسٹنٹ آف شاہد گیلانی مالک کی غیر موجودگی میں بھی ان کے آفس میں منڈلاتا رہتا تھا۔ اب اس کا کام بڑھ گیا تھا۔ وہ غیر ملکی مالک کے ملکی ملازموں کے بیچ رابطے کا اضافی ذریعہ بنا ہوا تھا۔

"سر کے داماد فواد صاحب آئے ہیں۔" کسی نے اطلاع دی۔

اویس کے لیے یہ آمد غیر متوقع تھی۔ وہ ٹائی کی ناٹ ٹھیک کرتا باہر کی طرف بڑھا۔ باہر فواد موجود تھا ویل ڈریس سمارٹ پراعتماد مگر کم عمر۔

"ہیلو سر، ویلکم ٹو دا آفس۔" اویس نے خوشی سے بچھتے ہوئے کہا۔ ذرے کو ستارہ ظاہر کرنا ہی تو اس کا اصل ٹیلنٹ تھا۔

"آئیے اس طرف آئیں۔" اویس آگے چلتے ہوئے اسے آفس کے مختلف حصے دکھانے لگا۔ کسی بھی جگہ اس نے نہ فواد کا تعارف کروایا۔ نہ اتنی مہلت دی کہ فواد سلام ہی کر لیتا۔ یوں ہی چلتے ہوئے وہ فواد کو کوریڈور کے آخری سرے پر لے آیا۔ وہاں موجود شاندار آفس کا دروازہ کھولا۔

وہ آفس کم وی۔ آئی۔ پی ویٹنگ ایریا زیادہ لگ رہا تھا۔ فواد نے دیکھا ایک طرف بک ریک اور بکھروال تھی۔ جس کے سامنے مختصر سی میز کرسی پڑی تھی۔ باقی کمرے میں کسی لاؤنج کی طرح ٹی۔ وی کے اردگرد صوفے لگے تھے۔

"آپ غلط سمجھ رہے ہیں مجھے بڑے آفس سے کوئی مطلب نہیں ہے۔ میں نے مارکیٹنگ اور اکاؤنٹس پڑھا ہوا ہے۔ ان دونوں ڈیپارٹمنٹس میں مجھے انٹروڈیوس کروا دیں۔ آگے میں دیکھ لوں گا۔" فواد نے تحمل سے کہا۔

"ارے سر! آپ ہمارے باس ہیں۔ آپ کے لیے اس سے بھی بڑا آفس ہونا چاہیے۔ یہ دیکھیے اس ٹی۔ وی پر کتنے او ٹی ٹی پلیٹ فارم کی سبسکرپشن ہے۔" اویس نے ٹی۔ وی آن کیا اور ریموٹ فواد کی طرف بڑھایا۔ فواد نے جواباً کوئی جنبش نہیں کی تو اویس نے ریموٹ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"پاس ہی ایک کلب ہے۔ سر اور میڈم راحین کی ممبر شپ بھی ہے۔ وہاں آپ کہیں تو آپ کی ممبر کروا دیتا ہوں۔ ٹینس، جم، فوڈ کورٹ، گالف وہاں سب ہے۔ آپ مالک ہیں انجوائے کریں۔ مالکوں کو کام کرنے کی کیا ضرورت ہے؟" اویس ویسے ہی پیش آرہا تھا جیسے اس نے شاہد کو دیکھا تھا۔

فواد کو اب تک اونچی گردنوں والے کافی سمجھ میں آگئے تھے۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا اور میز سے اٹھا کر اینول رپورٹ دیکھنے لگا۔

"ٹھنڈا پانی ملے گا؟" اس نے اویس کو مالکانہ نظروں سے دیکھا۔

"جی سر۔" اویس جو فواد کو غصے سے پھٹتا ہوا دیکھنا چاہتا تھا ٹھنڈا ہو گیا۔

"شیور سر۔" اس نے اس کم عمر لڑکے کے آگے سر جھکایا۔ پھر باہر جا کر ٹھنڈا پانی بھجوا دیا۔

☆☆☆

شاہد گیلانی کو جیٹ لیگ نہیں تھا۔ مگر ان کی روٹین بے قاعدہ ہو گئی تھی۔ اصل میں ان کو وہاں کوئی کام نہیں تھا۔ وہ صرف راحین اور فواد کو اکیلا چھوڑنے کی غرض سے وہاں آگئے۔ انہیں فارغ بیٹھنے کی عادت نہیں تھی اس لیے اکتا کر سوچ رہے تھے کہ کوئی کام کرلیں۔ کچھ سالوں پہلے شہر سے بہت دور بیابان میں انہوں نے زمین لی تھی۔ شہر بڑھتے بڑھتے زمین کے قریب آچکا تھا۔ وہاں نئی فیکٹری لگانے کے خیال سے ان کی کچھ بوریت دور ہوئی تھی۔ وہ پلان بنا رہے تھے جب آفس کے نمبر سے کال آئی۔

"ہیلو شاہد اسپیکنگ۔" انہوں نے میکانکی آواز میں کہا۔

"ہیلو سر! فواد بات کر رہا ہوں۔ آج آپ کے دفتر آیا ہوں تو انکشاف ہوا ہے یہاں آپ کے خلاف سازش ہو رہی ہے۔" فواد نے کہا۔



Scanned with CamScanner

وہ ہمیشہ شاہد گیلانی کو چڑانے کی غرض سے زیادہ ہی ہشاش بشاش ہو جایا کرتا تھا۔ جیسا اس وقت ہوا تھا۔

''مطلب کیا ہے تمہارا؟'' شاہد گیلانی نے سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

فواد کا مطلب بھی وہ گھی تھا جو سیدھی انگلی سے نہیں نکلا تھا۔

''یہ دفتر والے آپ کے اکلوتے داماد کو کہہ رہے ہیں کہ آفس میں ٹی۔ وی دیکھے اور گالف کھیل کر دل بہلائے۔ مطلب کہ آپ کے داماد کو ناکارہ ثابت کر کے آپ کی توہین کرنا چاہتے ہیں۔ یہ آپ کے خلاف سازش ہی تو کر رہے ہیں۔'' فواد نے گھما پھرا کر کہا۔

''نئی شادی کے دنوں میں دفتر کی خاک نہیں چھانتے۔ وہ یقیناً عقل مند لوگ ہیں جو تمہیں گھومنے پھرنے اور ریلیکس ہونے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ ان کی بات مان لو۔'' شاہد گیلانی کو اندازہ نہیں تھا کہ فواد دفتر ہی آ جائے گا۔ اگر آ گیا تھا تو اویس نے فون کر کے بتایا کیوں نہیں۔

''جب تک پیٹ میں ڈالی روٹی حلال نہ ہو جائے ریلیکس نہیں ہوا جاتا۔ میں نے ایم۔ بی۔ اے کیا ہے لا کا کورس بھی کر رکھا ہے۔ ایک آدھی انٹرن شپ کا خطا کار بھی ہوں۔ سب سے بڑھ کر آپ کا اکلوتا داماد ہوں اور بغیر کام کیے تین تنخواہیں بٹور چکا ہوں۔ میں روز نو سے پانچ دفتر میں حاضر ہو جایا کروں گا۔ کوئی کام مل گیا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ لوگ آپ کی ذہانت پر انگلی اٹھائیں گے کہ ایسا ناکارہ داماد شاہد گیلانی نے پسند کیسے کر لیا۔ یقین جائیں خود سے زیادہ مجھے آپ کی فکر ہے۔''

آخری جملہ بچ میں سنجیدگی کہا تھا۔ شاہد گیلانی تذبذب کا شکار ہو گئے۔ وہ اپنی غیر موجودگی میں فواد کو دفتر میں شامل نہیں کرنا چاہتے تھے۔ فواد گھر انسان تھا اس لیے مجمع میں سے ابھر کر نظر آ رہا تھا۔

''تم راحین کو خوش رکھو۔ یہ کام دفتر کے ہر کام سے زیادہ مشکل ہے۔ تم سمجھو تمہیں اس کی اجرت مل رہی ہے۔'' شاہد گیلانی نے ٹالنا چاہا۔ جو بھی تھا وہ فواد کو مقابل ہی رکھتے تھے۔

''راحین نے ہمیشہ کام کو ترجیح دینے والے مرد کو دیکھا ہے۔ گھر بیٹھ کر لقمے توڑنے والا مرد اس کو خوش نہیں رکھ سکے گا۔ دل سے اتر جائے گا۔'' فواد باتوں کا جادوگر تھا۔ شاہد گیلانی کو شیشے میں کیسے نہ اتارتا۔ شاہد گیلانی نے خاموش ہو کر چند لمحے سوچا۔

''ایچ۔ آر میں رفیق صاحب سے مل لو۔ وہ تمہیں مناسب پوزیشن دے دیں گے۔'' وہ دشمن کو قریب رکھنے پر یقین رکھتے تھے۔ سو یہی کر رہے تھے۔

''ویری ویل خدا حافظ۔'' فواد نے فون بند کر دیا۔

شاہد گیلانی کو فکر ہونے لگی۔ جیسے کچھ ان کے ہاتھ سے نکل رہا ہو۔ اس بساط پر وہ کمزور کھلاڑی بن رہے تھے۔ انہوں نے فون اٹھا کر راحین کو کال ملائی۔ بہت دیر فون نہیں اٹینڈ ہوا تو ان کا دل ڈولنے لگا۔

''کیسی ہے میری بیٹی؟'' فون اٹھا تو شاہد کی جان میں جان آئی۔

راحین کی مخمور آواز سے لگ رہا تھا کہ وہ نیند سے بیدار ہوئی ہے۔

''فواد آج آفس گیا ہے۔ مجھے خبر ملی تھی۔'' شاہد گیلانی نے کنفرم کیا۔

''ہاں اسے ہر وقت مصروف رہنے کا شوق ہے۔'' راحین نے ذاتی تجربہ پیش کیا۔

''لیکن تمہیں اس کے ساتھ کی ضرورت ہے۔ اسے تمہیں توجہ دینی چاہیے۔ باہر جاؤ گھومو اپنی لائف انجوائے کرو۔'' ان کا سمندر پار جانے کا مقصد تو یہی تھا۔

''لائف انجوائے کر چکی ہوں۔ اب ختم بھی ہو جائے تو ڈر نہیں۔'' نیند میں اس نے دل کی بات بولی۔

میلوں دور بیٹھے شاہد گیلانی کا دل کانپ گیا۔ انگلیوں کے اشاروں پر دنیا چلانے والے شاہد کس قدر مجبور تھے کہ اپنی بیٹی اور سرطان کے بیچ دیوار نہیں بن سکتے تھے۔

"کچھ کام میری زندگی کے بارے میں سوچ کر کرلیا کرو۔" شاہد نے تاسف سے کہا۔ راحین کی نیند کھل گئی۔

"مذاق کر رہی تھی۔ آپ بتائیں۔ کیا ہو رہا ہے؟" راحین نے بات بدلی۔

"میں نے فون اپنے نہیں تمہارے بارے میں جاننے کے لیے کیا ہے۔ فواد تک تو ٹھیک ہے۔ مگر اس کی فیملی کو سر پر مت چڑھانا۔ یہ نہ ہو گیلانی ہاؤس آ بیٹھیں۔ یہ نچلے طبقے کے لوگ بہت مفاد پرست ہوتے ہیں۔" وہ ہدایت دینے لگے۔

☆☆☆

صاف ستھرا گھر خاموش پڑا تھا۔ غزالہ اور رشید کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ ڈرتے ہوئے نکلی۔ صرف ایک جگہ آوازیں آرہی تھیں۔ وہ وہاں پہنچی وہ کچن تھا جہاں سائرہ میٹھے پر ڈالنے کے لیے بادام کاٹ رہی تھی۔

"ہیلو۔" راحین نے دروازے کی اوٹ سے کہا۔

"بھابھی آیئے۔ ناشتہ کریں گی؟" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"نہیں صرف جوس۔" راحین دو کرسیوں والی چھوٹی ٹیبل کے ساتھ بیٹھ گئی۔

"جوس تو نہیں ہے۔ ویسے تو کھانے کا ٹائم ہونے والا ہے۔ سعد مائدہ آتے ہیں۔ تو کھانا لگاتی ہوں۔ ابھی آپ کچھ لائٹ کھالیں۔" سائرہ نے فریج کے اوپر والا فریزر کھول کر کباب نکالے۔

"تم بناؤ گی؟ کوئی میڈ نہیں ہے؟" راحین نے چاروں سمت نظر گھمائی۔

"وہ صبح صفائی کر کے چلی گئی ہے۔ اب دوپہر کو برتن دھونے آئے گی۔ ویسے بھی امی ابو کو ملازمہ کے ہاتھ کا پکا پسند نہیں ہے۔ پھر میں فارغ ہوتی ہوں تو کچن دیکھ لیتی ہوں۔" وہ کتنی بے لوث تھی یہ جاننے میں لمحہ لگا تھا۔

"تمہیں کوکنگ پسند ہے؟" راحین نے دیکھا وہ کوئی اسپیشل میٹھا بنا رہی تھی۔

"میں تو ڈاکٹر بننا چاہتی تھی لیکن پڑھائی نہیں ہو سکی۔ پھر گھر میں رہی تو کھانا بنانا سیکھ لیا۔" وہ بے مقصد وضاحت دے کر اپنا دفاع کرنے لگی۔

"کیا کچھ بنا لیتی ہو؟" راحین اس کے سامنے بھی آرام دہ تھی۔

"اوون نہیں ہے۔ پریشر ککر میں کیک بنا لیتی ہوں۔ بڑے دیگچے میں نان خطائی بھی بن جاتی ہے۔ آپ کو کیا پسند ہے؟" سائرہ نے پوچھا ساتھ ہی پلیٹ میں کباب نکال کر توس سینکنے لگی۔

"تو اوون لے لو۔" راحین نے کہا۔ جواب میں سائرہ ابھی نظر آنے لگی تو راحین کو خیال آیا۔ اس نے شاید الیکٹرک اوون بھی دیکھا نہیں تھا۔

"جس طرح مائکروویو ہوتا ہے ویسا ہی اوون ہوتا ہے۔ بے وزن کہیں بھی تار لگا کر چلالو۔" راحین نے وضاحت دی۔

"اچھا مجھے بتایئے گا کہاں سے ملتا ہے۔ بیکنگ ہی سیکھ لیتی ہوں۔ کبھی تو ایسا لگتا ہے خدا نے مجھے بے کار پیدا کیا ہے۔" سائرہ نے اپنی دھن میں کہتے ہوئے ناشتہ راحین کے سامنے رکھا۔ غزالہ اسی وقت کچن میں ملک شیک بنانے آئی تھیں۔

"خدا نے کچھ بے کار نہیں بنایا۔ جب کالا بچھو زندگی بچانے کا باعث بن سکتا ہے تو تم تو انسان ہو۔" — محبت سے بیٹی کو جھڑکا اور اپنے کام کرنے میں لگ گئیں۔

"کالا بچھو واٹ؟" راحین کی سمجھ میں نہیں آیا۔

"وہ ایک بچھو ہوتا ہے انتہائی زہریلا۔" غزالہ بلینڈر میں دودھ کیلے ڈال رہی تھیں۔

"کینسر کا علاج عموماً ٹیومر کے ساتھ صحت مند سیلز پر بھی حملہ کر دیتا ہے۔ اب سائنس دانوں کو کالے



Scanned with CamScanner

بچھو کے زہر میں کچھ ملا ہے۔ اس سے موذی مرض کا علاج بن رہا ہے۔" غزالہ نے تفصیل سے کہہ کر بلینڈر چلا دیا۔

راحین کا سر بھی چکرانے لگا۔

ایک بازی اس نے فواد کے ساتھ ہاری تھی۔ اس بار میں جیت تھی پھر بھی اس نے کھیل کر ہارنا بہتر سمجھا۔ زندگی کے اس بازی کدہ میں اس کا ایک اور دشمن بھی تھا جس کے خلاف اس نے ہتھیار اٹھائے بغیر ہار مان لی تھی۔ بلینڈر بند ہو گیا۔

"ہر چیز اہم ہے اور بامقصد ہے۔ فضول باتیں نہ کیا کرو۔" غزالہ سمجھاتے ہوئے باہر چلی گئیں۔

راحین نے دور ٹوکری میں پڑے چند لیموں دیکھے۔ جو ڈنڈی کے آس پاس سے گلنا شروع ہو گئے تھے۔ اسے ڈاکٹر کے کلینک میں لگا پوسٹر یاد آیا۔ بریسٹ کینسر ایسے ہی عضو کو گلا دیتا ہے۔ اس نے ناشتے کی ادھوری پلیٹ دور کی۔

"میرا پیٹ بھر گیا ہے۔"

☆☆☆

فواد گھر میں داخل ہوا تو وہی شور شرابہ اور ہلچل تھی۔ لیکن یہ ہلچل بھی اس کی تھکاوٹ دور نہ کر سکی۔ کیونکہ اسے بے کاری کی تھکاوٹ تھی۔ اسے دفتر میں لیپ ٹاپ اور پوزیشن تو مل گئی تھی پہلے دن کوئی کام نہیں کرنا پڑا تھا۔ اگر اسے تھکاوٹ ہوتی بھی تو راحین کو اپنے حسن اور وقار کے ساتھ اس کے گھر کے خستہ حال صوفے پر بیٹھے دیکھ کر ختم ہو جاتی۔ وہ سر جوڑے سائرہ کے ساتھ موبائل دیکھ رہی تھی۔ سعد ڈھٹائی سے صوفے پر جوتے رکھے بیٹھا تھا۔ مائدہ ٹی۔ وی چلا کر ساتھ ہوم ورک کر رہی تھی۔ رشید اور غزالہ بھی تھے مگر فواد کو کچھ نظر نہیں آیا۔ وہ مقناطیسی انداز میں آگے بڑھا اور سیدھا راحین کے سامنے رک گیا۔ راحین نے کھلے بال بائیں کندھے پر ڈال رکھے تھے۔

"ویلکم بیک۔" راحین بھی خوشی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں موجود سب سیدھی اور ٹیڑھی نظریں ان ہی دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"یہ لیپ ٹاپ۔" فواد کو کچھ سمجھ میں نہ آیا تو لیپ ٹاپ آگے کر دیا۔

راحین بیگ لے کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆

اس نے بیگ زمین پر رکھا تو لپے سے دوپٹے میں پھنستی ہوئی گر گئی۔ خود پر اتنا وزن لادنے کی ضرورت کیا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی جب قالین پر دو سکے چمکے۔ اس نے سکے اٹھا کر گلک میں ڈالے۔

"میرا دن آپ کے بغیر گزرنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔" فواد دروازہ بند کر کے اندر آیا۔

"پھر چھوڑ کر کیوں جاتے ہیں؟" راحین نے نخرے سے کہہ کر ہاتھ بڑھایا۔

"تاکہ واپس آسکوں۔" فواد نے اس کو سہارا دے کر اٹھایا۔ پھر اس کا دوپٹہ ٹھیک کر کے اوڑھایا پھر مسکراتے ہوئے باتھ روم چلا گیا۔

☆☆☆

فراغت بھی ان کو جچتی ہے جنہوں نے مصروفیت کا منہ دیکھا ہو۔ فواد کی شادی کا غم اوپر سے فراغت کا زہر اس کی تو روٹین اس کے لیے وبال جان بن گئی تھی۔ ٹی۔ وی سے اکتا کر سوچتی کہ بی۔ اے ہی کر لے۔ کتابیں کھولتی تو ذہن میں آتا اب کس کو متاثر کرنے کے لیے پڑھے۔ وہ پھر بستر پر جا کر لیٹ جاتی۔ بہت موڈ اچھا ہوتا تو بالوں میں تیل لگا کر نہا لیتی تھی۔ اس دن ہوا اس پر مہربان تھی جو بے موقع کھل چلنے لگی۔ اس کا بوجھل پن ہوا کے سنگ اڑ کر دور منزلوں پر جا بسا۔

"فواد کے جانے کے بعد دوسرا لڑکا رکھا ہے۔ بالکل بے ڈھنگا۔ زارا کے ابا تو اب رات گئے تک اسٹور پر ہی ہوتے ہیں۔" فاخرہ نے مہمان خاتون سے کہا۔

اندر بیڈ پر لیٹی زارا کے دل نے اس کے نام پر آہ بھری۔

"ہاں بھئی فواد کا کیا مقابلہ۔" حمیدہ نے چائے

کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"فواد تو ہمیشہ ہی ہر مقابلے سے بالا رہا تھا۔"

"اب اللہ کرے بالا ہی رہے تو اچھا ہے۔ ہم نے ہمیشہ اپنے بچوں کے آگے فواد کے گن گائے۔ لیکن اس نے کیا کیا؟ لڑکی کے پیچھے ماں باپ کو چھوڑ دیا؟ اس سے اچھے تو ہمارے دوسرے درجے میں پاس ہونے والے بچے ہیں۔" فاخرہ کی ناراضی اور اس کی وجہ کسی سے چھپی نہ تھی۔

"لو پھر نئی خبر سن لو۔ صارم بتا رہا تھا فواد اور اس کی بیگم غزالہ کے گھر آ گئے ہیں۔" حمیدہ نے انکشاف کیا تھا۔

فاخرہ کا تو منہ کھلا رہ گیا اور اندر بستر میں پڑی زارا کے بھی چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ جھٹ اٹھ بیٹھی باہر موجود خواتین کے اگلے جملے سے پہلے وہ کھڑکی میں کھڑی تھی۔

"اگر ایسا ہی ہے تو پھر سونے پر سہاگہ ہونے والا ہے۔ وہ لڑکی اس محلے میں بس ہی نہ جائے۔ فواد کو ہم سب نے خوامخواہ ہی بچوں کا آئیڈیل بنا رکھا تھا۔ وہ تو عقل سے پیدل ثابت ہو رہا ہے۔" فاخرہ نے مزید برا بھلا کہا۔

"سسرالی کوٹھی میں جو ہوتا بات وہیں رہ جاتی۔ اب محلے میں تو اشتہار لگیں گے۔" حمیدہ بھی چسکا لینے میں کسی سے کم نہیں تھی۔

"یہ طبقاتی فرق کی دیوار تو اتنی مضبوط ہوتی ہے کہ نسلیں لگتی ہیں اس کو توڑنے میں۔" فاخرہ کے دل کو ٹھنڈ پڑ رہی تھی۔

جبکہ زارا میں نئے سرے سے جان آ گئی تھی۔ اس نے چہرے پر لیمن گراس کا گودا ملا پھر بالوں میں تیل کا مساج کرنے لگی۔ وہ ساتھ ساتھ اس گھر کا منظر سوچ رہی تھی۔

سعد تو کسی کو نہیں بخشتا۔ یقیناً رامین گیلانی پر بھی جملے بازی کر رہا ہوگا۔ زارا مسکراتے ہوئے اپنا بستر ٹھیک کرنے لگی۔ سائرہ اور آنٹی کو تو پہلے دن ہی سے اس نے آڑے ہاتھوں لینا شروع کر دیے ہوں گے۔ وہ تو آنٹی سیدھی ہیں کہ محترمہ کے ناز نخرے خوشی سے اٹھا رہی ہوں گی۔ اپنا جوڑا استری کرتے ہوئے زارا نے افسردگی سے سوچا۔ جب ان کا ساتھ رہنا ممکن ہی نہیں تو دیر کیوں ہو۔ نہ لڑکی کی زندگی برباد ہو نا فواد کی۔ جلد فیصلہ ہو جائے تو اچھا ہے۔ کتنی چیزیں سوچتے ہوئے اس نے شام سے بات کی۔ جب وہ نہا کر آئی تب تک دوبارہ بوجھل ہو چکی تھی۔ اس گھر میں جا کر فواد کے ساتھ کسی اور کو دیکھنے کی اس میں ہمت نہیں تھی۔

اسی وقت ٹھپ کر کے آواز آئی اور بجلی چلی گئی۔ گھر کی تمام بتیاں ایک ساتھ بند ہوئیں اور اس اندھیرے میں زارا کا چہرہ چمکنے لگا۔ اب تو بجلی بھی نہیں۔ اب وہ کانچ کی گڑیا کیسے اس گھر میں رہ سکے گی۔ جلد ہی اپنے محل میں چلی جائے گی۔ وہ تیزی سے بالوں میں برش چلاتے ہوئے فواد کے گھر میں ہونے والی لڑائیوں پر دوبارہ غور کرنے لگی۔

☆☆☆

چھوٹے سے ٹی۔ وی پر سب انہماک سے سیاسی گفتگو کا پروگرام دیکھ رہے تھے۔ یہ بحث و مباحثہ رامین کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ اسے کبھی خود کو بہتر اور برتر ثابت کرنے کی دلیل دینے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ اگر ہوتی بھی تو اسے کچھ ثابت کرنے کی خواہش نہیں تھی اور سب سے بڑھ کر جن مسائل کا ذکر ہو رہا تھا ان میں اکثر کا وہ پہلی بار سن رہی تھی۔ البتہ جو سیاسی رہنما ٹی۔ وی پہ نظر آ رہے تھے ان کی اولادوں کو اکثر پارٹیز میں دیکھ چکی تھی۔

یہ بحث اور مسائل ہاتھی کے دانت تھے۔ جو کھانے کے اور، اور دکھانے کے اور تھے۔ وہ اٹھ کر جانا چاہتی تھی۔ گھر سے باہر اس ماحول سے دور۔ مگر فواد مطمئن تھا۔ وہ اکتاتی تو نظر اٹھا کر فواد کو دیکھ لیتی اس کا دھیان بٹ جاتا۔ ٹاک شو کے بعد خواتین نے ڈرامہ لگا لیا۔ اب تو رامین کی ضبط کی حدیں ٹوٹنے لگی تھیں۔ اسی لیے بجلی چلی گئی رامین نے سکھ کا سانس لیا۔ خس کم جہاں پاک۔

"میرا ڈرامہ رہ گیا۔" مائدہ نے منہ بنایا۔

"افضل کی دکان پر لگا ہوگا۔" سعد نے بتایا خود وہ موبائل پر محو تھا۔

"میں تو نماز پڑھوں گی۔ اتنی سیڑھیاں کون چڑھے۔" غزالہ کہتے ہوئے گھٹنوں پر وزن دے کر اٹھ گئیں۔

"بھابھی آپ بھی چلیں۔" مائدہ نے ہاتھ بڑھایا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھا لیا۔

"جانا کہاں ہے؟" راعین تعجب سے اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھ گئی۔ جاتے ہوئے اس نے ایک نگاہ فواد کی طرف ڈالی۔ وہ بغور اس ہی کو دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

"دیکھا میں کہتی تھی کہ ہیرو اچھا ہے۔ دیکھو ظالم بہن کو کیسے جواب دے رہا ہے۔" مائدہ نے ہاتھ پر ہاتھ مار کر خوشی کا اظہار کیا۔

"کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی کہ ہیروئن آدھے گھنٹے سے روئے جا رہی ہے۔" سائرہ کو کھوٹ ہیروئن میں نظر آ رہا تھا۔

راعین نے چاروں سمت نظریں گھمائیں۔ اونچی چھتوں سے ملحقہ کئی گھروں کی سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں۔ سڑکوں پر دکانوں کے باہر رش تھا۔ مگر نفسانفسی نہیں تھی۔ کسی کو کہیں جانے کی جلدی نہیں تھی۔ یہ کیسی عجب بات تھی۔ اس نے ساری عمر بچوں سے لے کر بڑوں کو ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف بھاگتے دیکھا تھا۔

سب نے ہی اپنے کاندھوں پر ضرورت سے زیادہ کام لادے ہوئے تھے۔ مگر یہاں کوئی افراتفری نہیں تھی۔ اس نے دلچسپی سے دیکھا کچھ گھروں کے صحن کھلے تھے۔ کچھ چھتوں پر صحن جیسی رونق تھی۔ سامنے کی سمت بیرونی سڑک تھی۔ اس کے کچھ آگے مین روڈ پر ایک الیکٹرونکس کی دکان تھی۔ وہاں لگے ٹی وی پر مائدہ کا ڈرامہ صاف نظر آ رہا تھا۔ وہ چاروں طرف کا معائنہ کر کے سیڑھیاں دیکھنے لگی۔ بانس کی ناتواں سیڑھیاں چڑھ کر وہ بہت مشکل سے اوپر آئی تھی۔ اب انہی سیڑھیوں سے چڑھ کر فواد اوپر آ رہا تھا۔

"سنبھل کر۔" راعین نے بے ساختہ کہا۔ فواد مسکرایا۔

"انہی سیڑھیوں پر چڑھ کر سب تسخیر کرنے کی مجھے عادت ہے۔" فواد نے اوپر آ کر یاد کروایا۔

"چلو بھئی ڈرامہ ختم ہوگیا۔" سائرہ نے اعلان کیا۔

مائدہ نے پہلے اگلی قسط کی جھلکیاں دیکھیں۔ پھر ضد کی کہ اگلا ڈرامہ بھی دیکھے گی۔ سائرہ کالج کا یاد کروا کر اسے ڈانٹتے ہوئے نیچے لے کر گئی۔ راعین بھی ان کے ساتھ آئی تھی تو ان کے ساتھ ہی جانے لگی۔ وہ سیڑھیوں کے منہ پر آئی تو سمجھ میں نہ آیا کہ اترے کیسے۔ اس نے مڑ کر مدد طلب نگاہوں سے فواد کو دیکھا۔ فواد منڈیر سے ٹیک لگائے اسے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اترنا کیسے ہے؟" راعین نے مسئلہ بتایا۔

"جلدی کیا ہے؟" نظروں کی تپش کیا کم تھی جو وہ الفاظ بھی ساتھ ہی چھوڑ دیتا تھا۔ راعین کا پور پور سنسنا اٹھا۔

"میرے پاس وقت کم ہے۔" راعین نے چہرے پر آئی نازک سی لٹ ہٹا کر کہا۔

"میری زندگی کی آخری رات بھی ہو تو میں یہیں آؤں گا۔ یہاں میں خود سے بہت قریب ہوتا ہوں۔" فواد نے منہ پر پڑتی ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ کو اپنا گھر اپنے گھر والے بہت پسند ہیں؟" راعین نے یہ بات اسے دیکھتے ہی سمجھ لی تھی۔

"ہاں ایسا ہی ہے اور بہت جلد آپ کو بھی پسند آ جائیں گے۔" فواد نے اطمینان سے کہا۔

"مجھے تو ابھی سے پسند آ گئے ہیں۔ یہ گھر بہت معجزاتی جگہ ہے یہاں پر آپ ہنسنے لگتے ہیں۔" راعین نے ڈرامائی انداز میں کہا اور فواد نے قہقہہ لگایا۔



Scanned with CamScanner

"یونیورسٹی میں اگر مجھے کوئی کہتا کہ اسٹوڈنٹ کاؤنسل کا ہیڈ فواد رشید اتنی زور سے ہنس سکتا ہے تو میں کبھی نہ مانتی۔ یہ معجزہ اسی چار دیواری کی دین ہے۔" یاسمین نے مذاق سے کہا اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔

"مجھے کوئی کبھی کہتا کہ یاسمین گیلانی جسے میں گاڑی چلاتے ہوئے نظر نہیں آتا تھا مجھ سے محبت کرنے لگے گی تو میں بھی حیرت سے بت بن جاتا۔"

اس نے اپنی ساری قوت ارادی استعمال کر کے اس کی آسمان کی طرف بڑھی ہوئی بانہیں تھامنے کی کوشش کی۔ یاسمین ہاتھ نیچے کر کے پیچھے ہوئی۔

"میں نے کب کہا مجھے آپ سے محبت ہے؟ خوش فہمی ہے آپ کی۔" یاسمین نے نظروں کا رخ موڑ کر سے نیچے دیکھا۔

"اچھا؟ میں تو خوش قسمتی سمجھ رہا تھا۔" وہ آج ہار ماننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

یاسمین لاجواب ہوئی۔ وہ خاموشی سے اس جذبے کو محسوس کر رہی تھی جس نے اس کی رگوں میں نئی زندگی دوڑا دی تھی۔ اگر یونیورسٹی میں اسے کوئی یہ بتاتا کہ فواد یوں محبت پاش نظروں سے بھی دیکھ سکتا ہے تو اس کی جان ہی نکل جاتی جیسے اب نکل رہی تھی۔

"دوستی سے میں نے انکار کیا تھا۔ محبت کا اقرار آپ کرتی نہیں۔ شادی کا اقرار آپ نے مولانا کے سامنے کیا تھا۔ میں وہ بھی نہیں سن سکا۔ آج تو آپ کو جواب دینا ہی پڑے گا۔ میرا ساتھ آپ کو قبول ہے؟" فواد نے ہاتھ بڑھایا۔

یاسمین اس کے جملوں کے سحر میں تھی۔ ویسے ہی بڑھ کر اس کی ہتھیلی پر اپنا ہاتھ رکھ دیا مگر بولی کچھ نہیں۔

"چلیں؟" فواد نے اس کے تھامے ہوئے ہاتھ کو خود سے قریب کیا۔

"چلو۔" یاسمین بھی اس کے ساتھ ہولی۔

فواد اسے سہارا دے کر ہاؤس کی سیڑھی سے اترنے لگا۔ وہ دونوں فاصلے سمیٹ کر قربتوں کی راہوں پر بڑھ گئے۔

☆☆☆

اس نے نمبر ملانے کے لیے موبائل پکڑا تو موبائل پھسل کر گاڑی کی بریک کے پاس جا گرا۔ گھبراہٹ کے باعث اس کی ہتھیلیاں پانی پانی ہو رہی تھیں۔ اس نے دوبارہ کوشش کی اور اس بار نمبر ملانے میں کامیاب ہو گیا۔

"اجمل کدھر ہو؟ یار بڑی مشکل میں پھنس گئے ہیں۔" اویس دوستانہ انداز میں مخاطب ہوا۔

"کیوں جی تمہیں مشکل میں ڈالنے والا پیدا کیسے ہو گیا؟" آگے سے اجمل نے قہقہہ لگایا۔

"تم نے انڈسٹریل ایریا کے پاس والی زمین کا کیا کیا؟" وہ دوستی بھلا کر بولا۔

"کون سی زمین بادشاہوں؟ اتنی زمینوں پر ایڑیاں رگڑی ہیں کہ یاد ہی نہیں آتا۔" وہ جھوٹ بول رہا تھا اسے سب یاد تھا۔

"میرے پاس کی زمین جس کے این۔ او۔ سی پر میں نے تمہیں دستخط لے کر دیے تھے۔" وہ غصے میں آنے لگا تھا۔

"وہ تو کب کی سن سیٹ ہاؤسنگ سوسائٹی بن چکی ہے۔ لوگوں نے سستی قیمت پر پلاٹ لے کر گھر بنا لیے ہیں۔ تمہاری محنت کا ایڈوانس میں نے دے دیا تھا۔" قبضہ مافیا اجمل عرف جیلا استاد جھوٹ بول رہا تھا۔ اویس کو دیا جانے والا معاوضہ اس رقم کے آگے کچھ نہیں تھا جو اجمل نے کمایا تھا۔

"سوسائٹی بن گئی؟ تم نے تو کہا تھا آگے کسی کو بیچ دو گے۔ پھر میرا باس اور خریدار نپٹ لیں گے۔ اب سوسائٹی ہے مطلب کئی خریدار متعدد کورٹ کیس۔ او گاڈ۔" اویس چکرا گیا۔

"تو بھی انگریزی خدا کو یاد کرنے لگا۔ بھول گیا۔ یہ ٹائی والی نوکری ملنے سے پہلے ہمارے ساتھ ہی لون مرچ کا شریک تھا۔" اجمل نے طعنہ دیا۔

"میرے باس کو وہ زمین یاد آ گئی ہے۔ وہ وہاں فیکٹری بنوانا چاہتے ہیں۔ میں پھنس جاؤں گا۔"



Scanned with CamScanner

اویس نے دانت کچکچائے۔

"بہت چھوٹے دل کا ہے تو۔ مجھے پہلے ہی شک تھا یہ کام تیرے بس کا نہیں۔ میرا جگرا دیکھ روز انگاروں پر چلتا ہوں۔" اجمل نے پرانی یاری سے لہجہ تر کر کے کہا۔

"تمہاری دوستی مجھے بہت مہنگی پڑنے والی ہے۔ تمہارا قبضہ ہوتا تو میں کچھ لاکھ اپنے پاس سے لے کر چھوڑ دیتا۔ منافع بانٹ لیتے۔ مگر تم نے زمین آگے بیچ دی اور بیچی بھی تو کسی گودام کسی کارخانے کو بیچ دیتے۔ تم نے تو وہاں خاندان بسا دیے۔"

شاہد گیلانی نے جب یہ زمین لی تھی ان دنوں اویس کی نئی نوکری لگی تھی۔ تب اویس کی جیب تنگ اور رال ٹپکتی تھی۔ سستی سگریٹ پیتے ہوئے اس نے اپنے دوست اجمل سے زمین کا ذکر کیا اور بات سے بات بڑھتی گئی۔ لالچ نے بازی سجائی اور موقع پرستوں نے جھپٹ لی۔ اویس نے شاہد گیلانی سے دھوکے سے دستخط کروا لیے۔ باقی کام اجمل سے بھی بڑے کھلاڑیوں نے کیا تھا۔ جعلی ڈگری والوں نے فیشنی انگریزی بولنے والے چند لوگ رکھ لیے اور سادہ لوح لوگوں کو پھانس لیا۔ غریب لوگوں نے ریٹائرمنٹ کی رقم دے کر اس زمین کے پلاٹ لیے اور گھر بنا لیے۔ شاہد کی ملکیت زمین پر نہ صرف قبضہ ہو چکا تھا۔ بلکہ ایک جعلی رہائشی جگہ بھی بن چکی تھی۔ شاہد گیلانی کو معلوم ہی نہیں تھا۔

"او زیادہ بابو صاحب نہ بن۔ اتنا تو دودھ پیتا بچہ ہے۔ دھوکے سے دستخط لیتے وقت تو ہواؤں میں اڑا تھا۔ اب دم پر پاؤں آیا نہیں کہ چلانے لگا۔ حوصلہ رکھ شہزادے۔ کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ کسی کے خواب میں بھی نہیں آتا کہ تیرا ہاتھ ہے۔" اجمل کی چمڑی موٹی تھی۔

"دو دن نہیں لگنے شاہد گیلانی کو تم تک اور مجھ تک پہنچتے ہیں۔ بڑی پہنچ والے لوگ ہیں۔ میں تو مفت میں مارا جاؤں گا۔" اویس گاڑی کا دروازہ کھول کر سڑک پر آ چکا تھا۔

"کاکے تیرا یہی مسئلہ ہے کہ تجھے سمجھ میں نہیں آتی کس کروٹ بیٹھنا ہے۔ ہم میں سے کوئی دکان پر بیٹھ رہا تھا۔ کوئی ٹیکسی کر رہا تھا۔ پر تجھے پڑھ کر افسر بننے کی پڑی تھی۔ پہلے ہمارے ساتھ پیسے کمانے کا پلان کیا اب نوکری بچانے کے لیے یاروں کو آنکھیں دکھا رہا ہے۔

تیرے ہاتھ کوئی صاف نہیں۔ اول تو پکڑا نہیں جائے گا اور اگر پکڑا جانے کا ڈر ہے تو وہ کر جو ہمیں کرتے ہوئے پلان کیا تھا۔ بوریا بستر سمیٹ اور غائب ہو جا۔ یہ بڑے آدمی اپنی جنگ لڑ لیں گے۔" اجمل نے اپنے آپ کو ہر الزام سے بری کیا۔

اویس سوچ میں پڑ گیا۔ سچ یہی تھا کہ نوکری اس نے اوپر کی کمائی کے لالچ میں ہی کی تھی۔ اس لیے جیسے ہی ٹھگی کا موقع ملا وہ کر گزرا۔ اس نے جعلی دستخط لے کر شاہد گیلانی کی زمین اجمل استاد کے حوالے کر دی۔ لیکن اب وقت بدل گیا تھا۔ وہ ایک معمولی سے اسسٹنٹ سے شاہد گیلانی جیسے دراز قد آدمی کا دایاں ہاتھ بن چکا تھا۔

اس نوکری کے باعث لوگ اٹھ کر اس کو سلام کرتے تھے۔ وہ نئے نوٹوں کی ٹپ دیتا پھرتا تھا۔ پہلے وہ نہیں جانتا تھا لیکن اب دیکھ چکا تھا کہ شریفانہ نوکری میں بھی پیسہ تھا۔ اب اسے کچھ نہ کچھ کر کے اس نوکری کے ٹھاٹ بچانے تھے۔ اس کی پیشانی سے ایڑی تک سب پسینے سے تر بتر تھا۔

☆☆☆

زارا کا موڈ آج بھی اچھا تھا۔ آج اس نے نیا جوڑا پہن کر بالوں کو اسٹائل سے پن لگائی تھی۔ وہ فواد کے گھر جا رہی تھی۔ جہاں اس کی امپورٹڈ بیوی کی آمد ہو چکی تھی۔ وہ اس انگریز کی اولاد کو اپنی چھر اور لوڈ شیڈنگ پروف جلد دکھانے جا رہی تھی۔ جو بھی عقل مند ہو گا دیکھ کر سمجھ جائے گا کہ کون کس ماحول کے لیے بنا ہے۔

☆☆☆

سائرہ اور غزالہ اپنے ہی گھر میں دیوار سے لگی



Scanned with CamScanner

گیلانی ہاؤس کے ملازمین کی پریڈ دیکھ رہی تھیں۔ راحمین نے جانے سے پہلے ملازموں کو کام سمجھا دیا تھا۔ اب ملازم کام کر رہے تھے اور گھر والے منہ دیکھ رہے تھے۔ ایک ملازم روم فریج کمرے میں لے کر جا رہا تھا تو دوسرا عجیب ڈبے پیک کیے اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ راحمین نے روایتی علاج سے انکار کیا تھا۔ مگر وہ اس حقیقت سے منہ نہیں پھیر سکتی تھی کہ وہ ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہے۔ وہ متبادل علاج پر زور دے رہی تھی۔ اس نے کیفین اور چاکلیٹ والی خوراک ترک کر دی تھی۔ وہ سویا ملک استعمال کر رہی تھی۔

کمرہ محدود تھا اس لیے گیلانی ہاؤس کی ملازموں کی حدیں بڑھ رہی تھیں۔ سائرہ کچن میں سبزی بنا رہی تھی تو ایک ملازم آ گیا اور جوسر کی جگہ بنانے لگا۔ سائرہ نے اپنے کمرے کا دروازہ بند کر کے سبزی کاٹی۔ ان کے گھر تو ملازمہ بھی ایسے دندناتی نہ پھرتی تھی۔

”یہ ٹوسٹر کتنی بجلی لیتا ہے؟ کیتل میں کتنی دیر میں پانی گرم ہو جاتا ہے؟ اس کو دھوئیں تو کرنٹ تو نہیں چھوڑتا؟“ غزالہ ملازموں سے تفصیل پوچھ رہی تھیں۔

”امی بھابھی کی چیزیں ہیں۔ انہیں پتا ہوگا۔“ سائرہ سبزی کی ٹرے لے کر آ گئی اور ماں کو سمجھایا۔

”سارا کاؤنٹر ان چیزوں نے لے لیا ہے۔ میں تو اس لیے پوچھ رہی تھی کہ اٹھا کر دور رکھ دینا محفوظ ہے کہ نہیں۔“ غزالہ پریشان ہو گئیں۔

پھر انہوں نے ملازم کی طرف دیکھا جو ایسے کام کر رہا تھا جیسے کچھ سنا ہی نہ ہو۔ وہ گیلانی ہاؤس کے ملازم تھے۔ جو سوال ان کے اسٹینڈرڈ کے نہیں تھے۔ ان کو سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔ غزالہ ابھی جواب کے لیے منہ ہی تک رہی تھیں کہ باہر سے ڈرل مشین کی آواز آنے لگی۔ راحمین کے پردوں کے پیچھے بلائنڈز لگ رہے تھے۔ تاکہ روشنی نہ آئے۔ رشید صاحب نے بیگم کو تسلی دی۔ رشید نے دوپہر کی نیند ترک کی اور خود ہی وہیل چیئر کھینچتے ہوئے بلائنڈ لگانے والوں کی نگرانی کو پہنچ گئے۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔

”دیکھو کہیں ہاتھ روب تو نہیں آ رہا۔ بس اس کی کسر رہ گئی ہے۔“ غزالہ نے سر پکڑا۔

باہر زارا تھی۔ جو اندر آ کر ان کے ساتھ ہی ملازموں کو کام کرتا دیکھنے لگی۔

☆☆☆

مائدہ آئی تو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ زارا خود کو اس گھر کا فرد کیسے نہ سمجھتی۔ دوسری خوشی مائدہ کو گھر کے بدلے ہوئے حالات پر ہو رہی تھی۔ گھر میں کتنی نئی چیزیں آ چکی تھیں جو لش کر رہی تھیں۔ سعد نے آتے ہی راحمین کا آئی پیڈ پکڑا اور عدیدوں کی طرح پے در پے پاس ورڈ ڈال کر کھولنے کی کوشش کرنے لگا۔ رشید اور غزالہ ملازموں کے جانے کے بعد پڑھ کر سوئے تھے۔ فواد کا کمرا تو فائیو اسٹار ہوٹل کے سویٹ سے کم نہیں لگ رہا تھا۔ جس دن سے فواد اور راحمین کی بات پکی ہوئی تھی مائدہ روز اپنی بھابھی کو گوگل کرتی تھی۔

انسٹا لاک تھا پھر بھی گوگل پر کچھ نہ کچھ نظر آ جاتا تھا۔ ان کے کپڑے ادائیں اور میک۔ اب اسے سب ہی بھاتا تھا۔ اب وہی میک۔ اپ اور پرفیوم فواد کے کمرے میں موجود ڈریسنگ ٹیبل پر سجے ہوئے تھے۔ مائدہ کیسے صبر کرتی۔ اس نے زارا کا ہاتھ پکڑا اور اندر جا کر دیکھنے لگی۔ راحمین نے آئی لیش کرلر اور پیڈی۔ کیور کٹ کے ساتھ پاؤچ میں بہت سی دوائیاں بھی تھیں۔

☆☆☆

اسے یاد نہیں جب اسے خود سے جنونی محبت ہوئی تھی۔ وہ بس اتنا جانتی تھی کہ وہ ہمیشہ سے اکیلی تھی خود سے شروع ہو کر خود پر ختم۔ نا جانے کیسے فواد نے کنکر پھینک کر اس کے جذبوں کے تالاب میں پہلے بھنور بنایا اور پھر تلاطم برپا کر دیا۔ وہ صبح سے سیلون آئی ہوئی تھی۔ ہمیشہ کی طرح بالوں کی جڑوں سے لے کر



Scanned with CamScanner

پیروں ناخن تک خود کو سنوار رہی تھی۔ مگر آج وہ یہ سب فواد کے لیے کر رہی تھی۔

اس نے ہمیشہ دنیا کو اپنی تعریف کرتے سنا تھا۔ مگر دنیا کے لفظ بھی بھولے سے بھی اس کے اردگرد پھٹکے بھی نہیں تھے۔ جبکہ فواد نے اس کی تعریف میں رات کے پچھلے پہر صرف چند ادھورے جملے بولے تھے جو اس کے دل اور ذہن سے محو ہونے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ اب کی بار وہ خوشی سے کھلے کے اس گھر میں واپس آئی تھی۔ سارے بال بائیں کندھے پر ڈالے وہ اتنی چمک رہی تھی جیسے سونے کے پانی سے غسل لیا ہو۔ اس کے پیچھے شکور دونوں ہاتھوں میں ایک بڑا سا ڈبہ اٹھائے آ رہا تھا۔ سعد مچھر، مکھی مارنے والے الیکٹرک ریکٹ سے ہوائی شاٹ لگا رہا تھا۔

"یہ عجیب سا ریکٹ ہے نا بیڈمنٹن کا لگتا ہے نہ ٹینس کا۔" سعد نے پیچھے بیٹھی زارا کی سمت دیکھا اور تصدیق چاہی۔

"یہ امیروں کی گیم ہے۔ سامنے اسکرین پر تصویر نظر آتی ہے اور یہ ریکٹ ہلا کر علامتی گیم کھیلتے ہیں۔" زارا نے اسے پلے اسٹیشن کا پرزہ قرار دیا۔ یاسمین نے اندر آتے ہوئے یہ جملہ سنا اور سوچنے لگی کہ ہنسے کہ روئے۔ وہ تو مچھر مارنے کا ریکٹ تھا۔ شکور کو دیکھ کر نائدہ نے دوپٹے کی تلاش میں دوڑ لگائی۔ سائرہ نے گلے سے دوپٹہ پھیلا کر سر پر لے لیا۔ سعد نے بھی ہوائی شارٹ لگاتے ہوئے یاسمین کو دیکھا۔ یاسمین کی نظر میز پر موجود آئی پیڈ پر پڑی۔ اسے امید تھی کہ اس کا سارا سامان کمرے میں محفوظ ہو گا۔ مگر کتنی ہی چیزیں لاؤنج میں دوسروں کے دسترس میں تھیں۔

"یہ باہر کیوں پڑا ہے؟ اور یہ تو ڈس ایبل ہو گیا ہے۔" یاسمین نے آئی پیڈ کا ڈھکن کھول کر سب کو فردا" فردا" دیکھا۔

بہو کی آمد کی آواز سن کر غزالہ بھی لاؤنج میں آئی تھیں۔ یاسمین کو غصہ آ گیا۔ اس نے نہ غزالہ کی موجودگی کو دیکھا نہ ہی اسے زارا کی اجنبی صورت کا احساس ہوا۔

"اس پر اتنی بار غلط پاس ورڈ ڈالا گیا ہے کہ یہ ڈس ایبل ہو گیا ہے۔ کسی طرح کھل بھی گیا تو فیکٹری ری۔ سیٹ کرنا پڑے گا۔ میرا سارا ڈیٹا ختم ہو جائے گا۔" یاسمین سعد پر برسی۔

کمرے میں موجود تمام لوگوں کی نگاہیں ایک ساتھ انھیں اور شکور تک گئیں۔ بے عزتی کسی کو پسند نہیں۔ اگر ملازموں کے سامنے ہو تو زیادہ ہی کھلتی ہے۔

"شکور اس کو کونے میں رکھ دیں اور آپ جائیں۔" یاسمین نے لہجے میں تحمل لا کر کہا اور شکور کے جانے تک خاموش کھڑی رہی۔ اس کے جاتے ہی وہ پھر پلٹی۔

"اسٹون ایج میں بھی اور کچھ ہو نہ ہو۔ پرائیوی ضرور ہوتی ہو گی۔ دوسروں کے سر پر سوار ہو کر رہنے والے پرائیویسی نہیں کر پاتے۔" یاسمین نے آنکھیں دکھا کر سعد کو کہا اور آئی پیڈ پکڑ کر تن فن کرتے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے غصے سے دروازہ بند کرنے کی آواز نے گھر کے در و دیوار ہلا دیے۔

سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ وہ خود سے بھی نظریں چرا رہے تھے۔ لیکن زارا کو چاروں سمت سے خوشگوار جھونکے آنے لگے۔ اس نے چائے کی پیالی اٹھائی اور لمبا گھونٹ بھر کر خاموشی سے چائے پینے لگی۔ اس کی انگلیاں کپ پر رقم تھیں۔

☆☆☆

"ایکسپٹڈ (Accepted) قبولیت کی ای۔ میل نے اس کے رگ و پے میں کھلبلی مچا دی تھی۔ وہ صارم تھا۔ بچپن سے لائق فائق مگر اس نے کہاں سوچا تھا کہ اس کے پروں کو اتنی بڑی اڑان مل جائے گی۔ جب وہ ہائی جگہ اسکالرشپ اپلائی کر رہا تھا تو اس نے اس بڑی یو۔ ایس کی یونیورسٹی میں بھی اپلائی کر دیا تھا۔ لیکن اس کو قبولیت کی کوئی امید نہیں تھی۔"

فواد کو رقم تب دی ہوتی تو وہ یورپ کی اسکالرشپ کے لیے جا چکا ہوتا۔ یہ امریکن اسکالرشپ تو اس سے کہیں بہتر تھی۔ اس کو اپنی جیب سے صرف ٹکٹ اور رہائش دینی تھی۔ اسے یقین ہو گیا تھا منزل طے ہوتی ہے بس راستے ملنے میں وقت لگتا ہے۔ منزلوں کے ذکر پر سب ختم ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا سائرہ اس کی ایک معصوم تصویر تھی۔ جب موبائل پر صرف سانپ والی گیم ہوا کرتی تھی۔ تب اس نے ڈیجیٹل کیمرہ لیا تھا۔ اسکول کے آخری دن دونوں واپس آئے تو اس کی بہن نے دونوں کی تصویر لی تھی۔ اس کے اور سائرہ کے راستے ہمیشہ سے ایک تھے۔ ان کا میٹرک کا رزلٹ ساتھ آیا تھا۔ آس پاس آگے پیچھے ایڈمیشن ہوا۔ وہ محبت تو سانس لینے جیسی تھی۔ احساس نہیں ہوا کب ہوئی۔ مگر اب گھٹن رہی تھی تو جان جا رہی تھی۔

وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے۔ چھوٹی بہنوں کی ذمہ داری پوری کر دے۔ پھر ماں باپ کو منا لے گا۔ اسے یقین تھا۔ مگر سائرہ کے پاس اتنا وقت کہاں تھا۔ صارم نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا لی۔ اسے احساس ہو گیا تھا زندگی کی ہر خوشی اس ایک کمی کے آگے تمام عمر گھٹنے ٹیکنے والی تھی۔

☆☆☆

بستر پہ اب اس کی اپنی چادر اور کمفرٹر تھا۔ کمرے میں اس کا فیورٹ ایئر فریشنر ہر جنبش کے ساتھ آٹومیٹکلی اسپرے کر رہا تھا۔ وہ خوابوں کے سرور میں گہری نیند سو کر اٹھی تو مسکرا رہی تھی۔ قریب ہی فواد اکڑوں بیٹھا تھا۔

"ویلکم بیک۔" رامین اسے دیکھ کر مسکرائی اور اپنا فریش مہندی والا ہاتھ اس کی کہنی پر رکھا۔ فواد ہلا بھی نہیں۔ رامین کو آنکھیں ملتے خود ہی اٹھنا پڑا۔

"کہیں باہر گئی تھیں؟" فواد نے دھیمے سے پوچھا۔

"گئی اور پیچھے سے روم میں ضروری تبدیلی کروا لی ہے۔" وہ کسی کو تفصیلی وضاحت دینے کی عادی نہیں تھی۔

"میرے گھر میں مردانہ ملازم نہیں آتے۔ ایسے کاموں کے لیے مجھے کہا کرو۔ چھٹی والے دن کروا دوں گا۔" اس کے لفظ نرم مگر چہرہ آہنی تھا۔

رامین چونکی اس کے تاثرات فواد سے بھی زیادہ تن گئے۔

"رہنے کے لیے لے کر آتے ہیں پھر اپنا گھر سمجھنے بھی نہیں دیتے۔" وہ بڑبڑائی۔ وہ تنج سے اپنا آپ سنوار رہی تھی۔ لیکن اس کی کوئی بھی کوشش فواد کے مزاج پر پوری نہیں آ رہی تھی۔

"بہن بھائیوں کے ساتھ ملازم والا سلوک نہیں کیا جاتا۔ ان سے غلطیاں ہوں۔ تو پیار سے سمجھاتے ہیں یا بچہ سمجھ کر معاف کر دیتے ہیں۔" فواد نے نرمی سے کہا۔

"میرے بہن بھائی نہیں ہیں۔ آپ کے ہیں اور آپ بھی کبھی نہ کبھی ڈانٹتے ہوں گے۔ لیکن میرے کچھ کہنے سے اگر گھر میں ڈسکشن چینل بیٹھتا ہے تو مجھے نہیں آپ سب کو سوچ بدلنے کی ضرورت ہے۔ میں اسے اپنا گھر سمجھنے لگی ہوں۔ لیکن آپ کے گھر والے مجھے ابھی بھی آؤٹ سائیڈر سمجھ رہے ہیں۔" وہ ایک سیدھ میں بول گئی۔

فواد سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ پھر رامین نے آہستگی سے کمفرٹر اتارا اور باتھ روم میں چلی گئی۔ نلکا کھول کر اس نے اپنے آنسوؤں کے پٹ بھی وا کر دیے۔ سب کو ملازموں کی فوج نظر آ گئی تھی اس کا مقصد نہیں دکھا تھا۔

چھت پر ڈرامے دیکھتے ہوئے وہ اپنی تھی۔ اب اپنے آرام کے لیے کچھ چیزیں منگوا لیں تو برائی ہو گئی؟ اس نے خود دیکھا تھا سعد اور مائدہ کو لڑتے، چلاتے۔ وہ بھی تو چلائی ہی تھی۔ تو رامین شاہد گیلانی تم پر یہ وقت آ گیا کہ تم رویوں پر رونے لگی ہو؟ تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ پھر وہ آئینے میں خود کو دیکھ کر ترحم سے ہنسنے لگی تھی۔

☆☆☆

وہ چہرہ خشک کر کے کمرے میں آئی تو فواد اسی کا ہی منتظر تھا۔ جن نگاہوں کی حصار میں پہروں بیٹھنے کی



Scanned with CamScanner

تیاری کی تھی اب ان سے نظریں ملانا بھی گوارا نہیں ہو رہا تھا۔ اس نے دوپٹہ لیا اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ باہر اتوار بازار جیسا شور تھا۔ جو اس کے پہلے قدم کی چاپ سے ہی سناٹے میں بدل گیا۔ سب نے نظریں ہٹالیں۔ جیسے وہ غائب ہو۔ اب رامین کو بھی اپنے رویے کا احساس ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے رشید صاحب سے کہا جس سے اس کی صبح سے پہلی ملاقات ہو رہی تھی۔

"وعلیکم السلام جیتی رہو۔ وہ جو بندہ تمہارا آیا تھا اس سے کھڑکی پر کام ہی نہیں ہو رہا تھا۔ میں نے بتایا اس کو کیسے لگائے۔ میں پہلے یہی کام کرتا تھا یہ چیزیں ہماری فیکٹری میں ہی تو بنتی تھیں۔"

رشید نے جتنی محبت اور فخر سے کہا سعد نے اس ہی رفتار سے سر پکڑ لیا۔ وہ بھابھی کو نظر انداز کر کے بائیکاٹ کر رہے تھے کہ ابو نے لفظوں سے والہانہ گلے ہی لگا لیا تھا۔

"تھینک یو سو مچ آپ نے کام کروا دیا۔" اسے پہلی بار رشید سے اپنائیت محسوس ہوئی۔

"کچن کی کھڑکیاں بھی ٹھیک ہونے والی ہیں۔ میں کل بندہ بلواتا ہوں۔" رشید کو جیسے نیا مقصد مل گیا ہو۔

"میں خالہ سلمہ کو کال کر آؤں۔ ایک رشتہ بتا رہی تھیں۔" غزالہ بہانے سے اٹھ کر چلی گئیں۔

سعد بھی بغل سے ہو کر نکل گیا۔ رامین نے دیکھا مائدہ بھی منہ سجائے اسائنمنٹ کر رہی ہے اور سائرہ بھی نظریں چرا رہی ہے تو اسے دکھ ہوا۔ اسے اتنا دور سے نہیں چلانا چاہیے تھا۔

"ادھر آؤ میرے ساتھ۔" رامین نے آگے بڑھ کر سائرہ کا ہاتھ پکڑا۔

"کدھر بھابھی؟" اس نے پوچھا مگر رامین ساتھ لیے اس ڈبے تک آئی جو صبح شکور رکھ کر گیا تھا۔

"کھولو اسے۔" رامین نے حکم دیا۔

"اس میں کیا ہے؟" سائرہ نزاکت سے ٹیپ اتارنے لگی۔

اب اتنا اہم کام ہو رہا تھا تو مائدہ کیسے روٹھی رہتی۔ وہ فٹ سے قینچی لے آئی اور خود بھی قینچیوں سے دھکم پیل کرنے لگی۔ اندر لوہے کا چمکتا ہوا الیکٹرک اوون تھا۔

"یہ تو بہت مہنگا لگ رہا ہے آپ مجھے کوئی سستا سا منگوا دیتیں۔ میں نے تو گھر میں ہی پکانا ہے۔" سائرہ کو کھل کر خوش ہونے کی عادت ہی نہیں تھی۔

"چاہے گھر پر ہی پکانا ہو پرفیکشن حاصل کرنے کی کوشش کرو۔" رامین کے بے داغ چہرے میں دو مخلص آنکھیں چمک رہی تھیں۔

"چلو کوئی ریسپی دیکھتے ہیں۔" مائدہ موبائل پر ترکیب ڈھونڈنے لگی۔

رامین کو بالکل بھوک نہیں تھی۔ بس وہ کوئی بھی طریقہ استعمال کر کے کمرے سے باہر رکنا چاہتی تھی۔ اس کی توقعات فواد سے تھیں۔ اس لیے اب اس کا سامنا کرنے کا دل نہیں تھا۔

وہ دروازہ کھول کر گھر سے باہر بھی نکل سکتی تھی۔ مگر یہ بھی اس کے اصولوں کے خلاف تھا۔ جب اس کی مرضی ہوگی وہ چلی جائے گی اور گھر کو مڑ کر بھی نہیں دیکھے گی۔ ابھی اس نے رہنے کا ارادہ کیا تھا تو رہ کر دکھائے گی۔

☆☆☆

اس رات سب نے اوون میں بنی شیپرڈ پائی کھائی جس کے بارے میں سعد کا کہنا تھا کہ یہ چیز ڈلا انگریزوں کا آلو قیمہ ہے۔ مائدہ اور رامین سائرہ کو کام پر لگا کر کھسک گئی تھیں۔ رامین پھر مڑ کر اپنے کمرے میں نہیں گئی۔ اس نے مائدہ کے ساتھ رسالے دیکھے۔ اس کی بچکانہ گفتگو سنی۔ لکڑی کی کرسی پر اکڑوں بیٹھی رہی مگر اپنے کمرے میں نہیں گئی۔ کھانے کے بعد فواد باہر چلا گیا تو وہ جھٹ سے کمرے میں چلی گئی۔

وہ نائٹ سوٹ بدل کر فواد کے آنے سے پہلے سو جانا چاہتی تھی مگر یہ فواد کا بچھایا جال تھا۔ اس کے



Scanned with CamScanner

اندر آتے ہی فواد بھی اندر آ گیا اور چٹخنی لگا دی۔ فواد بے تکلفی سے آگے بڑھا اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے کندھوں پر رکھیں۔

"میری زندگی دو حصوں میں بٹی تھی آج ایک ہو گئی ہے اور یہ میری وجہ سے نہیں تمہاری محنت سے ہوا ہے۔" فواد تعریف کرنا سیکھ گیا تھا۔

"آپ کو خوش کرنے کے لیے میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ اب بھی روٹھی ہوئی تھی۔

"پھر بھی اگر میں خوش ہونا چاہوں تو جرمانہ تو نہیں ہو جائے گا؟" وہ منانے کی ٹھان بیٹھا تھا۔

"ہمارے بیچ فائدے کا کھیل نہیں ہے۔ ہم ایک رشتے میں ہیں کیونکہ ہمیں ایک دوسرے سے خوشی ملتی ہے۔ پہلی ناراضی بہت بری طرح دل توڑ دیتی ہے۔" اس نے دکھی دل سے شکوہ کیا۔

فائدے کا لفظ وہ سارے سودے منظر پر لے آیا جو وہ چھپائے بیٹھا تھا۔

"میں تمہیں خوش رکھنے کے لیے جان لگا دوں گا۔ تم زندگی بھر روٹھنے کے بعد مجھے یونہی منانے کا موقع دیتی رہنا۔" فواد نے اسے بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

جب اسے معلوم ہوگا کہ یہ شادی صرف سودا تھی تو کیا وہ اسے معاف کر دے گی؟ فواد کا دل کانپا۔ یاسمین بھی بلا تامل اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس کے چہرے پر "زندگی بھر" کے ذکر سے جو پرچھائیاں آئی تھیں وہ انہیں چھپانے میں کب تک کامیاب رہے گی؟

☆☆☆

وہ دفتر میں مالک کا داماد نہیں کہلانا چاہتا تھا۔ اس لیے انکساری اور محنت سے کام کر رہا تھا۔ اسے علیم سے ملنا تھا جس کے لیے اس نے صبح ہی علیم کو ناشتے پر بلا لیا تھا تاکہ پورے نو بجے دفتر میں حاضری لگا سکے۔ دفتر کے قریب ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں ساتھ دفتر آئے۔ گاڑی پارک کر کے وہ علیم کو اندر لے کر جانے والا تھا جب پارکنگ میں اسے اجمل استاد نظر آیا۔

"یہ وہی ہے نا جس نے تمہارے گھر پر قبضہ کیا تھا۔ یہاں کیا کر رہا ہے؟" علیم نے بھی اسے فوراً پہچان لیا۔

"اسے میرے دفتر کا کیسے پتا لگا؟" فواد علیم کو لے کر گاڑیوں کے بیچ چھپ گیا۔

"کوئی پچھلا حساب تو نہیں رہتا؟" علیم نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"رہتا ہے مگر میری طرف نہیں اس کی طرف۔" فواد نے سینہ چوڑا کر کے کہا۔ وہ آگے بڑھ کر جیلے استاد کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر معاملہ پوچھنے والا تھا۔ لیکن اتنے میں ہی اویس آیا اور جیلے استاد کو دیکھ کر اس کی ہوائیاں اڑ گئیں۔

صاف نظر آ رہا تھا کہ اویس اجمل کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر اسے جانے کا کہہ رہا تھا۔ مگر اجمل بضد تھا۔ آخر اویس نے اجمل کو گاڑی میں بٹھایا اور تیز رفتاری سے نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

"یہ کیا ماجرا ہے؟ کہیں اس بندے کے گھر پر تو قبضہ نہیں کر لیا؟" علیم بھی فکرمند ہوا۔

"قبضہ کیا ہوتا تو اسے گاڑی میں نہیں بٹھاتا۔" فواد نے کہا۔

"لیکن یہ بندہ مشکل میں لگ رہا ہے۔" علیم نے کہا۔

"مشکل میں تو ہے۔ میں پتا کرواتا ہوں۔ لیکن ایک بات پہلے لکھ لو۔ کہانی میں جیلا استاد شامل ہو تو معاملہ جائیداد کا ہی ہوتا ہے۔" تھوڑی بہت دنیا اب فواد نے بھی دیکھ لی تھی۔

☆☆☆

یاسمین بہت بور ہو رہی تھی اس لیے جب مہک کی کال آئی تو اس نے گھر پر آنے کی دعوت دے دی۔ سائرہ تھوک نگل کر رہ گئی۔ بھابھی کی شکل ان سے دو چار ہاتھ کم بھی ہوئی تو اچھی خاصی ماڈرن ہو گی۔ وہ کس سکون سے اسے ان کے اس غریب خانے بلا رہی تھیں۔

سائرہ صاف صفائی میں لگ گئی۔ مائدہ کو بھی اپنی فکر پڑ گئی۔ اس نے سب سے اچھا جوڑا نکالا اور راحین کے سامنے میک اپ کروانے بیٹھ گئی۔ رشید اور غزالہ حیران نہیں تھے انہیں سمجھ تھی کہ راحین شان و شوکت پر نہیں، پسند ناپسند پر چلتی تھی۔ اب ان کا گھر اس کو پسند آ گیا تھا اس ہی لیے اسے اپنا کہتی تھی اور اپنے دوستوں کو وہاں بلا رہی تھی۔

☆☆☆

ہلکی آنچ پر گاڑھی ہوئی پلی کھیر کا پہلا چمچ اس نے منہ میں ڈالا تو نگلنے کا دل ہی نہیں کیا۔ مٹھاس کے ساتھ تروتازگی بھی منہ میں گھل گئی تھی۔

"امیزنگ۔" مہک سے صرف اتنا ہی کہا گیا۔ پھر اس نے کھیر کا ایک اور چمچ بھر کر منہ میں ڈال لیا۔

مہک فون کرنے کے کچھ دیر بعد ہی آ گئی تھی۔ اس نے پینٹ شرٹ پہنی تھی جب کہ دوپٹے کو گلے کے گرد بل دے کر چھوٹا کیا ہوا تھا۔ راحین اسے اپنے کمرے میں ہی لے آئی۔ کچھ دیر بعد سائرہ بھی کھانے کے لوازمات لے آئی۔ مہک ساتھ ہی بے تکلفی سے کھانے میں مصروف ہو گئی تھی۔ سائرہ کی بنائی کھیر پر تو وہ فریفتہ ہی ہو گئی تھی۔

"بس آپ کو میری پارٹی کے لیے یہ کھیر بنانی ہے۔ اٹ از ہیون۔" اس نے سائرہ سے براہ راست کہا۔

"میں اپنے بھائی کو پارٹی دے رہی ہوں۔ بہت زیادہ لوگ نہیں ہیں وہ فلم کرنے والا ہے اس لیے تھیم ہے لالی وڈ مجھے بتاؤ تمہیں اور کون سے دیسی کھانے آتے ہیں؟" مہک سچ میں سنجیدہ تھی۔

مہک کی فیملی راحین جیسی امیر کبیر نہیں تھی کہ گھر بیٹھ کر کھاتے رہیں۔ وہ محنت کرتے تھے پھر کھاتے بھی تھے اور اڑاتے بھی تھے۔ اس لیے وہ کسی آرگنائزر کو تمام ذمہ داری سونپنے کے بجائے خود انتظام کر رہی تھی۔

"دیسی کھانے تو اس کی اسپیشلٹی ہے۔" راحین نے تصدیق کی۔

"پھر تو ڈن ہو گیا۔ پر کے۔جی کے حساب سے ریٹ کر لیتے ہیں۔" مہک بھاؤ تاؤ پر آ گئی۔

"میں کچھ بنا کر ٹیسٹ کروا دیتی ہوں۔" سائرہ میں اتنی ہمت کہاں تھی جو سینہ ٹھوک کر اپنا ہنر بتائے۔

"شیور لیکن اس دن آپ کو میرے گھر آ کر پکانا ہو گا۔ میں پارٹی پر رسک نہیں لے سکتی۔ پلیز انڈرسٹینڈ۔" وہ پروفیشنل طریقے سے کہتے ہوئے فون نکال رہی تھی۔

"ایک منٹ میں فون کر لوں۔" مہک فون لے کر کونے میں جا کھڑی ہوئی۔

اس تیز رفتار گفتگو سے سائرہ ایک دم گھبرا گئی۔

"بھابھی یہ تو اپنے گھر بلانے کا کہہ رہی ہیں۔" اس کی ہمت تو مہک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے سے ہی خطا ہو گئی تھی۔

"میں خود لے کر جاؤں گی اور تمہارے ساتھ رہوں گی۔" راحین نے تسلی دی۔

"میں گھر سے بنا کر بھیج دوں گی۔ آپ ان سے پلیز بات کر لیں۔ امی نہیں جانے دیں گی۔" سائرہ نے سمجھایا۔

"چلو آدھا معاملہ تو حل ہو گیا۔ تم پکانا چاہتی ہو۔ باقی آدھا میں دیکھ لوں گی۔" راحین سکون میں تھی۔

سائرہ جانتی تھی کہ گھر سے باہر تو وہ جا کر بھی نہیں پکا سکے گی۔ وہ بس دل کی خوشی کے لیے سوچنے لگی کہ لالی وڈ پارٹی ہو۔ امیر کبیر لڑکیاں لاچے، فراک پہن کر آئی ہوئی ہوں تو وہ اس دعوت میں کیا پکائے گی۔

مہک کافی دیر بیٹھی رہی۔ راحین گیٹ کے باہر گاڑی تک چھوڑنے گئی۔ جب وہ چھوڑ کر واپس آئی تو اس نے دیکھا۔ سعد اس کے کمرے سے رازداری سے نکل رہا تھا۔ یہ بات اس کو دو دن بعد معلوم ہوئی تھی کہ سعد نے اس کی ماما کا فیورٹ ہرن والا لاکٹ چرا لیا تھا۔ جو شاہد نے راحین کو بطور ویڈنگ پریزنٹ



Scanned with CamScanner

دیا تھا۔

☆☆☆

اس کے اندر کا غریب عاشق مرتا ہی نہیں تھا۔

اس کو کیا سوجھی تھی جو گاڑی ہونے کے باوجود راحین کو بائیک پر آئس کریم کھلانے لے آیا تھا۔ راحین جب بھی بائیک پر اس کے ساتھ بیٹھتی تھی۔ اسے دختر شاہد گیلانی کی جگہ زوجہ فواد رشید لگتی تھی۔

وہ ہر بار بائیک پر بیٹھ کر اپنی محبت کا ثبوت دے دیتی تھی اور فواد ابھی کھل کر خوش ہونے بھی نہیں پاتا تھا کہ اسے جوابا محبت کا خراج دینا پڑ جاتا تھا۔ اس وقت بھی ایسا ہی کچھ ہوا۔ راحین نے اسے مہک کے آنے کی ساری بات سنا دی۔

"مہک کی آفر کا شکریہ لیکن سائرہ کو اس سب کی ضرورت نہیں ہے۔" فواد نے سنتے ہی کہا۔

"سائرہ کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے؟ خود اعتمادی کی؟ اپنے وسائل پیدا کرنے کی؟ اپنے ٹیلنٹ کو نکھارنے کی؟ یا اپنے بارے میں اچھا محسوس کرنے کی؟" وہ آئس کریم جیسے میٹھے مگر جما دینے والے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"اسے گھر سے نکل کر کمائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے؟ اس کام کے لیے میں ہوں۔" فواد نے کہا۔

"اس ایک آرڈر سے وہ خود کفیل نہیں ہو جائے گی۔ یہ تو صرف اس کے کونفیڈنس کے لیے ہے۔ رات کے وقت باہر جانے کا نام سن کر ہی وہ گھبرا گئی تھی۔" اس نے اپنی طرف سے سائرہ کی خامی بتائی۔

"وہ آج بھی محفوظ ہاتھوں میں ہے آگے بھی ان شاءاللہ محفوظ ساتھی کے ساتھ رہے گی۔ کچھ لوگوں کے لیے تجربے اہم ہوتے ہیں۔ مگر اس کو ان سب کی ضرورت نہیں پڑے گی۔" فواد نے کسی نجومی کی طرح یقین سے کہا۔

"سائرہ کی شادی ہو گئی تو ہوپ فل وہ بہت خوش رہے گی۔ گھر بھی ہوگا۔ بچے بھی ہوں گے۔ اگر آدھی رات کو بچہ بیمار پڑ گیا۔ اسے اسپتال لے کر جانا پڑا تو؟ اس کو ایک مصیبت گلے پڑ جائے گی۔" راحین نے سمجھایا۔

"اس کے ہر مشکل وقت میں ہم اب بھی ساتھ ہیں۔ ہم تب بھی ہوں گے۔" فواد نے یقین دلایا۔

"آپ ابھی ساتھ نہیں دے رہے تو پھر مشکل وقت کا کیا انتظار کرنا۔" راحین نے سر جھٹکا۔

"میں اس کے ساتھ ہی ہوں۔" فواد کو برا لگا۔

"اسے تو ابھی آپ کی ضرورت ہے۔ وہ سمجھتی ہے اس کی پہچان ایک کم تعلیم یافتہ لڑکی کی ہے۔ ڈاکٹر نہ بن سکنے کا دکھ اسے ڈپریس کر رہا ہے۔" راحین نے کہا۔

"ایسا نہیں ہے۔ اس نے خود پڑھائی چھوڑی تھی؟" فواد اس اطلاع پر تڑپ ہی گیا۔

"کیوں چھوڑی؟ آپ نے تو نہیں چھوڑی۔" راحین طعنہ نہیں دے رہی تھی۔ سمجھا رہی تھی۔

کچھ فواد کو بھی اس ہی وقت آرہی تھی۔ سائرہ کی خاموشی، اس کی آزمائش، اس کی خوشی۔ سائرہ کی خوشی کس میں تھی؟ اس نے پہلے کیوں نہیں سوچا تھا۔

"کتنی صبر والی ہے۔ مجھے معلوم ہی نہیں ہونے دیا کہ اس کی قربانی کتنی بڑی ہے۔" فواد پر نیا انکشاف ہوا تھا۔

"اس کے پاس ذائقے کا ٹیلنٹ ہے۔ جو کبھی بے کار ہو ہی نہیں سکتا۔ تھوڑا سا اس پر یقین کریں۔ اس کا حوصلہ بڑھایا جائے تو وہ اپنی خوشی ڈھونڈ لے گی۔ ابھی وہ محفوظ ہے مگر خوش نہیں۔" اس کو یقین نہیں آرہا تھا ایسی بحث کرنی پڑ رہی ہے۔ اس نے تو سائرہ کی ہم عمر لڑکیوں کو دنیا گھومتے دیکھا تھا۔ یہاں کام کے سلسلے میں نکلنے پر بھی اتنے پہرے تھے۔

"اگر سائرہ سو فیصد راضی ہے تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے ساتھ رہنا۔" فواد نے گزارش کی۔

"زندگی نے جتنی مہلت دی اس کا اور آپ کا ساتھ نبھاؤں گی۔ باقی اگلے جنم میں۔" اس نے عجیب انداز میں کہا۔ فواد سمجھ نہیں سکا پر مسکرا دیا۔



Scanned with CamScanner

☆☆☆

بہو کے گھر آنے سے ایسی تبدیلی آئے گی۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بچیاں گھر میں خوش اور مصروف اچھی لگتی ہیں۔ یہ کیا ماجرہ تھا کہ پکا کر کمایا جائے۔ غزالہ کی سمجھ سے باہر تھا۔ ان کے محلے میں بھی لڑکیاں کپڑے سلائی کر لیا کرتی تھیں۔ مگر انہوں نے اپنی بچیوں کے لیے ہمیشہ گھر کے ٹھاٹھ ہی مانگے تھے۔ سائرہ سے بھی انہوں نے یہی کہا تھا۔ سائرہ نے جواب میں کہا کہ وہ ٹیوشن سے بھی کماتی ہے۔ بات کمائی کی نہیں دلچسپی کی ہے۔

پھر فواد بھی اس کے ساتھ تھا۔ رشید نے بھی یہی سمجھایا کہ ڈاکٹر بنتی تو بھی گھر سے باہر جاتی۔ ویسے بھی آج کل باورچی نہیں شیف ہوتے ہیں۔ لوگ بھی عزت کرتے ہیں۔ رشید خود بھی خوش نہیں تھے۔ مگر جب سے وہ اپنے پاؤں پر چلنے کے قابل نہیں رہے تھے تب سے انہوں نے دوسروں کو ان کا راستہ ڈھونڈنے کی آزادی دے دی تھی۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ چیلنج کو دعوت نہیں دینی چاہیے۔ مگر مشکلوں کی تیاری بھی رکھنی چاہیے۔

☆☆☆

مائدہ نے کالج سے آ کر شور ڈال دیا تھا۔ یاسمین اور سائرہ اس کے آنے سے پہلے ہی مہک کے گھر جا چکی تھیں۔

”میں نے بھی پارٹی میں جانا تھا۔ انہوں نے میرا انتظار کیوں نہیں کیا؟“ اس نے بستہ اٹھا کر زمین پر مارا۔

”پارٹی تو شام کو ہوگی وہ تو کھانا پکانے گئی ہے۔ مزہ کرنے نہیں کام کرنے گئی ہے۔“ غزالہ نے سر پکڑا۔

”ان کے تو کچن میں بھی اے۔سی ہوں گے۔ اتنی بھی بنی لڑکیاں ہوں گی۔ مزہ ہی مزہ ہے۔ مجھے ہی کالج جانا پڑتا ہے۔“ اس نے رونا ڈال دیا۔

”ابھی سے بھابھی کے نقش قدم پر چل رہی ہے۔ اس کی عمر میں ہمیں پارٹی کے سپنے بھی نہیں آتے تھے۔ روز بھابھی کی طرح خوشبوؤں میں نہانے لگی ہے۔ کیا بنے گا تمہارا۔“

غزالہ نے ہر سمت کے گلے شکوؤں کا رخ مائدہ کی طرف کر کے فائر کھول دیے۔

☆☆☆

اس کے ہاتھ سے زیادہ اس کے ہونٹ حرکت میں تھے۔ معیار پر اترنے کے خوف میں وہ مسلسل کچھ پڑھ رہی تھی۔ یاسمین کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھی پھر مہک کے پاس چلی گئی۔ سائرہ کے علاوہ دو پروفیشنل شیف اور بھی تھے۔ جو انگریزی طرز کے کھانے بنا رہے تھے۔ ان کی مخصوص چھریاں، باکس دیکھ کر سائرہ نے مزید دل سے سب پکانا شروع کر دیا تھا۔ کھانے میں اس نے دوپہر کو مہک اور یاسمین کے ساتھ چکن اور سلاد کھایا۔ مگر اس کا پیٹ نہیں بھرا۔ اس نے گرم کھیر کو دو ڈونگوں میں نکالا۔ چمچ لے کر دیگچی سے چپکی ہوئی کھیر کھرچ کر مزے سے کھانے لگی۔

”چینڈے سے چپکے رزق کا اپنا ہی ذائقہ ہے۔“ اس نے اپنے ہی ہاتھوں کی واہ واہ کی۔

اس کی یہ خود اعتمادی پورا ایک گھنٹہ سترہ منٹ تک اس کے ساتھ رہی تھی۔ پھر بلینڈر خراب ہو گیا۔ سائرہ کے ہوش اڑ گئے۔ پہلا کام تھا اور یہ مصیبت؟ یاسمین تیار ہونے گیلانی ہاؤس گئی تھی۔ سائرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔ رات کی بجلی واپس ہوتی تو گھوٹا لگا لیتی۔

مگر سب اس نے صبح ادھر آ کر ہی بھگویا تھا۔ ملازم سے پوچھا تو معلوم ہوا ایک ہی بلینڈر تھا۔ سائرہ بیرونی دروازے سے دیکھ رہی تھی کہ شاید یاسمین اور فواد آ جائیں اور دوسری طرف گھڑی دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اپنا بلینڈر ہوتا تو مسئلہ نہیں تھا۔ مہک کیا کہے گی اس کا بلینڈر خراب کر دیا سائرہ نے۔ وہ سوچ سوچ کر شرمندہ ہو رہی تھی۔ صارم اچانک اس کے ذہن میں جھما کا ہوا۔ دھڑکنیں قابو میں آنے لگیں اس نے جھٹ صارم کو فون ملایا۔

(چوتھی اور آخری قسط آئندہ ماہ ان شاءاللہ)



Scanned with CamScanner

عقیلہ ہاشمی

# سوا سیر

"کرن آج رات کے کھانے میں دو سالن، پلاؤ اور میٹھا بھی بنا لینا، شام کو نمو آرہی ہے۔"

عابدہ بیگم (ساس) کے منہ سے ادا ہونے والے اس جملے نے سارے گھر میں ایک افراتفری مچا دی تھی۔ کرن نے سنا تو صدف اور نجمی کو اطلاع دینے دوڑی۔ جیسے آج کی بریکنگ نیوز یہی ہو۔

"اس آفت کو بھی آج ہی نازل ہونا تھا؟ چھٹی کیا ہوئی، ایک دن بھی گھر میں نہیں ٹک سکتی، فوراً دوڑ پڑتی ہے ایسے جیسے یہاں سب اس کے منتظر بیٹھے ہوں۔"

بھابیوں نے اکلوتی نند کی آمد کا سنا تو سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔

"ہم نے بھی تو اپنے میکے جانا ہوتا ہے پر مجال ہے جو کسی اور کو جانے کا موقع دیتی ہو۔ میں تو کہتی ہوں، ہر چھٹی پر میکے آنے کا سب سے پہلے ایوارڈ اسی کو ملنا چاہیے۔"

یہ ایک بار کی بات نہ تھی، پچھلے کئی سالوں سے وہ دیکھ رہی تھیں، ادھر چھٹی ہوئی اسی شام میں نمو میکے دوڑ پڑتی، اب بھلا کوئی یہ بتائے کہ آخر بھابیوں نے بھی تو اپنے میکے کا چکر لگانا ہوتا تھا پر وہ کسی اور کے جانے سے پہلے خود چلی آتی۔ چاہے عید کی چھٹیاں ہوں یا آزادی کی کوئی چھٹی، نمو اسی کے گھر آنا مس نہ کرتی۔

"ایسا کرو۔ اماں سے کہتے ہیں، کھانے کے ساتھ ساتھ ایک عدد کیک بھی منگوا لیں آخر کو اتنا بڑا ایوارڈ جیتنے کی خوشی میں کیک کٹوانا تو بنتا ہے۔ کیوں کرن بھابھی کیا خیال ہے؟"

صدف نے رائے دے کر کرن سے یوں پوچھا جیسے ساس تک یہ اہم اطلاع وہی لے کر جانے والی تھی۔

"دیکھ لینا تم لوگ، وہ فہد کی شادی کی ساری شاپنگ یہاں سے کر کے جائے گی اور سارا خرچا اٹھائیں گی اس کی اماں جان"

اگلے مہینے ان کے دیور کی شادی تھی اب سب کو یہ فکر ستانے لگی تھی کہ نمو اس بار بھی شادی کی شاپنگ یہیں سے کرے گی۔

"ہونہہ! اماں کا سارا خرچا تو بیٹوں نے اٹھا رکھا ہے اب اس میڈم کا خرچہ بھی وہی اٹھائیں گے، تم دیکھنا کیسے دس دس ہزار کے جوڑے خرید کر دیں گے بہن کو اور اماں جان کو پھر بھی گلہ ہی رہے گا، نمو نے کوئی ڈھنگ کا جوڑا نہیں پہنا اور تو اور لڈو کی شاپنگ بھی ماموں کے کھاتے میں ڈال دی جائے گی۔"

کرن کو آگے کی فکر ستانے لگی تھی۔ اس کے موٹے بیٹے کو یاد کر کے اسے غصہ چڑھ دوڑا تھا۔ کمبخت مارا ایک وقت میں پانچ پانچ روٹیاں کھا جاتا تھا۔

"مجھے پکا یقین ہے، اس بار بھی لڈو کے ساتھ ساتھ قدیر کے کپڑے بھی بنوائے گی آخر کو بھائی کی شادی جو ٹھہری۔"

صدف کا خدشہ بھی صحیح تھا۔ نمو تو عید بقر عید پر جوڑے لینا نہ بھولتی تھی اب تو بھائی کی شادی تھی۔

"ہماری بلا سے نکلوا لے کپڑے لیکن اس بار بری کے کپڑوں میں اس کی کوئی چال نہیں چلنے دینی، یاد ہے۔ نجمی کی دفعہ سارے اچھے اچھے جوڑے نکال

کر لے گئی تھی اور تو اور سردار نے کے پیسے بھی خود ہی رکھ لیے تھے۔"

کرن بھابھی کو بھی مسو کی زیادتیاں یاد آ گئی تھیں۔

"اچھا چھوڑیں جھگڑوں کو، ابھی تو یہ سوچیں کل پکانا کیا ہے مٹن سے نیچے تو کوئی ڈش اس کے حلق سے نہیں اترتی۔"

کنی نے ان سب کو خوامخواہ کی پریشانی میں مبتلا ہوتے دیکھ کر مینیو کی طرف متوجہ کیا۔

"اماں نے تو کہہ دیا ہے، دو سالن، پلاؤ اور میٹھا بنا لینا۔"

کرن نے ساس کا جاری کردہ مینیو ان دونوں کو بھی بتایا۔

"اور وہ دونوں سالن مٹن کے ہوں گے جن کے پاس سے بھی پانی کا گزر نہیں ہونا چاہیے اور پلاؤ اس میں مٹن کی یہ بڑی بڑی بوٹیاں دکھائی دیں۔ مہارانی صاحبہ آ رہی ہیں اور یاد آیا فرازنہ میڈم کو بھی فون کر لیں، وہ بھی آج جلدی تشریف لا کر گیسٹ روم کی صفائی کر جائیں نہیں تو اس بات پر بھی رکھ کر بے عزتی ہو جائے گی۔"

صدف نے پتے کی بات کی تھی اگر فرزانہ چھٹی مار جاتی تو یہ سارے کام اس کو کرنا پڑتے۔

"اچھا۔ اچھا چلو اب فرزانہ کو کال کر کے ساری کچن میں چلی آؤ، ٹائم تھوڑا ہے اور مقابلہ سخت۔"

کرن ان میں بڑی تھی وہ ساس کے مزاج کو ان سے بہتر جانتی تھی اور نمو اس کی تو رگ رگ سے واقف تھی کسی بھی کام میں ذرا سی بھی کمی رہ گئی تو سمجھو پھر کسی کی خیر نہیں۔

☆☆☆

نازیہ عرف نمو چار بھائیوں کی وہ اکلوتی بہن تھی جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوئی تھی۔ بچپن سے اب تک جو بات منہ سے نکالی، وہ پوری کرنا اماں ابا کے ساتھ ساتھ بھائیوں کی بھی اولین ترجیح بن گئی۔ اگر نمو کہہ دیتی کہ آج رات کو آم کھا کر سوئے گی تو بیچارے ابا کو اس کی یہ خواہش نومبر دسمبر کی سرد راتوں کو چیر کر پوری کرنا پڑتی عابدہ بیگم پوری کروا کر جان چھوڑتیں ابا بے چارے کسی اسٹور سے آم لا بھی دیتے اور کہتے بھی جاتے۔

"عابدہ بیگم بیٹیوں کی ہر جائز ناجائز خواہش پوری نہیں کرتے، کل کو انہوں نے پرائے گھر جانا ہوتا ہے، آج تو تم اس کے منہ سے نکلی ہر بات جھٹ سے پوری کر دیتی ہو کل کو سسرال میں اس کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔"

اب ابا کو کیا پتا تھا سسرال بھی ڈرنے والیوں کو ہی ڈراتا ہے ایسے زبردست لوگوں کے آگے وہ بھی جھک جاتا ہے۔

نمو کو میکے میں یہ مان تھا کہ چار بھائیوں کی بہن تھی تو سسرال میں اللہ نے جاتے ہی بیٹے سے جھولی بھر دی، تقدیر تو ایک طرف ساس بھی پاؤں دھو دھو کر پیتی تھی۔

شام کو نمو کے آتے ہی گھر کا نقشہ بدل گیا تھا، اماں نے ایک گھنٹہ پہلے اے سی کھلوا کر کمرہ خوب ٹھنڈا کروا دیا تھا، جوس سے لے کر کھانے تک سب کچھ اسی کمرے میں پہنچا دیا گیا۔

"اماں، آپ نے تو بہوؤں کو سر پہ چڑھا رکھا ہے۔ یہ سالن بنایا ہے، سارے گوشت کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔"

کرن نے بھی شاید اپنا سارا غصہ مٹن پر اتار ڈالا تھا پھیکا گوشت حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اس نے سارا الزام ماں کو دیا جن کی ڈھیل سے یہ سب ہو رہا تھا۔

"ہیں۔۔ تمہیں سالن پسند نہیں آیا۔"

عابدہ بیگم نے بھنویں اٹھا کر لاڈلی بیٹی سے پوچھا۔

"پسند؟ یہ پسند آنے والی چیز ہے؟"

اب تو لڈو بھی ٹرینڈ ہو چکا تھا۔ اس نے بے دلی سے کھانا کھاتے ہوئے تائی کو جواب دیا۔

"اور یہ میٹھے میں کھیر کیوں بنائی۔ آپ کو تو پتا ہے مجھے کسٹرڈ پسند ہے۔"

نمو نے کھیر کا ڈونگا اپنی طرف بڑھاتے ہوئے یوں منہ بنایا جیسے ابھی پکڑ کر ماں کی طرف پھینک دے گی۔

"چلیں آپ کا دل رکھنے کے لیے کھا لیتی ہوں۔ آپ کا دل بھی تو نہیں توڑ سکتی۔"

لہجے میں ایسی لگاوٹ تھی کہ عابدہ بیگم صدقے واری ہو گئیں۔

"لیکن آپ نے ابھی کے ابھی اپنی ساری بہوؤں کو بلا کر پہلے تو میرا اتنا برا استقبال کرنے پر کھنچائی کرنی ہے، اس کے بعد پھر وہ والی بات کرنی ہے جس کے لیے میں خاص طور پر آئی ہوں۔"

پیالی میں کھیر بھر کر کھاتے اس نے ماں کو یاد دہانی کرانا ضروری سمجھا۔

"ہاں...... ہاں یاد ہے مجھے تم کھانا ختم کرو۔ میں ابھی سب کو بلا کر تمہارے سامنے صاف صاف کلیئر کر دیتی ہوں۔"

یہ کبھی ہوا تھا، اس کی زبان سے کوئی فرمائش نکلے اور عابدہ بیگم اسے پورا نہ کریں۔ ادھر کھانا ختم ہوا گندے برتن ٹیبل سے اٹھائے گئے اور کمرے میں



Scanned with CamScanner

سب بہوؤں کی خوشی ہو گئی۔

سب سے پہلے تو کرن کو جھاڑ پلائی گئی جس نے مٹن کا ستیاناس کیا تھا۔

"اتنا پھیکا سالن کیا مریضوں کو کھلانا تھا۔ پورے دو کلو گوشت کا بیڑا غرق کر دیا۔ پتا بھی ہے مٹن کس بھاؤ بکتا ہے۔ اپنی جیب سے پیسے جائیں تو پتا چلے۔" الفاظ تھے کہ ننگی تلوار سیدھے جا کر سینے میں پیوست ہو گئے۔

"لیکن اماں! آپ نے ہی تو کہا تھا سالن میں ہلکی نمک مرچ ڈالا کرو مجھ سے یہ مسالے دار کھانے نہیں کھائے جاتے۔ میں نے تو آپ کے لیے۔"

کرن نے وضاحت تو وقت پر کی تھی لیکن وہ ساس ہی کیا جو قائل ہو جائے۔

"ہلکی کہا تھا۔ تم نے تو لگتا ہے مرچیں ڈالی ہی نہ تھیں۔ ۔پانچ ہزار کا گوشت ہی گوشت تھا اور مسالے الگ سے لیکن وہ کیا کہتے ہیں کہ مال مفت دل بے رحم۔ والی بات ہے۔"

اتنا حساب کتاب اماں کو نمو نے سکھایا تھا جبھی تو چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجائے ٹانگ پر ٹانگ رکھے سکون سے بیٹھی سب سن رہی تھی اور اماں اس کی دی چابی سے بولے جا رہی تھی۔

"کسی کو کوئی قدر نہیں کہ شوہر بے چارے کس محنت سے کما کر لاتے ہیں۔ یہ تو چلو گھر کی بیٹی تھی لیکن اگر کوئی باہر کا مہمان آیا ہو تو تم لوگ تو اس کے سامنے بے عزت کر کے رکھ دو کہ یہ سلیقہ ہے اس گھر کی عورتوں میں کہنے کو تین تین عورتیں ہیں اور دو مہمانوں کا کھانا نہیں بنا سکتیں۔"

سب کی طرف سے وضاحت بھی کرن نے ہی کی تھی اور سب کے حصے کی ڈانٹ بھی اسے ہی پڑ گئی تھی۔

"اب گھر میں شادی آنے والی ہے، اس میں میں کسی قسم کی کوئی کوتاہی برداشت نہ کروں گی ہاں۔ اور ایک اور بات اس بار تم لوگ شادی کے لیے اپنے کپڑے بناؤ گی تو ساتھ میں نمو کے کپڑے بنانا بھی تمہاری ذمہ داری ہے۔"

وارننگ کے ساتھ موضوع بدلا تو کرن کے ساتھ لبنیٰ اور صدف نے بھی سر اٹھا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔ وہی بات شروع ہوئی تھی جس کا خدشہ انہوں نے پہلے ہی ظاہر کیا تھا۔

"شادی کے تینوں فنکشن کے لیے ایک ایک دن کا جوڑا تم تینوں بناؤ گی نہ صرف نمو کے کپڑے بلکہ لڈو اور تدبیر کے کپڑے بھی شامل ہوں گے اور۔۔۔"

تینوں جو ابھی کان لگائے ساس کی بات سن رہی تھیں اس اور پر گھبرا کر رہ گئیں اب اس کے بعد بھی کچھ اور بچتا تھا۔

"اور شادی کے بعد نمو کو اس بار دودھائی بھی دے کر رخصت کرنا ہے اس کے لیے میں نے سوچا ہے نمو کو سونے کے کنگن بنوا کر دوں گی۔"

"ہیں۔ سونے کے کنگن۔۔"

انہیں لگا انہوں نے کچھ غلط سن لیا ہے۔ اتنی مہنگائی میں ہونے والی دلہن کو زیور ڈالنا مشکل ہو گیا تھا اور ساس صاحبہ بیٹی کو شادی کی دودھائی ایسے دھوم دھام سے دینے پر تلی تھیں۔

"اس کے لیے بھی تینوں بھائی مل کر حصہ ڈالیں گے۔"

لیکن تین حصے کیوں بھائی تو ماشاءاللہ سے چار ہیں۔"

صدف کو بروقت جرح سوجھی تھی لیکن عابدہ بیگم نے جھٹ سے ٹوک دیا۔

"بھائی تو ماشاءاللہ سے چار ہی ہیں لیکن فہد پر اپنی شادی کا بوجھ ہے۔ اس لیے وہ اس حصے میں شامل نہیں ہوگا۔ سمجھیں تم لوگ۔"

☆☆☆

ساس کے اس نئے اعلان کے ساتھ ساری کابینہ کچن میں سر جوڑے بیٹھ گئی تھی۔

"یہ تو سراسر ظلم ہے کرن بھابھی اہم کیسے یہ



Scanned with CamScanner

سارے اخراجات برداشت کر پائیں گے ۔اپنی
تیاری کے ساتھ ان کے کپڑے بھی اور نہ صرف
کپڑے بلکہ کنگن بھی۔"

لبنیٰ کی تو تب سے سوچ سوچ کر جان نکلی جا رہی تھی ۔یہ سب کیسے ممکن ہوگا۔

"تمہیں کنگن اور کپڑوں کی پڑی ہے اور وہ جو سالن کو لے کر میری بے عزتی ہوئی ہے ،اس پر کوئی نہیں بولی۔"

کرن کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا ساس کے جملے ابھی تک سینے میں کچوکے لگا رہے تھے۔

"وہ تو روٹین کی بات ہے بھابھی !اسے بھول جائیں اور اب یہ سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

صدف کو بھی کنگن کا سن کر ہول پڑ رہے تھے ۔اس لیے فوراً اس کا سدباب کرنا چاہتی تھی۔

"روٹین کی بات تو ہے لیکن اس بار میں یہ بے عزتی بھول نہیں سکتی ۔اس کا بدلہ نہ لیا اس ثمو سے تو میرا نام بھی کرن نہیں۔"

اس نے منہ پر ہاتھ پھیر کر دونوں دیورانی کو گواہ بنایا تھا کہ اس بار وہ یہ بے عزتی نہیں بھولے گی۔

"ہاں تو کیا کہہ رہی تھیں ساسو ماں کہ ثمو کو اس بار رودھائی میں کنگن دینے ہیں ۔۔کنگن چھوڑ وہ اپنے پہلے زیور کے لیے بھی آٹھ آٹھ آنسو بہائے گی ۔یاد رکھنا میری بات۔"

اس نے وہیں بیٹھے بیٹھے سوچ لیا تھا اب اسے آگے کیا کرنا تھا۔

"تم لوگ اپنی اپنی تیاری کرو۔کنگن کی فکر نہیں کرو،اب اسے کنگن تو میں پہناؤں گی۔"

کرن کے دیے حوصلے سے دیورانیوں کی جان میں جان آئی تھی ورنہ تو آج دس لاکھ کے کنگنوں کا سن کر سب مرنے والی ہوگئی تھیں۔

☆☆☆

سب نے ایک ایک کر کے ثمو کو شادی کے کپڑے بنوا کر دینے شروع کر دیے تھے لیکن کنگنوں کا آرڈر دینے سے پہلے اچانک ثمو کا رانی ہار چوری ہوگیا تھا۔میکے میں وہ بھی سسرال کا دیا ہوا ہار۔گھر میں ہر بندے کی کم بختی آگئی تھی۔شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تھا پورے گھر میں وائٹ واش ہو رہا تھا ۔ادھر کا سامان ادھر اور ادھر کا سامان ادھر ایسے میں بھلا ثمو کا زیور کیسے ڈھونڈا جا سکتا تھا۔

گھر میں مزدور آ جا رہے تھے کوئی بھی لے گیا ہوگا۔اب بندے کو اپنی چیزوں کا خود خیال رکھنا چاہیے،کوئی بھلا کسی کی چیز کی ذمہ داری تو نہیں لے سکتا لیکن یہ ساری بونگی دلیلیں عابدہ بیگم کو مطمئن نہیں کر سکی تھیں۔

"ان کا کہنا تھا کہ رانی ہار اس گھر سے غائب ہوا ہے تو ملنا بھی یہیں سے چاہیے ،یہ کیا بات ہوئی کوئی اگر کوئی مزدور لے اڑا ہوا تو بھلا ہم کہاں سے ڈھونڈ کر دیں گے۔"شادی کے اخراجات کے ساتھ ساتھ سب کو ایک نئی ٹینشن مل گئی تھی۔

اب تو ثمو کو بھی لگ رہا تھا اس نے لاپرواہی کی اسے اس طرح گھر میں غیر بندوں کی موجودگی میں اپنی چیزوں کو لاک میں رکھوانا چاہیے تھا ہو سکتا ہے سب کی نظر بچا کر کوئی کام والا بندہ ہاتھ پھیر گیا ہو لیکن عابدہ بیگم کا تجربہ اس بارے میں کچھ اور کہہ رہا تھا انہیں پکا یقین تھا اس بار لنکا کسی بھیدی نے ہی ڈھائی ہے۔اس لیے انہوں نے تینوں بہوؤں کو بلا کر ایک بار پھر سے وارننگ دے ڈالی تھی۔

"ایسا ہے کہ ہار ہمارے گھر سے چوری ہوا ہے۔اب ہر صورت میں اس نقصان کا ازالہ کرنا بنتا ہے۔"

"ہیں۔اب کیا یہ نقصان بھی ہمارے کھاتے میں ڈال جائے گا۔"

ساس کی بات سن کر صدف ،لبنیٰ ،کرن تینوں تڑپ کر رہ گئیں۔

"ہار تین تولے کا تھا اور تم لوگ بھی تعداد میں تین ہو تو میں نے سوچا ہے کہ ایک ایک تولہ لے کے



Scanned with CamScanner

پیسے تم تینوں ادا کرو گی اور ثمو کو شادی کے بعد ویسا ہی رانی ہار بنوا کر دیں گے اس طرح قدیر میاں کو اور اس کی ماں کو پتا نہیں چلے گا اور ہمارے گھر کی عزت بھی رہ جائے گی ورنہ تو سارے خاندان کے سامنے میری ناک کٹ جائے گی۔ چوری میرے گھر سے ہوئی ہے تو چوروں میں سب سے پہلے میری بہوؤں کا نام آئے گا۔"

"نہیں۔ نہیں۔ ہم تو پہلے ہی کنگنوں کے بوجھ تلے دبے ہیں۔ ہم پر رانی ہار کا بوجھ نہ ڈالیں۔"

وہ تینوں مظلوم عوام کی طرح دہائی دیتی رہ گئیں لیکن عابدہ بیگم بجٹ پیش کر کے کمرے سے جا چکی تھیں۔

"جیسے بھی ممکن ہو کرن بھابھی ثمو کا رانی ہار ڈھونڈنا ہوگا نہیں تو اماں تو ہمارے کپڑے بھی اتروا لیں گی۔"

سب کو شادی کی تیاریاں بھول گئی تھیں۔

"ابھی تو صرف پیسوں کا آرڈر جاری کیا ہے آگے آگے کہیں ہمارے ہاتھوں میں طلاق نامے تھما کر ہمیں گھر سے رخصت نہ کر دیں ثمو کا ہار ڈھونڈنے کے لیے اس گھر کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں اس سے پہلے کہ ہماری اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔"

صدف نے تو ابھی سے ہار کی تلاش کے لیے کمر کس لی تھی۔

"ہاں کرنا تو پڑے گا کچھ ورنہ بڑھیا تو ہمیں ٹیکس کے بوجھ تلے دبا کر مار ڈالے گی۔"

کرن کسی گہری سوچ سے چونکتی بولی۔ اس بار ساس کا رویہ بتا رہا تھا وہ پاتال سے بھی بیٹی کا رانی ہار ڈھونڈنے کا عزم رکھتی تھیں۔

"پھر عابدہ بیگم کی دی وارننگ نے کام کر دکھا چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کرن دوڑتی ہوئی ساس کے پاس آئی تھی۔

"اماں مبارک ہو۔ دیکھیں ثمو کا ہار مل گیا۔"

"یہ کہاں سے ملا"

"وہیں آپ کی الماری میں کپڑوں کے بیچ پڑا تھا۔ میں نے استری کرنے کے لیے آپ کے کپڑے نکالے تو یہ نیچے گر گیا۔"

کرن کا لہجہ کیسا شفاف تھا، صدف، لبنیٰ، ثمو ساری اس حسن اتفاق پر فدا ہونے کو تھیں۔

"ہائے اللہ کرن بھابھی! آپ کا بہت بہت شکریہ آپ اگر آج اماں کے کپڑے استری کرنے کے لیے نہ نکالتیں تو ہمیں تو پتا ہی نہ چلتا۔"

ثمو اپنا ہار پا کر خوشی سے رو دینے کو تھی۔ شوہر اور ساس کی طرف سے دیے جانے والے طعنوں کا سوچ سوچ کر اس کی تو جان نکل گئی تھی۔

"ہاں اب جلدی سے کوئی میٹھی چیز منگوا کر بچوں میں بانٹو اللہ پاک نے تم پر اتنا بڑا کرم کیا ہے منہ میٹھا کروانا تو بنتا ہے۔"

ثمو کو اتنی بڑی خوش خبری دینے کے بعد منہ میٹھا کروانے کا کہتی بہو کا چہرہ عابدہ بیگم کی جہاں دیدہ نگاہوں سے بھلا کیسے چھپا رہ سکتا تھا۔

"ہاں منہ میٹھا کروانا تو بنتا ہے"

عابدہ بیگم نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی۔

وہ اسی دن اپنی بہو کی یہ چال بڑے اچھے سے سمجھ گئی تھیں۔ چور کتنا بھی شاطر ہو وہ اپنے پیچھے کوئی نہ کوئی نشان چھوڑ جاتا ہے اور اس نشان تک عابدہ بیگم کا ہاتھ پہنچ گیا تھا تب ہی تو انہوں نے اسے بے نقاب کرنے کے لیے نیا ہار خرید کر دینے کی بات کی تھی انہیں پتا تھا اسی طرح وہ ہار لا کر اس کے سامنے رکھ دے گی اور وہی ہوا

بہو اگر سیر تھی تو ساس بھی سوا سیر تھیں۔

ان کی سمجھ داری سے سارا معاملہ خوش اسلوبی سے طے پا گیا تھا۔ کھوئی ہوئی پرائی چیز مل گئی تھی اور گھر کی بات گھر کی چار دیواری میں ہی ختم ہو گئی تھی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

تاجور ریحان

# تعلق کی رسوائی

باجی کے آنے کی خبر ملتے ہی میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ اب وقت آ ہی گیا ہے کہ باجی کو سہولت سے سمجھاؤں کہ باجی، میں اور تم جس نسل سے تعلق رکھتے ہیں ناں، وہ نسل اپنے ماں باپ کو ایسے نہیں سکھاتی تھی جیسے آج کل کی نسل اپنے ماں باپ کو سکھاتی ہے۔

ہاں واقعی باجی! غور کرو ہم تو وہ بدنصیب نسل کے باقی ماندہ لوگ ہیں جو اپنے والدین کے سامنے بھی نظریں جھکائے رکھتے تھے اور ادب سے ان کے آگے زبان نہ کھول پاتے تھے۔

ہمیں یہ باور کرایا گیا تھا کہ ہمارے بڑے ہم سے زیادہ دانا، دور اندیش اور عقل مند ہوتے ہیں اور اب بھی ہم ہیں کہ اپنے بچوں کے سامنے بھی مجرم سے بنے آنکھیں جھکائے رہتے ہیں کہ ہم ٹیکنالوجی میں ان سے کئی قدم پیچھے رہ گئے ہیں، ہمیں ان کے آگے بھی کچھ بولنے کی ہمت نہیں ہوتی کہ بھلا ہمیں ٹیکنالوجی کی، دنیا میں ہونے والی تبدیلیوں کی کیا خبر۔

اور دوسرے ہی لمحے ایک بار پھر مجھے تبسم پر بے تحاشا غصہ آنے لگا۔ ارے بیٹیاں تو خاندان کی عزت کے لیے جان دے دیتی ہیں مگر ایک یہ ہیں۔ ماں ہو کر بھی میں نے باقاعدہ منت سماجت کر لی اس لڑکی کی مگر مجال ہے جو اس کے فیصلے میں ذرا سی لرزش ہی آئی ہو۔ کس قدر مان تھا مجھے اپنی تربیت پر، اپنی بیٹی کے اعلا کردار اور سمجھ داری پر۔ ہائے سب پر پانی پھر گیا۔ کیا اتنا بھی حق نہیں تھا میرا؟ ماں ہوں کوئی دشمن تو نہیں؟ اور اب باجی کو کیا جواب دوں گی؟

آخر کو باجی نے بھی تو قربانی دی تھی۔ ان کی قربانی کے آگے تبسم تو کیا میں بھی کچھ بڑی قربانی نہیں دے رہی مگر نہیں بھئی، اس لڑکی نے تو تہیہ کر رکھا ہے کہ اپنی ماں کو اپنی بڑی بہن کے آگے شرمسار کروا کر رہے گی۔ باجی کا منجھلا بیٹا تو تیر ویسے بھی مجھے بہت پسند ہے اب اس کی شادی کی بات چل نکلی ہے تو میرا ذوق و شوق بڑھنا ہی چاہیے مگر یہ تبسم......

کیسے ان کو بتاؤں گی کہ باوجود کوشش کے بھی میں اپنی بیٹی کو تم جیسا نہ بنا سکی حالانکہ یہ بات باجی ہی کیا میرے سسرال میں بھی سب کو معلوم تھی کہ میرے لیے میری بڑی بہن صرف بہن، ہمدرد، راز دار نہیں بلکہ ایک آئیڈیل ہے۔

اور صرف میرے لیے ہی کیوں، باجی کی شخصیت میں جو کشش، وقار اور رکھ رکھاؤ تھا اس نے پورے خاندان میں ان کی ایک الگ حیثیت بنا دی تھی۔ ہم دونوں بہنوں میں صرف دو سال کا فرق تھا اور دوستانہ بھی خوب تھا مگر میں انجانے میں ہی باجی کی شخصیت سے بے حد متاثر تھی۔

انداز میں ٹھہراؤ، باتوں میں گہرائی اور مزاج کی پالیدگی یہ سب میری شخصیت میں کیوں پیدا نہ ہو سکا اکثر سوچتی، شاید اس کی وجہ امی جان کا بے وقت انتقال تھا جب باجی فقط آٹھ سال کی تھیں اور میں چھ سال کی۔

بابا جانی بتاتے تھے کہ اس انہونی نے جہاں باجی کو وقت سے پہلے بڑا کر دیا تھا، مجھے شاید بچپنے میں ہی چھوڑ دیا تھا کہ میں ہمیشہ سے لاابالی، من موجی اور ڈھیلی ڈھالی سی طبیعت کی ہو گئی تھی، اوپر سے باجی کی پشت پناہی نے مجھے ہر طرح کی فکر و تردد سے آزاد کر

دیا تھا۔ باجی نے بہت چھوٹی عمر سے گھر کی باگ دوڑ سنبھال لی تھی۔

بابا جانی ایک مصروف انسان تھے، ان کی نوکری ایسی تھی کہ آئے دن ملک سے باہر جاتے رہتے، اور کئی مہینوں تک ہماری ملاقات نہ ہو پاتی۔ اس زمانے میں تو فون بھی تار والے تھے اور بیرون ملک سے ٹرنک کال بڑے دنوں بعد ہی کی جا سکتی تھی۔ بابا جانی کو ہماری فکر لاحق رہنے لگی، پہلے تو بابا جانی نے اپنے کچھ رشتہ داروں سے مدد لی مگر باجی کی نفاست و فصاحت کے آگے وہ لوگ زیادہ دیر تک نہ ٹک سکے، دوسری طرف ہماری مرحوم امی جان کی طرف بھی کوئی ایسا قریبی رشتہ دار نہ تھا جو ہماری نگہبانی پر آجاتا۔

ان ہی چند سالوں میں باجی کی شخصیت مکمل بدل گئی، سنجیدہ، بردبار اور عقل مند تو وہ پہلے بھی تھیں مگر

اب گھر کے تمام کام سنبھالتے، نوکروں پر حکم چلاتے، اپنی مرضی سے میل ملاپ کرتے باجی کی شخصیت میں سخت گیری پیدا ہوگئی تھی۔

اب سوچتی ہوں تو خیال آتا ہے کہ ٹھیک ہی تو ہے ایک اتنی چھوٹی سی بچی پر، جب اتنی زیادہ ذمہ داریاں آجائیں گی تو کیا وہ بچوں کی سی سادگی بحال رکھ سکتی ہے؟ خیر دوسروں کے لیے وہ جیسی بھی ہوں مگر میرے لیے باجی ہمیشہ نرم رو ہی رہیں۔

پتا نہیں پھر بابا جانی کو کیا سوجھی، کہنے کو انہوں نے ہماری بھلائی کے لیے یہ قدم اٹھایا تھا اور اگر ایسا ہی تھا تو ذرا دیکھ بھال تو لیتے۔ اب ایسا بھی کیا کہ آج ایک میٹنگ میں ملاقات کی اور دوسرے ہی دن فون کرکے باجی کو خوش خبری سنا دی کہ تم دونوں کے لیے نئی امی لا رہا ہوں۔ خیر میرے لیے تو یہ خبر بڑی ہی خوش آئند تھی کہ میرے فہم میں بابا جانی کا میری مرحوم ماں کی جگہ کسی اور کو دینے جیسا کوئی خیال نہیں آ سکا تھا مگر آج تک یاد ہے مجھے، کہ کس طرح دو تین دن تک باجی رات رات بھر روتی رہتیں اور دن بھر بوجھل، جھکے اور تھکے ہوئے وجود کو گھر کے معاملات میں لگائے رکھتیں۔ شاباش ہے باجی پر کہ اپنے تمام تر دکھ کے باوجود انہوں نے دوسری امی کے لیے گھر کو نئے سرے سے چمکا دیا۔ بابا جانی کے کمرے سے پرانا سامان نکلوا کر نیا سامان ڈلوایا۔

یہاں باجی کی سنجیدگی گہری ہوئی تو ادھر میرا لاابالی پن اور بڑھتا چلا گیا۔ میں مستقبل میں آنے والی مشکلوں سے بے پروا دوسری امی کے متعلق سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہتی۔ پھر آخر وہ دن آ ہی گیا۔ بابا جانی، مخصوص ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ایک شرمیلی، گھبرائی اور کچھ سمٹائی سی دوسری امی کو لیے گھر میں داخل ہوئے۔ بابا جانی نے خوش دلی اور اعتماد کے ساتھ جیسے ہی ہمارا اور گھر کے سارے ملازمین کا تعارف کروا کر دوسری امی کو صوفے پر بٹھایا میں جھٹ ان کے قریب جا بیٹھی جبکہ باجی نے بڑی نفاست اور خندہ پیشانی سے ملازموں کو چائے ناشتے کی ہدایات دینی شروع کردیں۔

کچھ ٹھیک سے یاد نہیں مگر جب چائے ناشتے کے دوران بابا جانی نے مجھے پیار کرتے ہوئے لاڈ سے بتایا کہ دوسری امی نے میرے اور باجی کے لیے کچھ خاص تحائف لیے ہیں اور دوسری امی خود مجھے وہ تحائف دیں گی تو میں اپنی طبیعت کے عین مطابق بے چین ہوگئی اور میری ضد کے باعث بابا جانی نے ملازم کو جلد از جلد گاڑی سے ان کا سامان لانے کا کہا۔ مگر جیسے ہی وہ خوب صورت اور نایاب طرز کے سوٹ کیس لا کر ہمارے سامنے رکھے گئے تو باجی نے عادت کے برخلاف سامان لانے والے ملازم کو بری طرح جھڑکا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ بابا جانی کا سامان مہمان خانے میں ڈھیر کرنے کے بجائے ان کے کمرے میں پہنچا دیا جائے۔

اس وقت دوسری امی مجھے یہ سمجھا رہی تھیں کہ میں ان کو دوسری امی کہنے کے بجائے، صرف امی، جان کہا کروں اور میں اس بات پر حیران تھی کہ بقول باجی "ہماری صرف ایک ہی امی جان تھیں جو کہ اب نہیں ہیں اور کوئی دوسری عورت ہماری امی جان بننے کے لائق نہیں ہو سکتی۔" باجی کے اس طرح کے سرد رویے کے باعث ماحول میں گھلی ہوئی خوشی اور محبت ایک دم غائب ہوگئی۔

دوسری امی نے باجی کی طرف حیران ہو کر دیکھا اور پھر ان کی نظریں، کمرے کے بالکل مخالف سمت کھڑے بابا جانی پر ٹک گئی تھیں۔ اس وقت باجی کی تو بابا جانی کی طرف پشت تھی مگر میں نے باقاعدہ دیکھا کہ بابا جانی نے دوسری امی کو اشاروں سے خاموش رہنے کی تلقین کی تھی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا، اس میں زیادہ قصور بابا جانی کا تھا۔ ان کو دوسری امی کو صرف اپنا دکھ درد بانٹنے والا ساتھی سمجھنا چاہیے تھا مگر وہ یہ بھی چاہنے لگے کہ میں دوسری امی کو امی جان کہنے لگوں۔ بابا جانی اپنی کوشش میں ناکام ہی رہے کیونکہ نہ تو میں نے ہی دوسری امی کو کبھی امی جان پکارا اور نہ ہی باجی نے مجھے ایسا کرنے دیا۔ لہٰذا باجی کی ضد اور انا کے

آگے دوسری امی ہی ہار گئیں۔

دو چار مہینوں بعد ہی بابا جانی نے ان کی رہائش کا انتظام ہمارے دوسرے گھر میں کر دیا تھا۔

ہم اپنی زندگی میں کسی نہ کسی سے ایک بار اتنی محبت ضرور کرتے ہیں کہ ان کے ہر فیصلے، ہر کام اور ہر بات میں دانائی کے پہلو نکال لیتے ہیں۔

کبھی کبھی شدت سے احساس ہوتا ہے کہ دوسری امی پر خلوص تھیں۔ ان کی باتوں اور انداز میں میرے یا باجی کے لیے آج بھی ویسی ہی سچائی ہے۔ شاید اسی لیے مجھ سے زیادہ میرے تینوں بچے ان کو نانی جان کہتے ہیں اور ان کے گھر ہر ہفتے جاتے ہیں جبکہ میرا تو ابھی بھی یہی حال ہے کہ باجی جو بھی کہتی ہیں، جیسا بھی کرتی ہیں، باجی ہی ٹھیک ہیں۔

بابا جانی نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد کو طریقے اور سلیقے سے گھر کے افراد میں بانٹ دیا تھا۔ جبکہ ہم دونوں بہنوں کو ہماری مرحوم والدہ کے سونے کے زیورات بھی دو حصے کر کے ہم دونوں کو دے دیے تھے۔

باجی کو شروع سے ہی زیور کا بڑا شوق تھا۔ وہ جب بھی کہیں جاتیں کوشش کرتیں کہ ان کا زیور ایسا ہو کہ محفل میں دھوم مچ جائے۔ اس زمانے میں تو بھئی فیشن بھی یہی تھا۔ آج کل کی نئی نویلی مگر سادہ دلہن کے بجائے لوگ بھی سنوری سونے سے لدی دلہن کو دیکھنا پسند کرتے تھے۔

باجی کی شادی کے کوئی تین سال بعد میری شادی ہوئی اور جب تک میں شادی کر کے اپنے حصے کا زیور لے نہیں گئی، باجی کا معمول تھا کہ وہ اکثر کسی تقریب میں جانے سے پہلے گھر آ کر میرے حصے کے زیورات میں سے کچھ پہن کر چلی جایا کرتیں۔

اب یہ بھی ہے کہ میری بہنوئی صاحب اچھے خاصے مشہور و معروف کاروباری تھے اور آئے دن باجی کو کسی نہ کسی تقریب میں ان کے ساتھ جانا ہوتا تھا۔ اللہ گواہ ہے میں نے اس بات کے بارے میں کبھی غلط انداز میں نہیں سوچا بلکہ میں تو باجی کا میرے کمرے میں میرے زیورات کے ڈبے کھولے ہر ایک جھمکے، بالی یا بندے کو اپنے کانوں سے لگا لگا کر آئینے میں سراپا دیکھنے سے زیور پہن کر چلے جانے تک ان پر وارے صدقے جاتی تھی۔

یہی وجہ تھی کہ مجھے باجی کے اس عمل کی اتنی عادت ہو گئی تھی کہ جب میری شادی کے بعد بھی وہ اکثر میرے ہاں میرے زیورات لینے آ جاتیں تو میں بغیر ہچکچاہٹ، ان کو ان کے مطلب کا ڈبہ پکڑا دیتی۔ بس اب اتنا فرق پڑ گیا تھا کہ باجی میرے سسرال میں، میرے کمرے میں بیٹھ کر زیورات کو ٹٹولتی نہ تھیں بلکہ دو چار دنوں کے لیے اپنے ساتھ پورا ڈبہ لے جاتیں اور استعمال کر کے مجھے ڈبہ واپس پہنچا دیتیں۔ مجھے باجی کی نیت پر کبھی شک نہیں ہوا۔

مگر حادثے ہوتے ہی ہیں اب اس میں باجی کا کیا قصور ہو سکتا ہے کہ ایک بار میری شادی کے یہی کوئی پانچ سال بعد جب باجی میری سونے کی بارہ چوڑیاں لے کر گئیں تو واپسی کے وقت ان کی گاڑی کو لوٹ لیا گیا۔ اس زمانے میں شہر کے حالات واقعی بہت خراب تھے۔ میں نے فون پر روتے روتے خبر سنائی باجی کو بہت دلاسہ دیا تھا اور ایک بار بھی ایسا کوئی تاثر نہ دیا کہ جیسے مجھے ان کی خبر پر شک ہوا ہو بلکہ یہ کیا تھا کہ میں نے یہ بات نہ ہی اپنے شوہر صاحب کو اور نہ ہی سسرال میں کسی کو بتائی تھی۔ مگر جیسے میری ساس کو الہام ہو گیا اور یوں چند ہی دنوں بعد میرے سسرال میں جب مجھے اپنی ساس کے خاندان میں ان کے کسی قریبی رشتہ دار کی شادی میں شرکت کے لیے اپنی سونے کی چوڑیاں پہن کر جانے کا کہا گیا تو مجھے بتانا ہی پڑا۔

میری ساس صاحبہ ویسے تو اللہ بخشے بہت سمجھدار اور بردبار خاتون تھیں مگر یہ خبر سن کر آگ بگولہ ہو کر بولیں۔

''تم نہایت بے وقوف ہو۔'' مگر فوراً ہی جیسے ان کو کسی بات کا احساس ہوا اور بے چاری ایک دم چپ کر کے ادھر ادھر ہو گئیں اور پھر انہوں نے مجھے بھی



Scanned with CamScanner

اس طرح بے وقوف نہیں بولا۔ اللہ بخشے میرے شوہر صاحب تو ہمیشہ باجی کے آنے پر مجھ سے مسکرا کر کہتے کہ جو آپ میکے سے لائی ہیں اس کو کیا کرنا ہے اور کہاں دینا دلانا ہے وہ آپ پر ہی چھوڑ رکھا ہے۔ کاش کہ دو بیٹوں کے بعد منتوں سے مانگی میری اکلوتی بیٹی تجسم میں بھی اپنے باپ جیسی خودداری آ جاتی۔

باجی کی بڑی بیٹی، تہمینہ کی شادی کے وقت میرے اپنے بچے کچھ زیادہ بڑے نہ تھے لہٰذا امی تہمینہ کی شادی کے لیے کافی خوش ہوتی رہی تھی اور باجی کو کہتی رہتی کہ میرے لائق کوئی بھی خدمت ہو ضرور بتانا۔ باجی نے تہمینہ کی رخصتی کے وقت پہنانے کے لیے مجھ سے میرا سونے کا بڑا والا سیٹ مانگا تو ہمیشہ کی طرح میں نے بغیر کوئی بات چیت کیے ان کو پہنچا دیا۔

ہاں مجھے یہی لگا تھا کہ کیونکہ دیگر زیورات کے برعکس میرا یہ سیٹ کافی بھاری اور بڑا ہے تو یقیناً باجی سیٹ مجھے واپس کر دیں گی مگر تہمینہ کی رخصتی کو کئی مہینے گزرنے کے بعد بھی جب سیٹ میرے پاس واپس نہ آیا تو میں نے ایک دن باجی سے اس کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کی مگر کیا بتاؤں میں طویل طویل موضوع چھیڑتی رہی مگر باجی سے زیور کی بات نہ کر سکی۔

گھر آ کر میں نے خود کو بڑا جھڑکا کہ کس طرح میں ایک ذرا سے زیور کی وجہ سے اپنی بڑی بہن سے باز پرس کرنے پہنچ گئی اور فیصلہ کر لیا کہ بس میں خود سے باجی سے سیٹ کی واپسی کی بات نہیں کروں گی۔ ہاں مجھے اپنے اس سیٹ کی اکثر یاد آتی ہے، میری مرحومہ والدہ کو جہیز میں ملا تھا اور پرانے رواج کے مطابق بھاری بھرکم تھا۔

مجھے اس سیٹ کے تین تہوں والے جھمکے بڑے اچھے لگتے تھے، گو وہ اتنے بھاری تھے کہ میں نے ایک یا دو بار ہی پہنے ہوں گے کیونکہ کان میں درد کر دیتے تھے۔ گلے کا ہار بھی لڑیوں کی صورت، تین پرتوں میں بنایا گیا تھا لہٰذا صرف گردن ہی نہیں کافی نیچے تک یوں لگتا کہ گلا سونے سے لد گئی ہوں۔ مگر یہ بات بھی ہے کہ تہمینہ کے لمبے قد پر، وہ سیٹ زیادہ اچھا لگتا تھا آخر تہمینہ بھی میری ہی تو بیٹی ہے۔ میں یہی سوچ کر خوش ہو جایا کرتی تھی۔

اب وہی بات کہ بچوں کے بڑے ہو جانے کے بعد بہنیں، بہنیں نہیں رہتیں بلکہ رشتہ دار بن جاتی ہیں۔ میں نے جب تک ہو سکا باجی کی خواہشات کا احترام کیا، مگر اب بات میرے ہاتھ سے نکل چکی ہے۔ تجسم نے تو ضد ہی باندھ لی ہے اس وقت مجھے اپنی مرحومہ ساس بہت یاد آ رہی ہیں۔ بیچاری ہوتیں تو باجی کی آمد پر کم از کم میرے ساتھ ہی بیٹھ جاتیں یا ہو سکتا ہے کہ تجسم کو سمجھا دیتیں۔ اب ساس صاحبہ تو ہیں نہیں مگر میرے ساتھ آج باجی کی خواہش رد کرنے کے لیے تجسم بالکل تیار تھی اور میرے لیے اور ڈر کی بات تھی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ تجسم دل میں بھری بیٹھی ہے۔ حالانکہ توقیر اور تجسم میں بڑی دوستی ہے مگر تجسم اس دوستی کا پاس بھی رکھنا نہیں چاہتی تھی۔

"اچھا بھئی اب اصل موضوع پر آ جاؤ۔ بہت ہو گیا کھانا پینا۔ میں یہاں زیادہ دیر نہیں بیٹھوں گی۔ گھر میں بے تحاشا کام ہیں۔ تمہارے بہنوئی کے چند رشتہ دار آج رات ہی امریکہ سے پہنچ رہے ہیں ان سب کی رہائش گھر پر ہی ہے لہٰذا ابھی مجھے بہت سے انتظامات کرنے ہیں۔"

باجی نے چائے پی کر، میرے کھانے کے لیے رک جانے کی بات پر جلدی سے میری بات کاٹ کر اپنی مصروفیت بتائی۔ میں گڑبڑا گئی اور نہ چاہتے ہوئے بھی میری نظر تجسم پر اٹھ گئی۔

"خالہ جان! امی آپ سے کچھ پوچھنا چاہتی ہوں۔"

تجسم نے مجھے ہکلاتا دیکھ کر ٹھہرے ہوئے لہجے میں پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔ باجی نے بغیر کچھ سمجھے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"بات یہ ہے کہ میں دو دن پہلے نانی جان کے ہاں سے ہو کر آئی ہوں۔ جی ہاں وہی جو آپ اور امی جان کے لیے دوسری امی ہیں۔ اگر آپ بھی ان کے



Scanned with CamScanner

گھر جائیں تو دیکھیں کہ حیرت انگیز طور پر ان کے ڈرائنگ روم میں آپ کی اور امی جان کی شادی کی بڑی سی تصاویر فریم کی ہوئی لگی ہوئی ہیں۔ اور اس دن میں نے ان تصاویر پر کچھ زیادہ غور کیا۔ گو دونوں تصاویر کے کھینچے جانے میں وقت اور دن کا فرق ہے مگر انداز بالکل ایک سا ہے۔

آپ دونوں ان تصاویر میں دلہن بنی اپنے اپنے شوہروں کے ساتھ شاید رخصتی سے ذرا پہلے صوفے پر بیٹھی ہوئی ہیں اور آپ کے قریب کھڑے آنکھوں میں آنسو بھرے نانا جان کا ایک ہاتھ، آپ کے دونوں ہاتھوں میں بھری چھ چھ سونے کی چوڑیاں تھیں۔ وہ ہو بہو امی کی لگ رہی تھیں۔

اور وہ پہچان میں اس لیے آ گئیں کہ امی جان کی چوڑیوں میں بھی کونوں پر کالے رنگ کی کناری بنی ہوئی تھی ظاہر ہے یہی نشانی میں نے نانی جان کے ہاں تصویر میں بھی نوٹ کی۔ ایک عورت ہونے کے ناتے خالہ جان آپ سمجھ سکتی ہیں کہ اتنا تو میں پہچان ہی سکتی تھی۔ تو جب میں نے گھر آ کر امی جان سے پوچھا تو انہوں نے بتایا شاید امی جان کے شروع شادی کے دنوں میں ہی آپ سے وہ گم ہو گئی تھیں۔ اگر وہ چوڑیاں چوری ہوئی تھیں تو تہمینہ باجی کے پاس ہو بہو کیسی ہی کیسے پہنچ گئیں؟

اس کے علاوہ بھی خالہ جان! یہ بات کافی حیرت کی ہے کہ امی جان کے پاس، نانا جان کے دیے ہوئے کافی سارے زیورات میں سے کچھ ہی بچے رہ گئے ہیں۔ بڑے سیٹ کے ساتھ ساتھ آپ نے امی جان سے چھوٹے موٹے سیٹ بھی پہننے کو لیے مگر واپس نہیں کیے ہیں۔ جس کی وجہ ہمیشہ یہی رہی کہ یا تو وہ آپ سے گم ہو گئے یا پھر آپ پلٹ کر امی جان کو واپس کرنا ہی بھول گئیں۔

خالہ جان! جس طرح امی جان کے پاس نانی جان کے زیورات آئے ہیں، ویسے ہی آپ کے حصے میں بھی تو آئے ہوں گے۔ آپ کی حیثیت تو ہم لوگوں سے ہمیشہ بہت اچھی رہی ہے لہٰذا یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ آپ کے اپنے حصے کے زیورات بک گئے یا ادھر ادھر ہو گئے۔ تو آخر آپ اپنے بچوں کی شادی میں اپنے حصے کے زیورات چڑھانے کے بجائے ہمیشہ امی جان کے زیورات لینے کیوں آ جاتی ہیں؟ اصولی طور پر امی جان کے زیورات پر میرے بھائیوں کی آنے والی بیویوں اور میرا حق ہے۔ اس طرح تو امی جان آپ کی محبت میں ہم سب کی بھی حق تلفی کر رہی ہیں، پھر یہ بھی تو سوچیں کہ نانا جان اور نانی جان کی نشانی کے لحاظ سے بھی امی جان کو اپنے زیورات اپنی ہی اولاد میں بانٹنے چاہیے تھے تاکہ وہ اپنے بھانجے یا بھانجی کو دے رہی ہیں۔

پھر بھی چلیں فرض کریں، آپ صرف تو قیر بھائی کی دلہن کو پہنانے کے لیے امی جان کے چاروں سونے کے کڑے لینے آئی ہیں تو آج یہ بات طے کر کے کڑے لے کر جائیں کہ آپ ان کو کب اور کس وقت واپس کریں گی اور اگر فرض کریں خدانخواستہ ہماری نانی جان کی نشانی وہ سونے کے کڑے بھی آپ کے ہاں سے چوری ہو گئے تو کیا آپ اپنے حصے کے زیورات میں شامل ویسے ہی مالیت کا کوئی زیور امی جان کو دے دیں گی؟"

تبسم کی باتیں سن کر میری تو جو حالت ہوئی وہ کیا بتاؤں مگر زیادہ مجھے باجی کی فکر ہو گئی۔ ان کا رنگ ایسا زرد پڑا کہ کاٹو تو لہو نہیں والی مثال بن گئیں۔

سامنے پڑا ہوا پانی کا بھرا گلاس باجی نے ایک ہی سانس میں ختم کیا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ان کے ساتھ میں اور تبسم بھی کھڑے ہو گئے۔ باجی پہلے تو بغیر کچھ کہے تاسف سے سر ہلاتی جانے کے لیے آگے بڑھیں مگر دو چار قدم چل کر رک کر پلٹیں اور مجھ سے گویا ہوئیں۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ یہ عورت ہماری امی جان بننے کے لائق نہیں تھی۔"

☆☆

وہ اس وقت بحری جہاز کے کھلے ڈیک پر موجود تھی اور انجن نما بڑی مشین کے ساتھ منسلک ایک سفید باکس جو عرشے کے فرش پر فٹ تھا، اس کے پیچھے چھپی ایک آنکھ باہر نکال کر دیکھ رہی تھی۔ وہ گولڈن بالوں والا اونچا اور چوڑا آدمی اگرچہ کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا لیکن وہ خوف کی تصویر بنی اس باکس کے پیچھے ہی چھپی بیٹھی تھی۔ اس کے ہاتھ ہولے ہولے لرز رہے تھے۔

ایک نظر بڑی ہی بے ساختہ اوپر آسمان کی جانب اٹھی۔ اس وقت اوپر آسمان تو نیچے اور چاروں جانب پانی ہی پانی تھا۔ اسے تو بس آسمان والے کی مدد کا انتظار تھا۔ وہ ہمہ تن دعا گو تھی۔

کسی مشکل میں گرفتار ہونے کا خیال ہی اس کے رونگٹے کھڑے کر رہا تھا۔ قدموں کی آہٹ لکڑی کے ڈیک پر بہت واضح سنائی دیتی ہے۔ کوئی نزدیک آ رہا تھا۔ اس کا دل زوروں سے دھڑکنے لگا۔ ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں تو نظروں کے سامنے دو بوٹ تھے۔ براؤن لیدر بوٹوں میں قید وہ پاؤں یقیناً اس گولڈن بالوں والے آدمی کے تھے، تو وہ اس تک پہنچ ہی گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر سر اوپر اٹھایا۔

☆☆☆

"ہوممم م۔ فاسٹی ان گریس (یونان) سلینا مسکراتے وقت اپنے نازک لبوں کو بھینچ لیتی تھی، جس سے گالوں کے ہلکے سے ڈمپل ذرا سے واضح ہو جاتے۔ اور یہ معنی خیز اندرونی ہنسی کی اس وقت چہرے پر بکھرتی جب کوئی دیرینہ خواہش بالآخر مکمل ہو جاتی۔

فرح بخاری

# ایک دفعہ کا ذکر ہے

مکمل ناول

Scanned with CamScanner

دنیا گھومنا تو خیر ایک ناممکن خواب تھا۔ پر

یونان اس کے لیے ایک ممکن اور قابلِ عمل خواہش تھی جس کی راہ میں برسوں سے کئی لوگ آڑے آ رہے تھے۔ پر اس مرتبہ قدرت چونکہ اس کا ساتھ دینے کو تیار تھی تو سارے عوامل خود بخود اس کے حق میں تیار ہوتے گئے۔ اور اس وقت وہ یونان کے شہر سینتورینی میں تھی۔ اور یہ نیا شہر بھی جیسے ایک نئی دنیا دریافت کرنے کے مترادف تھا۔ اگرچہ اس کے بابا تصاویر تو بھیجا کرتے تھے لیکن یوں آنکھوں کے سامنے دیکھنا بالکل ہٹ کر تجربہ تھا۔

اونچے نیچے نہایت بے ڈھنگے پہاڑ پر بنا ایک انتہائی متوازن شہر۔ سفید اینٹوں کی گلیوں سے گزرنا، یوں لگا جیسے کسی فلم کا سیٹ ہو۔ وہ اپنے آپ کو کوگل کی کسی تصوراتی پکچر کا حصہ معلوم ہو رہی تھی۔ سینتورینی کی زیادہ تر عمارات سفید تھیں۔

گلیاں کسی ماڈرن دیہات کا تاثر دیتی تھیں۔ یہ لوکل علاقہ تھا۔ ان سے نکل کر حقیقی ماڈرن شہر جیسی عمارات اور مارکیٹس بھی آ جاتے۔ کچھ بازار پرانی طرز پر بنے تھے، جن کی سیر کرتے آپ خود کو کسی پرانے عہد میں موجود محسوس کرتے ہیں اور یہ انسان کی کیسی دیرینہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ بھی مجسم کسی قدیم عہد میں جا پہنچے۔

یہاں کے پرانے روایتی بازروں میں گھومتے سلینا کو خود بھی پہلی بار ادراک ہوا کہ وہ کسی پرانے عہد میں کھو جانے کی کیسی شائق تھی۔ اور یہاں کی اونچی جگہوں سے شہر کو دیکھنے پر ہر سو دکھائی دیتی سفید چھتیں نہایت اُجلا سا تاثر پیدا کرتی تھیں۔ اور ان ہی پہاڑی راستوں کے اختتام والے علاقوں میں چٹانوں سے نیچے دور تک دکھائی دیتا سمندر۔ وہ سمندر جو اب سے پہلے اپنی بائیس سالہ زندگی میں سلینا نے کبھی دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب تصاویر اور کیلنڈرز سے نکل کر اچھلتا کودتا، شور مچاتا سامنے موجود تھا۔

اسے سمندر کی کشش ہمیشہ اپنی جانب کھینچتی تھی۔ سمندر کی کہانیاں، غروب کا منظر، اس کی شوریدہ سر لہریں، اس کے گہرے اور ہلکے پڑتے نیلے رنگ، سمندر کو قریب سے دیکھنا، چھونا، اس پہ بجتے

[illegible] چلنا اور سب سے بڑھ کر اس میں سفر کرنا، اس

کی ایک دیرینہ خواہش تھی جو یونان آ کر پوری ہو رہی تھی۔ وہ بار بار آنکھیں ملتے ارد گرد دیکھتی اور ہنستی چلی جاتی۔ وہ سچ مچ ایک بالکل نئی دنیا میں آ گئی تھی۔

سلینا اسلام آباد میں اپنے چچا عدنان اور چچی زوبیہ کے ساتھ رہتی تھی۔ چھٹی جماعت سے اسے تو یہی یاد تھا کہ "گھر" تو بس یہی ہے۔

اس سے پہلے بھی یہی گھر تھا کیونکہ تب وہ اپنے ممی بابا کے ساتھ نیچے والے پورشن میں رہتی تھی۔ اوپر والا پورشن چچا عدنان کا تھا۔ اس کا زیادہ وقت ممی کے ساتھ گزرتا تھا کیونکہ کچھ سال ہوئے کہ بابا یونان چلے گئے تھے۔ تایا محسن برسوں سے وہیں سیٹل تھے۔ ان کا وہاں امپورٹ ایکسپورٹ کا پرانا بزنس تھا۔ اس کے بابا صادق علی کو تایا محسن نے قریب تین سال پہلے بلایا اور وہ بھی اب وہاں سیٹ تھے۔

سلینا چھٹی جماعت میں آئی تو اس کی ممی کی ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں ڈیتھ ہو گئی۔ جس کے بعد وہ بالکل اکیلی رہ گئی۔ اس کے بابا بھی کچھ دن کے لیے پاکستان آئے۔ وہ بھی غم زدہ ضرور تھے لیکن وہ سلینا کو لینے نہیں آئے تھے اگرچہ سلینا کا یہی خیال تھا پر وہ ایک مہینہ اس کے ساتھ رہ کر واپس چلے گئے تھے۔

سلینا کو اس مشکل وقت میں پھوپھو یاسمین کا ہی ساتھ حاصل رہا۔ چچی زوبیہ بھی اچھی تھیں لیکن ان کے اپنے دو بچے تھے۔ گھر کی ذمہ داری تھی۔ سارا دن وہ مصروف ہی رہتیں۔ اچھے مخلص ساتھیوں کے حوالے سے سلینا خود کو ہمیشہ سے بدقسمت ہی سمجھتی تھی۔ ماں کا ساتھ اگر بارہ سال کی عمر میں چھوٹ گیا تو پھوپھو یاسمین کا ساتھ سترہ برس کی عمر میں۔

تایا محسن کا سالا ذبیر بھی ان کے پاس وہیں یونان میں کام کرتا تھا۔ تائی بینا نے اپنے بھائی کے لیے یاسمین کا رشتہ مانگا، چند ہی دنوں میں نہ صرف شادی ہو گئی بلکہ کچھ ہی عرصے میں انکل ذبیر نے انہیں بھی اپنے پاس یونان بلا لیا۔ اس وقت بھی یاسمین پھوپھو نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح اس کے بابا اس کا ویزا بھی لگوا دیں تا کہ وہ بھی ساتھ چلی جائے۔ لیکن وہ پہلے ہی کالج میں داخلہ لے چکی تھی اور اب تو اس کا فرسٹ ائیر کا سال بھی ختم ہونے والا تھا۔ سب نے سمجھایا کہ اسے ایف ایس سی یہیں مکمل کرنی چاہیے۔ تب ہی سلینا نے بھی ضد نہیں کی۔

اوپر سے اس کے بابا بھی وہیں یونان میں ایک پاکستانی بیوہ عورت شمیلہ سے شادی کر چکے تھے۔ اب تو سلینا کا ایک چھوٹا بھائی بھی آ چکا تھا۔ بابا اگرچہ ہمیشہ اس کی پڑھائی پر بات کرتے۔ اس کو بلانے کا معاملہ ٹال جاتے تھے پر صاف دکھائی دیتا تھا کہ وہ اسے اپنے پاس بلانا ہی نہیں چاہتے۔ اور وجہ بھی بڑی سمجھ میں آنے والی تھی۔ اس کی امی کی وفات کے بعد انہوں نے اوپر نیچے کا سارا گھر چچا عدنان کے حوالے کر دیا تھا۔ چچی نے پورا گھر اپنی مرضی سے سیٹ کر لیا تھا۔ سلینا اب ان کے ساتھ ایک گھر کے فرد کی طرح رہتی تھی۔

چچا چچی کا رویہ اس کے ساتھ اچھا ہی تھا اور کیوں نہ ہوتا وہ ان کے پورے گھر پہ قابض تھے۔ وہ بھی سب کے ساتھ معمول کا رویہ رکھنے کی کوشش کرتی لیکن اس کی انتہا درجے کی حساسیت اور معاملات کی تہہ تک پہنچ جانا اسے بے چین و مضطرب ہی رکھتا۔

مخاطب کی رشتہ داری بھی بار بار جتائی جائے تو کیا کم ہوتا ہے۔ وہ خود کو حتی الامکان نارمل رکھنے کی کوشش کرتی، لیکن یہ رویہ اس کا دل چیرتا تھا۔

وقت تھا کہ جیسے تیسے آگے کو بڑھ رہا تھا پر کچھ یوں کہ جیسے کندھے پر بیل جوتے وہ کسی سخت زمین کو بھاری قدموں سے آگے بڑھتے نرم کر رہی ہو۔ من من بھر کے قدم بھلا کیسے آگے کا سفر طے کرتے ہیں، وہ ہر ابھرتے دن کے ساتھ دیکھا اور برت رہی تھی۔

اب تو کچھ عرصہ ہوا سلینا کی بس اتنی خواہش رہ گئی تھی کہ ایک مرتبہ وہ بھی یونان دیکھے۔ کیونکہ وہ گھومنے پھرنے کی حد سے زیادہ شیدائی تھی۔ سہیلیوں کو یہ بتانا کہ اس کے بابا یونان رہتے ہیں

بڑی ہی دلچسپ بات بھی تھی لیکن اس نے خود یونان نہیں دیکھا تھا۔ یہ حیرت بھرا سوال اس کو اگلے ہی لمحے اداس بھی کر دیتا تھا۔

اب بی ایس کمپیوٹر مکمل کر لینے کے جبکہ وہ اسٹڈی سے فری ہو چکی تھی۔ اگرچہ اس کے بابا نے ایم ایس کی گردان شروع کر دی تھی۔ اور اس کا بھی ارادہ بن گیا تھا لیکن اس سے پہلے ہی چچا چچی اور بچوں کو کراچی جانا پڑ گیا۔ چچی کی بہن کی شادی تھی اور وہ پورے ایک ماہ کے لیے کراچی جا رہی تھیں۔ چچا بھی ہفتے بھر کے لیے شادی میں شرکت کرنے جا رہے تھے۔ اس موقع پر یاسمین پھوپھو کے بے حد اصرار پر بالآخر اس کے بابا نے اس کا وزٹ ویزا بھی لگوا ہی دیا۔ اور اب وہ یونان کے شہر سینٹورینی آ چکی تھی۔ نئی والدہ محترمہ بنیادی طور پر کراچی سے تھیں۔ یہاں ان کا اپنا پارلر کا بزنس تھا۔ پہلے ایک شادی ہوئی تھی لیکن وہاں اولاد کوئی نہ تھی۔

اس کے بابا سے شادی کے بعد عارب پیدا ہوا، پانچ سالہ عارب بہت کیوٹ تھا۔ سلینا نے ایک ہفتہ یہاں گھوم پھر کر گزار لیا تھا، اب تو بس بور ہی ہو رہی تھی۔

اسے یاسمین پھوپھو کے پاس جانا تھا۔ پھوپھو بھی اس سے ملنے کو بے چین تھیں، پر ان کا شہر دوسرا تھا۔ وہ روڈز میں رہتی تھیں۔ اور وہاں جانے کے لیے ہوائی جہاز، بس یا سمندر کا سفر کیا جاتا تھا۔ پھوپھو اسے کہہ رہی تھیں کہ ایروپلین سے آ جائے لیکن وہ فیری کے ذریعے جانے پر بضد تھی کیونکہ سمندر کا سفر تو اس کا خواب تھا، بلکہ ایسا دیرینہ خواب کہ جس کے لیے شاید یہی پہلا اور آخری موقع تھا جس سے وہ فائدہ اٹھا سکتی تھی۔ فیری کے ذریعے یہ سفر بارہ گھنٹوں میں طے ہونا تھا اور وہ بری طرح ایکسائیٹڈ تھی۔ زیادہ خوشی اس بات کی تھی کہ بابا نے بھی اجازت دے دی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ اب سلینا اگر آئی ہی ہے تو اپنی مرضی سے وقت گزارے اور انہوں نے اس کا ٹکٹ بھی خرید لیا۔ اور آج وہ سمندر کے سفر پر نکل رہی تھی، بھرپور سرشاری اور بے حد جوش لیے اپنے پہلے بحری سفر پر۔

یہاں اکیلے سفر کرنا چونکہ ایک معمول کی بات تھی تو کسی نے بھی اس کے اکیلے جانے کو موضوع نہ بنایا تھا، حالانکہ یہاں آ کر وہ خود بھی اندر سے تھوڑی گھبرائی ہوئی تھی کہ اگر بابا ساتھ چلتے تو زیادہ بہتر رہتا لیکن بابا کی طرف سے ایسی کوئی تشویش دکھائی دی اور نہ ہی وہ اپنا شیڈول متاثر کرنا چاہتے تھے تو سلینا نے بھی کچھ نہیں کہا۔ اور اب اس کا بحری جہاز اپنے سفر کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

یہ ایک بہت بڑی فیری تھی۔ کسی بحری جہاز سے مشابہ، اس نے یہاں بے حد جدید فیریز بھی دیکھی تھیں لیکن جس فیری میں وہ سفر کر رہی تھی وہ کسی پرانے بحری جہاز جیسی لگتی تھی۔ اور سلینا کو بھی ایسے ہی کسی جہاز پہ سفر کرنے کی خواہش تھی۔ فیری میں اس کو اپنی سیٹ ملی تھی۔ جو کہ ہوائی جہاز کی سیٹوں جیسی تھیں۔ آس پاس باقی مسافر بیٹھے تھے۔ سلینا کا موڈ بری طرح آف ہوا تھا۔ یہ تو جیسے کسی بس یا ہوائی جہاز جیسا سفر ہوا۔ اس کے ذہن میں کروز شپ تھے۔ جن پر گھوما پھرا جا سکتا تھا۔ لیکن اسے ایک سیٹ الاٹ کی گئی تھی۔ لیکن پھر کچھ ہی دیر بعد اس نے دیکھا کہ لوگ اپنی جگہوں سے اٹھ کر آرام سے گھومنے پھرنے نکل رہے تھے۔

Scanned with CamScanner

وہ بھی اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر کھسک گئی۔ ایک طویل کوریڈور کا اختتام ایک بڑے ہال نما کمرے میں ہوا۔ جس میں کیفے ٹیریا تھا۔ یہاں لوگ بیٹھے کھانے پینے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ اس نے اپنے لیے ایک سینڈوچ اور سافٹ ڈرنک لی۔ ایک کرسی پر بیٹھ کر اپنا کھانا ختم کیا۔ اور وہ اب اس جگہ سے بھی کہیں باہر نکلنے کے لیے نظریں گھما رہی تھی۔ اسے کھلی جگہوں سے سمندر کا نظارا کرنا تھا اور یہ ہال کمرا تو کسی ہوٹل سے مشابہ لگ رہا تھا اور بس۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اندازے سے ایک طرف کو چلی۔ کیونکہ جس راستے سے وہ آئی تھی وہ تو اسی بڑے ہال میں کھلتا تھا جہاں اس کی سیٹ تھی۔ اور اسے تو کہیں باہر نکلنا تھا۔ اس لیے ایک دوسرے راستے کی طرف جانے لگی۔ یہ بھی ایک طویل کوریڈور تھا۔ جس میں دائیں بائیں دروازے تھے، ایک دو کے ڈور کھلے تھے تو سمجھ آیا کہ یہ کیبن ہیں۔ اور سلینا کو بحری جہاز کے کیبنز بھی بڑے ہی پسند تھے۔ اس نے کروز شپس کی بے شمار فلمیں دیکھ رکھی تھیں۔ اس نے ایک کیبن میں جھانکا کا کوئی نہیں تھا۔ وہ بڑے شوق سے اندر آ کر اس کیبن کی ڈیکور دیکھنے لگی۔

وہ کیبن مشکل سے آٹھ ضرب چھ کا ایک چھوٹا سا کمرا تھا جس میں دائیں ہاتھ بیٹھنے کے لیے بھی نرم سیٹ تھی تو بائیں طرف بستر لگا تھا۔ دونوں کی بیچ والی جگہ میں سامنے کی دیوار کے ساتھ کھانے کی ٹیبل تھی۔ دیوار پر چھوٹا ٹی وی اور ایک سامان رکھنے کا ایلومینیم کا اسٹینڈ لگا تھا۔

کمرا بہت پیارا اور ویل فرینڈلی بھی تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کاش پہلے معلوم ہوتا تو بجائے ایک سیٹ بک کروانے کے وہ ایک پورا کیبن لے لیتی۔

اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ سامنے دیوار سے لگی ٹیبل کے پیچھے ایک پردہ لگا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر پردہ سرکایا تو اس کا منہ حیرت و خوشی سے کھل گیا۔ وہاں اس کی توقع کے عین مطابق شیشے کی ونڈو تھی جس کے پار سے سمندر دکھائی دے رہا تھا۔ اور یہ کیبن غالباً فیری کے سب سے نچلے پورشن میں تھا تب ہی سمندر کا نیچے کا حصہ دکھائی دے رہا تھا۔

وہ حیرت سے پانی کو دیکھ رہی تھی جب پیچھے آہٹ سنائی دی تو وہ چونک کر پلٹی۔ وہ ایک لوکل آدمی تھا۔ گولڈن بال، لمبوترا چہرا، عمر لگ بھگ پینتیس چالیس۔ وہ بڑی معنی خیز مسکراتی نظروں سے سلینا کو دیکھ رہا تھا۔ وہ گھبرا کر ایکسکیوزمی کہتے پاس سے نکلنے لگی لیکن اس بدتمیز نے سلینا کی کلائی تھام لی۔

"ہے پریٹی..... اسٹے ہیر (رکو یہاں)"

"نو۔ اٹس آل رائٹ۔" وہ ہاتھ جھٹک کر نکلنے لگی لیکن اس نے دوبارہ نہ صرف کلائی پکڑ لی بلکہ سلینا نے چونک کر دیکھا تو وہ اب غصے میں آ چکا تھا۔

(تم یہاں کیا کر رہی تھیں۔ اور تم یہاں ہو کیوں؟) وہ انگریزی میں بولا سلینا سمجھ گئی۔ اس نے پہلے پیار سے روکنے کی کوشش کی۔ وہ اسے کوئی غلط لڑکی سمجھا تھا لیکن جب وہ نہیں رکی تو اب وہ بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ انداز دھمکانے والا تھا کہ وہ اس کے کمرے میں پائی گئی تھی۔ سلینا کو اب یہاں سے بھاگنا تھا۔

وہ کم بخت تو اس پر چوری کا الزام بھی لگا سکتا تھا۔ اس نے اپنی ہیل کی نوک اس کی ٹانگ میں زور سے چبھوئی اور جھٹکے سے کلائی چھڑا کر باہر بھاگی۔ کوریڈور کے آخر میں چونکہ روشنی دکھائی دے رہی تھی تو وہ ادھر لپکی تھی۔ اور واقعی کوریڈور کے اینڈ پر دائیں بائیں دو راستے جا رہے تھے۔ آدمی اب اس کے پیچھے بھاگا تھا۔ سلینا نے ایک نظر پیچھے دیکھ کر بائیں سائیڈ کا رخ کیا۔ وہاں ایک دروازہ تھا، وہ اسے دھکیل کر باہر آئی تو اوپر سیڑھیاں جا رہی تھیں۔ اس نے پہلے اپنی ہیل اتار کر ہاتھوں میں لی۔ ان کے ساتھ اگر وہ سیڑھیاں چڑھتی تو وہ آدمی یقیناً اُسے فوراً آ لیتا۔ وہ جوتا ہاتھوں میں لیے سرپٹ بھاگی۔ اس کے پاس تو اب پیچھے مڑ کر دیکھنے کا وقت بھی نہیں تھا۔



Scanned with CamScanner

اب وہ بالاخر اوپر کھلے ڈیک پر آ گئی تھی لیکن نظارے دیکھنے کا وقت کہاں تھا۔ دائیں بائیں عجلت میں دیکھتے اس چھنی تما سفید باکس والی جگہ کے پیچھے آ کر چھپ گئی۔ اور اسے بالکل اندازہ نہ تھا کہ اسے یہاں چھپتے ہوئے اس آدمی نے دیکھا تھا یا نہیں۔

وہ بس چھپ کر بیٹھی اللہ کو یاد کر رہی تھی۔ اپنی بے وقوفی پر بھی سخت نادم تھی، اس طرح تانکا جھانکی کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ حتیٰ کہ اب تو اس بات پر بھی پشیمان تھی کہ کیا ضرورت تھی بھلا سمندر کا راستہ اختیار کرنے کی۔ اچھی بھلی بسیں اور ہوائی جہاز جاتے تھے روڈز تک۔ اور اب پتا نہیں آگے کیا ہونے والا تھا۔ وہ آدمی معلوم نہیں اس کی حرکت پر کیسا ایکشن لینے کی سوچ رہا تھا۔ وہ تو یہاں کے قانون بھی نہیں جانتی تھی۔ نہ یہاں کے لوگوں کی ذہنیت۔۔ اور۔ سوچیں یک لخت منقطع ہوئیں۔ آنکھوں کے عین سامنے دو جوتے آ کر رکے، اس نے ڈرتے ڈرتے اوپر دیکھا، اوہ ہا!!!! ۔ اس کا ایک طویل گہرا سانس خارج ہوا۔ وہ ایک ایشیائی لڑکا تھا۔ اب معلوم نہیں کس ملک سے تھا پر یہ وہ آدمی نہ تھا۔

''ایوری تھنگ آل رائٹ (سب ٹھیک ہے)؟ وہ ابرو تانے اس کے چھپ کر بیٹھنے کو دیکھ رہا تھا۔ پر وہ اس کی بات سننے کے بجائے جھانک کر پیچھے دیکھ رہی تھی۔

وہ پہلا آدمی اب کہیں نہیں تھا۔ شاید وہ سیڑھیاں چڑھ کر کہیں اور نکل گیا تھا۔ سلینا جھجک کر اٹھی۔ اور کپڑے جھاڑ کر ایک طرف کو جانے لگی

''ہیلو ووو۔'' لڑکا اس کی بدمزاجی پر اب تنگ کر اسے متوجہ کر رہا تھا۔ سلینا نے مڑ کر دیکھا اور کندھے اچکا کر سر نفی میں ہلایا

''نتھنگ (کچھ نہیں)۔'' اور آگے بڑھ گئی۔ لیکن اسے اب بھی معلوم نہیں تھا کہ اسے کس طرف جانا ہے۔ وہ چاہتی تو یہی تھی کہ اب چپکی ہو کر اپنی اسی سیٹ پر جا بیٹھے لیکن یہ فیری بھی بہت بڑی بلا تھی۔ نجانے وہ کہاں سے کہاں نکل آئی تھی۔ یہ شاید شپ کا سب سے آخری حصہ تھا۔ کیونکہ سامنے کی نوک تو اسے اپنی سیٹ سے صاف دکھائی دے رہی تھی۔ جبکہ یہ نوک کے بجائے چوکور سا کھلا ڈیک تھا جہاں غالباً فیری کا اختتام ہو رہا تھا۔ اسے سامنے ایک دروازہ دکھائی دیا تو وہ اس کی طرف بڑھ گئی اور کھینچا تو وہ نہیں کھلا۔ اب وہ زور سے اسے کھینچ رہی تھی، وہ لڑکا اپنی براؤن جیکٹ میں دونوں ہاتھ پھنسائے اس کے پیچھے آیا۔

''دس از ناٹ فار پیسنجرز۔ آر یو لوکنگ فار دا ہیسمنٹ (یہ مسافروں کے لیے نہیں ہے۔ کیا تم نیچے جانا چاہتی ہو؟)'' وہ حیران ہو کر پوچھ رہا تھا اور وہ ہاتھ جھاڑتے فوراً پیچھے ہٹی، واقعی وہ یہاں سب کو پاگل لگ رہی تھی۔

نن۔نو۔ جسٹ ایکسپلورنگ (نہیں بس دیکھنے کا شوق) وہ کندھے اچکا کر ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے بولی، لڑکے نے اس کی صاف انگلش پر حیرت سے سوچا اور اس کی شکل کو بغور دیکھا

''ویئر آر یو فرام؟ (تم کہاں سے ہو؟)''

''انڈین۔؟'' وہ سوال کیے جا رہا تھا۔ صاف لگ رہا تھا کہ وہ اس کی شکل و صورت، حلیے اور لہجے کی وجہ سے سوچ میں پڑ گیا تھا۔ لیکن سلینا کا اسے جواب دینے کا کوئی ارادہ نہ تھا اور شہریت بتانے کا تو بالکل نہیں۔ پر اچانک اسے لڑکے کے پیچھے وہی آدمی دوبارہ دکھائی دیا۔

''زکو۔'' سلینا تو مشکل میں انگلش بھی بھول گئی۔ چلا کر اس کی جیکٹ کھینچی تو وہ تعجب سے پلٹا۔ اب اس کی آنکھوں میں بڑی مسکراتی سی چمک تھی۔

''زکو۔ وہ'' ہنستے ہوئے اس کی بات دوہرا رہا تھا۔ ''کہاں سے ہو؟'' اب وہ بھی اردو میں بات کر رہا تھا۔

''پاکستان۔'' سلینا اسے اردو میں بات کرتے دیکھ کر اس بار جھوٹ نہیں بول پائی۔ اور اس وقت جیسی مشکل میں وہ پھنسی تھی۔ ایک ہم زبان کا مل جانا تو سوائے کی اللہ مدد کے اور کچھ نہ تھا۔

"گریٹ۔ میں بھی پاکستانی ہوں۔ لیکن تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہو۔" اور۔ وہ بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں پیچھے دیکھنے لگا۔

"تم کس سے چھپ رہی ہو۔؟"

"وہ آدمی۔ تمہارے پیچھے۔ ابھی اس نے دروازے سے جھانکا۔ لیکن مجھے نہیں دیکھ پایا تو واپس چلا گیا۔ اُف۔" اس نے ایک گہرا سانس نکالتے دروازے سے ٹیک لگائی۔

"یہاں آؤ......" اس نے ذرا دور ایک بنچ کی طرف اشارہ کیا۔ بنچ کا منہ دوسری طرف تھا۔ سلینا نے سوچا اگر وہ اس بنچ پر بیٹھ جائے تو دروازے میں آکر جھانکنے والوں کو وہ دکھائی نہیں دے گی۔ فی الحال لڑکے کی بات مانتے یہاں بیٹھنا ہی بہتر تھا۔

"ہوں۔ تو کیا معاملہ ہے؟" وہ اب بنچ پر یوں بیٹھا تھا کہ کہنی اس نے بنچ کی بیک پر رکھی ہوئی تھی اور وہ ترچھا سا ہو کر ایسے بیٹھا تھا کہ رخ سامنے اسی دروازے کی طرف تھا جہاں سے اس آدمی نے جھانکا تھا۔ اور سلینا نے فوراً ہی اسے ساری بات جوں کی توں بتادی۔

"اب مجھے نہیں پتا کہ یہ آدمی میرے پیچھے کیوں پڑ گیا ہے۔ ان لوگوں کی تصویر بھی نہیں معلوم، کیسی ہوئی ہے۔"

"دیکھو! اب کوئی اس کے کیبن میں موجود تھا تو اس کا مشکوک ہونا بھی جائز ہے۔ اس کے لیے تم ابھی ہونا۔" لڑکے نے سمجھانے کی کوشش کی تو سلینا کی آنکھوں میں پانی اتر آیا۔ وہ تو جوابا کسی ایسی تسلی کی منتظر تھی کہ جس سے اسے اپنا بوجھ اور پریشانی زائل ہوتی دکھائی دیتی۔

"نہیں۔ میرا مطلب ہے تم بھاگنے کے بجائے فیس کرتیں اور کوئی سولڈ جواب دے کر آتیں۔" لڑکے نے آنسو دیکھ کر جلدی سے وضاحت دی۔

"اس نے میرا ہاتھ پکڑا تھا۔ کنزی کیسے رہتی۔" اس کا تیرتا آنسو گال پر اتر ہی آیا۔ اور پیچھے تو جناب پوری لڑی تھی پانی کی۔ لڑکا بری طرح پشیمان ہوا۔ بات تو ٹھیک تھی بے چاری کی۔ وہ بھلا "لڑکی" کے انداز میں کہاں سوچ رہا تھا۔

"اِم م م ہاں۔ سوری۔ یو آر رائٹ۔ لیکن اب تو فیس کر سکتے ہیں اس کو۔" اسے اچانک کچھ خیال آیا۔

"کیوں۔ سامنا کیوں کریں۔؟" وہ بری طرح گھبرائی۔

"سامنا تو ہوگا بابا۔ ابھی ہمارے سفر کے دو گھنٹے نہیں ہوئے۔ پورے دس گھنٹے باقی ہیں۔ تمہیں لگتا ہے ہم یہ دس گھنٹے چھپتے چھپاتے گزار دو گی؟"

"لیکن سامنا کیا تو گرفتار نہ کروا دے؟"

"ڈونٹ وری۔ اب تو میں ساتھ ہوں نا۔ دیکھو ہم نہ صرف ہم زبان ہیں بلکہ ہم وطن بھی ہیں۔ یہ کہنا کہ ہم ایک ساتھ ہیں کوئی مشکل نہیں۔ اور دوسری بات۔" اس نے تھوڑا سا سیدھا ہوتے سائیڈ جیب سے کچھ نکال کر سامنے ہتھیلی پر رکھا۔

"چابی۔؟" سلینا نے حیرت سے ہتھیلی پہ رکھی چابی اور پھر لڑکے کو دیکھا۔

"نیچے کی راہداری میں ایک کیبن میرا بھی ہے۔" اس نے چابی کو گھما کر خود بھی اس کا نمبر دیکھا 340 میرا روم نمبر، ہم دونوں واپس اسی جگہ جاتے ہیں۔ تم اس کو وضاحت دینا کہ میں اپنا ہی کیبن ڈھونڈ رہی تھی لیکن غلطی سے ادھر آگئی۔"

"اپنا۔؟ وہ زور سے چلائی" میں تمہارے کیبن کو اپنا کیسے کہہ دوں۔؟"

"ہم دونوں ساتھ ہیں فولش۔" وہ بھی دبا دبا چلایا تو سلینا رک سی گئی۔ اس مرتبہ آنکھیں چھوٹی کرکے لڑکے کو دیکھا۔ اب اسے لڑکے کی نیت پر شبہ ہونے لگا۔ کہیں وہ اس کے ساتھ ڈبل گیم۔

"لیکن ہاں۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم میرے کیبن میں جھانک بھی سکتی ہو۔ وہاں میرا بہت ضروری سامان پڑا ہے۔ ہم تو جسٹ ایک بہانا بنا رہے ہیں۔ اس کو چابی دکھا کر اس کی تسلی کروائیں



Scanned with CamScanner

گے اور کل آ ئیں گے، واپس یہیں۔"

وہ اپنی لہر میں آ گے کی بات بھی بتانے لگا اور سلینا دل ہی دل شرمندہ ہو گئی۔ وہ واقعی غلط سوچ رہی تھی۔ وہ تو کیبن میں جھانکنے سے بھی منع کر رہا تھا اور وہ اس بہانے کو اس کا فریب بھی سمجھنے لگی تھی۔

"تو اب۔؟ آئی مین ہم جائیں اس کو ڈھونڈنے۔ یا اس کا ویٹ کریں؟"

"نہیں بھئی اس کا ویٹ کیوں کریں۔ چلو آؤ۔" وہ اپنی جینز کو کھینچ کر اوپر کرتا چلنے کے لیے ریڈی تھا۔ ابرو سے سامنے دروازے کی طرف اشارہ کیا۔

"یہیں سے چلیں گے۔ اور۔ تم مجھے بھی دکھانا کہ اس کا کیبن کون سا تھا۔ کیا پتا کہیں آس پاس والا ہی ہو۔ پھر تو اور بھی آسانی ہو جائے گی۔" وہ اب آگے آگے چلنے لگا تھا۔ دروازہ کھول کر اس نے سیڑھی پر قدم رکھا اور دونوں نیچے اترنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ اس راہداری میں داخل ہو گئے جس کے دائیں بائیں کیبنز تو سامنے راہداری کے اختتام پر بڑا سا ہال اور کینٹے تیریا تھے۔

"وہ کیبن تھا۔ وہ۔" اس نے راہداری کے آغاز والے چوتھے کیبن کی طرف اشارہ کیا۔

"ہوں۔ اور میرا کیبن اس سے۔۔" وہ نمبر شمار دیکھنے لگا۔ "کم از کم چھ سات روم پہلے ہے۔۔ چلو کوئی نہیں۔ کنفیوژن تو ہو ہی جاتی ہے۔ آؤ۔ اور یہ چابی تم اپنے ہاتھ میں رکھو۔"

اس نے چابی سلینا کو دی۔ دونوں ہال کی طرف بڑھنے لگے، وہاں کینٹے میں اب بھی کافی مسافر موجود تھے۔ سلینا کی نظریں ہال میں داخل ہوتے ہی چہار جانب گردش کرنے لگیں، پر جس آخری سمت میں اس نے سب سے آخر میں دیکھا، وہاں وہ گولڈن بالوں والا نہ صرف موجود تھا بلکہ سلینا کو دیکھ بھی چکا تھا اور اسی طرف بڑھ بھی رہا تھا۔

"وہ۔ وہ۔ وہ۔" سلینا نے عجلت سے بتانا شروع کیا۔

"اوکے۔ اوکے۔ نارمل رہو۔" لڑکے نے دبی دبی تنبیہ کی۔

"یار۔ تمہارا نام کیا ہے؟" لڑکے کو اچانک خیال آیا کہ اگر کسی نے ان کا انٹرویو شروع کر دیا تو وہ ایک دوسرے کے متعلق تو خاک نہیں جانتے۔

"سلینا احمد۔" اس نے بھی جلدی سے بتایا۔

"اور تم؟"

"حمزہ علی؟" اس نے بھی عجلت میں بتایا۔ وہ آدمی اب جمگھٹے کے درمیان سے ہوتا ان تک پہنچنے کی کوشش میں تھا۔

"کہاں سے ہو۔ پاکستان سے؟" حمزہ اور وہ ساتھ ساتھ کھڑے بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اور ہال کو یوں دیکھ رہے تھے جیسے بیٹھنے کے لیے جگہ دیکھ رہے ہوں۔

"اسلام آباد۔ اور تم۔؟" سلینا کے گلے میں خشکی کا پھندا پڑنے لگا۔ آدمی تقریباً سر پر پہنچ چکا تھا۔

"سکھر۔ سندھ۔" اس نے جلدی سے بتا کر مصنوعی مسکراہٹ سے سلینا کو دیکھا۔ دائیں جانب ایک سیٹ کی طرف اشارہ کیا اور تائید چاہی کہ کیا خیال ہے۔ سب کچھ اس گولڈن بالوں والے کو دکھانے کے لیے تھا کہ جیسے انہیں ارد گرد کی تو پرواہ ہی نہیں۔

"اگر وہ پوچھے کہ ہم آپس میں کیا لگتے ہیں تو؟" سلینا نے اسے نزدیک پہنچتے دیکھا تو جلدی سے سوال کیا۔ حمزہ نے سوچنے کے لیے وقت لیا۔

"آں۔ ہم۔ آپس میں۔"

[illegible] (ارے سنو!)"۔ آدمی نے بازو سے تھام کر حمزہ کو روکا۔ اور حمزہ نے انتہائی حیرت لیے اس آدمی کو چونک کر دیکھا۔

"آئی وانا ٹاک ٹو دس گرل۔ شی واز ان مائی کیبن۔ (مجھے اس لڑکی سے بات کرنی ہے۔ یہ میرے کیبن میں تھی)۔" وہ خود بھی چونکہ یونانی تھا تو صاف سادہ انگلش میں بول رہا تھا۔

"میں غلطی سے گئی تھی۔" سلینا نے ایک نظر اس آدمی کو دیکھ کر فوراً حمزہ کی طرف دیکھا۔ "تمہیں

بتایا تھا۔ تم کوئی ڈھونڈ رہی تھی۔"

"یہ ہماری چابی ہے۔ ہمارے اپنے کیبن کی چابی۔" وہ گھبرا کر ساری وضاحت ایک ساتھ دیتے اب چابی لہرا رہی تھی۔ حمزہ نے اپنی ہنسی روکی۔

ازنی وِد یو۔؟ (یہ۔ تمہارے ساتھ ہے؟) وہ اب ابرو بھینچے حمزہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یس، وی آر فرینڈز۔ اینڈ لیسن۔ اٹس نو بگ ڈیل۔ لیٹ اٹ گو۔ (ہاں۔ ہم فرینڈز ہیں، اور سنو، یہ کوئی اتنا سیریس معاملہ نہیں ہے۔ چھوڑ دو اس بات کو)۔"

حمزہ جب بولا تو وضاحت کے بعد لہجہ ذرا درشت بھی کر لیا۔ آخری جملے تک چہرے پہ انتہا کی سنجیدگی آچکی تھی۔ وہ آدمی صاف دب سا گیا تھا۔ ایک نظر حمزہ کے ہاتھ کی طرف دیکھا جسے باتوں کے دوران ہی بڑے غیر محسوس انداز میں حمزہ نے سلینا کی انگلیوں میں پھنسا لیا تھا۔ وہ آدمی ایک ہنکارا بھرتے وہاں سے ہٹ گیا۔

"چلو۔" حمزہ نے ہال سے پلٹ کر واپس اسی راہداری کا رخ کیا اور راہداری میں داخل ہوتے ہی اس کا ہاتھ چھوڑ کر دو قدم آگے ہو گیا اور اپنے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر ایک مرتبہ پھر اسے پچھلے ڈیک پر لے آیا۔ یہاں خوش گوار سی ہوا اور کھلا کھلا سا منظر تھا اور لوگ بھی نہ ہونے کے برابر تھے۔ وہ دونوں ایک مرتبہ پھر اسی بنچ پر آ کر بیٹھ گئے۔

"تمہارا نام سلینا کیوں ہے؟" وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا اور داڑھی کھجاتے جیسے کب سے اسی سوچ میں گم تھا۔ سلینا نے تعجب سے اسے دیکھا اور پھر ہنس دی۔

"کیا مطلب۔؟"

"بھئی یہ تو گریک نیم ہے۔ یہاں یونان میں بہت رکھا جاتا ہے۔"

"ہاں جی میرا نام بھی میرے تایا نے شاید اسی لیے رکھا تھا کیونکہ وہ یہیں رہتے ہیں۔ انہوں نے بھی سنا ہوگا، انہیں اچھا لگا۔"

"مطلب معلوم ہے؟" وہ اب پوچھ رہا تھا۔

"ارے بس۔ اب یہ مطلب مجھ سے کوئی نہ پوچھا کرے۔" اس نے ایکدم ہی منہ بسورا تو حمزہ متعجب ہوا۔

"اچھا۔ اب تو ضرور پوچھوں گا۔ بلکہ ہاں۔" اس نے جیکٹ کی جیب سے اپنا موبائل نکالا

"چاند کی دیوی۔" اسے موبائل نکالنے کی وجہ جونہی سمجھ میں آئی فوراً ہی پھوٹ دیا تو حمزہ نے قہقہہ لگایا۔

"دیکھا۔" سلینا نے منہ پھلایا۔ "اسی لیے نہیں بتاتی۔ اب کسی سے یہ کہنا کہ میرے نام کا مطلب چاند کی دیوی ہے، دوسرے لفظوں میں اپنے منہ سے یہ بتانا ہوتا ہے کہ میں چاند کی دیوی ہوں"

"تو۔ کیا حرج ہے۔ ہو تو نہیں نا۔" وہ ابھی تک ہنسے جا رہا تھا۔ سلینا نے ناک سکوڑ کر دوسری جانب دیکھنا شروع کر دیا۔ یہ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ موسم یہاں بہت معتدل اور خوش گوار تھا ان دنوں۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر جنگلے کا رخ کیا۔ سفید جنگلے پہ ہاتھ رکھے اس نے سامنے بٹنوں میں پھنسا دھوپ کا چشمہ ماتھے سے اوپر لے جاتے اپنے بالوں میں اٹکا کر ہوا سے اڑتے بالوں کو ایک طرح سے سمیٹا۔

اب وہ دور تک پھیلے نیلے سمندر کو دیکھ رہی تھی۔ یہاں اب تین اطراف میں سمندر تو ایک جانب ایک جزیرہ گزرتا دکھائی دے رہا تھا۔ چھوٹا سا خشکی کا قطعہ تھا۔ اتنا بھی چھوٹا نہ تھا لیکن دوری کی وجہ سے چھوٹا سا آئی لینڈ دکھائی دے رہا تھا۔ وہ اسے دلچسپی سے دیکھتے اب اپنے موبائل سے تصاویر بنا رہی تھی۔

"کبھی کوئی آئی لینڈ دیکھا ہے؟" وہ قریب آ کھڑا ہوا۔

"کبھی نہیں۔ اور شوق اتنا ہے کہ اس کے لیے میں کوئی بھی قیمت ادا کر سکتی ہوں۔ میں نے آئی لینڈ والی شاید ہی کوئی مووی مس کی ہو۔"

"پہلی مرتبہ آئی ہو۔ یونان؟" ان کے

درمیان سوال جواب بھی اب ہی ہو رہے تھے۔ لیکن پچھلی کیبن والی غلط فہمی کو دور کرتے وہ ایک دوسرے سے اتنے گھل مل گئے تھے کہ اس کے سوالوں کے سہولت سے جواب دیتے جانا سلینا کو بالکل عجیب نہ لگ رہا تھا۔

"ہاں۔ فرسٹ ٹائم ہے۔ اور۔ تم؟" وہ موبائل بند کر کے اب اس کو دیکھ رہی تھی

"میں تو یہیں رہتا ہوں سینٹورینی میں۔ دو سالوں سے۔"

"او۔ کیا کرتے ہو؟"

"پہلے ایک ہوٹل میں ریسپشنسٹ تھا۔ بٹ وہ بہت بورنگ ہے۔ پھر ایک شاپنگ مال میں سیلز مین رہا۔ پر وہ کام بھی جچا نہیں۔"

"تو۔ یعنی اب کچھ نیا کرنے جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ کچھ بہت ایکسائٹنگ۔" وہ زیر لب مسکرایا

"ارے واہ۔ ایسا کیا ہے؟" وہ پوری متوجہ ہوئی اب وہ جنگلے سے ٹیک لگائے شپ کی جانب منہ کیے ہوئے تھی۔

"امممم۔ بزنس ہے، ایک جاننے والے ہیں انہوں نے بلایا ہے۔ دیکھو کیسا رہتا ہے۔" اب وہ کچھ کترا رہا تھا۔

"تم بھی روڈز جا رہے ہو؟"

"ہاں۔ لیکن بس کچھ دنوں کے لیے۔ اور تم۔ کب تک ہو یہاں؟" اس نے خود ہی بات بدل دی۔

"ایک ماہ کے لیے آئی ہوں۔ آج نواں دن ہے۔"

"تو گھومنے جا رہی ہو۔ یہاں۔ روڈز؟"

"نہیں۔ میری پھوپھو رہتی ہیں۔ اب کچھ دن وہیں رہوں گی۔"

"تو اس سے پہلے کے نو دن کہاں رہیں؟" وہ حیران تھا۔ سلینا ہنس دی

"اپنے بابا کے گھر۔ ایکچولی میں اپنے بابا کے پاس آئی ہوں۔ ان ہی نے ویزا لگوایا ہے۔ پر وہاں رہنے میں زیادہ چارم نہیں تھا۔ یہاں آنے کی بڑی وجہ پھوپھو ہی ہیں۔"

"بابا اکیلے ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ ان کی وائف بھی ہے۔"

"اور تمہاری امی؟"

"ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"

"اوہ۔" وہ کچھ کچھ اس کی کہانی تک پہنچ گیا۔

"اسٹوڈنٹ ہو؟" حمزہ نے پرسنل لائف کو خود ہی ترک کر دیا۔

"بی ایس کمپیوٹر کیا ہے ابھی۔ ایم ایس کا سوچ رہی ہوں۔"

"گریٹ۔ پڑھی لکھی ہو خوب۔" وہ امپریس ہوا۔

"تم نہیں پڑھے؟" سلینا نے اس کی نوکریاں سن کر بھی یہی اندازہ لگایا۔ دیکھنے میں بڑا ہی ماڈرن اور ڈیشنگ نوجوان تھا۔ لیکن۔

"شوق بھی نہیں تھا اور مواقع بھی کم ملے۔ اور بس کمانے کے لیے نکل آیا۔"

"بالکل بھی نہیں پڑھے؟" وہ حیران تھی، کیونکہ لڑکے نے انگلش تو کافی شستہ بولی تھی

"نہیں خیر۔" وہ ہنسا "بارہ جماعتیں پاس ہوں۔ بس اس کے بعد نہیں سوچا۔" وہ بتاتے ہوئے کچھ شرمندہ سا دکھائی دیا۔ سلینا نے دور دیکھا۔ پچھلا آئی لینڈ گزر چکا تھا، آگے ایک اور دکھائی دینے لگا تھا۔

"ہم کسی آئی لینڈ کے قریب سے بھی گزریں گے؟" سلینا نے جان بوجھ کر بات بدلی، لڑکے کو شرمندہ دیکھنا اسے اچھا نہیں لگا تھا

"آئی مین۔ یہاں کوئی مسافر ہو شاید جس نے یہاں اترنا ہو؟" اس کے لہجے میں امید تھی، کیونکہ جزیرے تو دور دور سے گزرتے جا رہے تھے۔

"تم ان جزیروں پر ذرا غور کرو۔" اس نے ابرو سے دور اشارہ کیا تو سلینا بھی دیکھنے لگی



Scanned with CamScanner

"کیا یہ تمہیں آباد دکھائی دیتے ہیں؟ یہاں اُتر کر مسافر بیچارے نے مرنا ہے۔"

"پر۔ مووی میں تو۔" اس کا لہجہ مایوسانہ اور دبا دبا سا تھا۔ کہنا بہت کچھ چاہتی تھی پر الفاظ ہی نہیں ملے

"ابھی ایک دو آئی لینڈ ایسے آئیں گے جن کے باقاعدہ پورٹ بنے ہوں گے۔ وہاں تمہیں چھوٹی یاٹ، فیریز اور ساحل کا ہلا گلا سب دکھائی دیں گے۔ وہاں شاید یہ فیری بھی رک کر مسافروں کو اتارے گی۔"

"وہ تو پھر شہر ہوئے نا۔ ویسے ہی جیسی جگہ سے ہم روانہ ہوئے ہیں۔" اس نے منہ بگاڑ کر کندھے اچکائے

"ہاں۔" وہ ہنسا۔ "میں سمجھ گیا، تم چاہتی ہو کسی فلمی قسم کے ویران آئی لینڈ کے کنارے ہماری فیری رُکے اور تم وہاں کی سیر کرو۔"

"وہی تو۔" وہ ہلکا سا چلائی۔ "ایسا کیوں نہیں ہوسکتا۔"

"ہوسکتا ہے۔" اس نے بڑے تدبر سے سر ہلایا "بس یہ فیری کسی چٹان یا طوفان سے ٹکرا کر ٹوٹے ٹوٹے ہو جائے، آن کی آن باقی سب مسافر تو پتا نہیں کہاں چلے جائیں پر ہیروئن کے ہاتھ ایک تختہ لگے اور اس کی بحفاظت کسی جزیرے پر آنکھ کھلے۔ اور پھر وہ آرام سے درختوں کے پھل کھاتی اس جزیرے کی سیر کرنے لگے۔"

ہاہا۔ وہ ہنستے ہوئے پوری کی پوری گھوم گئی۔

"مووی تو تم نے بھی لگتا ہے سب دیکھ رکھی ہیں۔"

"زیادہ نہیں۔ پر ٹائی ٹینک بہت بار دیکھی ہے۔"

"ہوں۔ اس میں بھی صرف ہیروئن بچ گئی تھی۔" وہ سر ہلا رہی تھی۔

"دکھی اینڈ اچھے نہیں ہوتے۔" وہ اب لب بھینچے سنجیدگی سے تبصرہ کر رہا تھا۔ سلینا نے اس کی طرف دیکھا ٹائی ٹینک شاید اس کی فیورٹ مووی تھی۔ وہ پورا جیسے اس کی یاد میں گم ہو گیا تھا۔

"میں نے بارہا ذہن میں اس کا اینڈ تبدیل کیا تھا۔" سلینا نے جیسے پرانی کوئی بات یاد کی

"ارے سچ۔ میں نے بھی۔" وہ خوشی سے چہکا

"مجھے لڑکے کی موت سے شدید اختلاف تھا۔ بھئی آپ اتنا سرمایہ لگا کر ایک فلم بنا رہے ہیں۔ اب اس کو اتنا ریلیسٹک بنانے کی کیا ضرورت ہے۔ دیکھنے والوں کا دل خوش ہونا چاہیے۔"

"ہاں۔ پیسہ لگا کر درد مول لینا ہوا یہ تو۔" وہ بھی فلموں کے دکھی اختتام کے سخت خلاف تھی۔ دونوں اب اس نئے آئی لینڈ کو دور سے گزرتے دیکھ رہے تھے۔

"اچھا سنو نا۔ ایسے آئی لینڈز کو دیکھنے کا طریقہ کیا ہے؟"

"سیاح آتے ہیں یہاں۔ لیکن اس کے لیے یہ نہیں ہوسکتا کہ یہ مسافر فیری رُک کر تمہاری خواہش پوری کرے۔ تم جب اپنی پھوپھو کے گھر پہنچ جاؤ تو اُن سے کہنا۔ یہاں ہر جگہ قریبی جزائر کی سیر کے لیے اسپیشل بوٹس چلتی ہیں۔"

"تھینکس۔ میں ضرور کوشش کروں گی۔"

"لیکن وہ مزا نہیں آئے گا جو شپ کی تباہی کے بعد آتا ہے۔" وہ معنی خیزی سے مسکراہٹ دبائے جتا رہا تھا۔ سلینا بھی ہنس دی۔

"ہوں۔ طوفان کے بعد آئی لینڈ پہ پھنسنا۔ ویسے میں اکیلے بچ جانے کے تصور کے بھی خلاف ہوں۔ شاید ایک عورت ہونے کے ناتے یہ ذرا خوفناک ہے۔" اسے جھرجھری سی آئی۔

"کسی" کے ساتھ سروائیو کرنا۔ بھی۔ خطرناک ہی ہے۔ شاید ایک عورت ہونے کے ناتے۔" وہ اب شرارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ سلینا کو بے ساختہ ہنسی آئی، جواب بھی بن نہیں پایا۔

"اُم م م۔ اکیلے کی اسٹوری ہی بن نہیں پائے گی۔ اکیلے بھلا کیا کرے گی آئی لینڈ پر۔"

"نہیں، میں نے آدمیوں کی بہت ساری



Scanned with CamScanner

موویز دیکھی ہیں جن میں پوری فلم اکیلے کے دم پر بڑی دم دار ثابت ہوئی۔ وہ بے تا بہت مشہور مووی۔ کاسٹ اوے۔"

"ہاں، کمال مووی ہے۔"

"اب دیکھا جائے تو ہوتا یہ بھی سچ نہیں۔ حقیقت میں بھلا ایسا کہاں ہوتا ہے۔ لیکن مووی کے حساب سے ایکدم پرفیکٹ تھی۔ اسی لیے کہتا ہوں ٹائی ٹینک میں ہیرو کی موت نہیں ہونی چاہیے تھی۔"

"اللہ۔" سلینا نے آنکھیں گول گھمائیں۔" تمہارا یہ درد بھی کم نہیں ہوگا۔"

"ہاں شاید۔" وہ ایکدم ہی ہنسا تھا پر ہنسی کچھ الگ اور عجیب تھی۔ سلینا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ دور سمندر کے نیلے پانی کو تکتے واقعی کہیں کھوسا گیا تھا۔

"درد" کچھ ایسے ہی تو ہوتے ہیں۔ بلکہ ہاں۔ جنہیں ہم دوبارہ لکھنا چاہیں وہ درد ہی تو ہوتا ہے۔ جنہیں ہم مٹانا چاہیں وہ بھی درد ہی ہوتا ہے۔ ہماری ہول لائف جس میں نجانے کتنے چیپٹرز ہیں جو ہمارے بس میں نہیں۔ پر وہ درد کی ایک چھوٹی سی پوٹلی بن کر ہمارے اندر کے کنویں میں گر جاتی ہے۔ اور جسے ہم کبھی کھولنا نہیں چاہتے، پر وہ ہماری زندگی کا ایک ایسا صفحہ ہوتا ہے جو لکھ دیا گیا۔"

وہ بظاہر پانی کو دیکھ رہا تھا پر سلینا نے نوٹ کیا اس کا انگوٹھے کا ناخن مسلسل جنگلے کے سفید پینٹ کو اضطراری کیفیت میں کھرچ رہا تھا۔

"اور ایک ہمارے بچپن کی کہانیاں تھیں۔" سلینا نے بھی ایک آہ بھری۔ "تم تو برے اینڈ کو دوبارہ لکھنے کی بات کر رہے ہو، جبکہ بچپن کی کہانیاں۔ یاد ہیں وہی جو "ایک دفعہ کا ذکر۔" سے شروع ہو کر ہنسی خوشی رہنے لگے پہ ختم ہوتی تھیں۔ وہ کتنی اچھی ہوا کرتی تھیں۔ انہیں ہم کبھی تبدیل نہیں کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ عین ہماری مرضی مطابق ہوتی تھیں۔"

"وہ تو بس کہانیاں ہی ہوتی ہیں۔ ان کا اصل سے کیا لینا دینا۔" حمزہ کی بھی آہ نکل گئی۔

"ارے۔ وہ دیکھو بھنور۔" حمزہ نے اچانک ہی اسے بازو سے ہلا کر سامنے متوجہ کیا تو سلینا بھی ہوش میں آئی۔

"کیا۔" وہ ہر طرف دیکھ رہی تھی۔ "کیا کہہ رہے ہو؟"

"وہ دیکھو دور سمندر میں ہلچل دکھائی دیتی ہے؟" اس نے انگلی کا اشارہ کیا تو سلینا نے دیکھا۔ قریب چالیس پچاس فٹ دور واقعی پانی کی کچھ حرکت تو تھی۔

"وہاں پانی میں بھنور ہے۔ گول گول گھومتا چکر۔ جو پورے پورے شپ اپنی لپیٹ میں لے سکتا ہے۔"

"بھنور؟" سلینا کا دل ڈوب کے کہیں نیچے پھسلا۔ اسے جیسے مدت پہلے کا کہیں پڑھا ہوا یاد آیا کہ سمندر میں بننے والے بھنور کیا ہوتے ہیں۔

"ہاں ہاں بچے۔" وہ ہنس رہا تھا کیونکہ وہ بھنور اب پیچھے رہ گیا تھا اگرچہ حمزہ ابھی تک اُدھر ہی دیکھ رہا تھا۔

"آگے پھر سے آ گیا تو؟" سلینا سچ مچ ہی گھبرا چکی تھی۔

"اتنی آسانی سے بھی نہیں آتے۔ ایسا ہوتا تو سمندر میں روز لاکھوں ہزاروں سفر کامیابی سے نہ طے ہوتے۔"

"اگر ہم اس کے نزدیک ہوتے تو؟" سلینا کی ابھی تک آنکھیں پھیلی تھیں۔

"پندرہ بیس فٹ دور ہوتے تو بھنور ہمیں کھینچ بھی سکتا تھا۔" وہ بڑے آرام سے بتا رہا تھا اور وہ تھوک نگلتے کبھی اسے تو کبھی اس دور جاتے بھنور کو دیکھ رہی تھی جس کی ہلکی سی ہلچل اب بھی دکھائی دے رہی تھی۔

"ایک بار ہمارا شپ بڑی مشکل سے بچا تھا، ہم تقریباً اس گول گول چکر کھاتے پانی کا شکار ہونے ہی والے تھے۔ لیکن ہمارے کپتان کی ہمت کہ اس نے شپ کو بجائے سیدھا رکھنے کے بالکل ہی مخالف



Scanned with CamScanner

سمت میں گھماتے ہمیں اس بلا سے محفوظ کرلیا تھا۔
اور وہ بہت بڑا اسنور تھا۔" حمزہ اسے اپنے کسی سفر کے متعلق بتا رہا تھا

"میں نے سچ کہا تھا۔ یہ میری زندگی کا پہلا اور آخری سفر ہے۔" وہ خوف کی تصویر بنی جیسے اپنا فیصلہ سنا رہی تھی

"تم نے ایسا کہا تھا؟" وہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔ "کب، کس سے کہا؟"

"یونہی ایک وش کی تھی کہ بحری جہاز کے سفر کی خواہش کسی طرح پوری ہو جائے۔"

"بس پھر اسی کا بھگتان ہے۔" وہ ہنسا۔
"میری دادی کہتی تھیں منہ سے سوچ سمجھ کر جملہ نکالنا چاہیے۔ ہم جو بے خیالی میں کچھ بھی بونگیاں مارتے ہیں، وہ قدرت بھی کبھار سچ کر دیتی ہے۔ لہٰذا سوچ کر بولنا اچھا ہوتا ہے۔"

"تم نے ڈرایا ہے مجھے۔" وہ منہ بسور کر کھڑی تھی۔ "اوپر سے وہ جو سب سے پہلے ہوا، اس سے بھی میں کتنا ڈر گئی تھی۔ بھاڑ میں جائے سولو سفر (اکیلے سفر)۔ کسی کا ساتھ ہونا بھی کتنا ضروری ہوتا ہے۔"

"تم نے کچھ نوٹس کیا؟" وہ مسکراتے ہوئے پھر اسے کچھ دکھا رہا تھا۔ سلینا البتہ پھر سے ڈر گئی۔

"کک۔ کیا ہوا۔ اب کیا ہے؟" اس نے مضبوطی سے جنگلے کو تھام لیا تھا۔

"ارے یار۔ کتنا ڈرتی ہو تم۔" اس نے ہاتھ پھیلا "میں تمہیں سمندر کا کلر دکھا رہا ہوں۔ صبح کی روشنی میں اس کا مدھم کلر کچھ اور تھا۔ بس آسمان جیسا آسمانی سا۔ پر اب تم اس کے گہرے نیلے پن پر غور کرو۔"

"ہاں۔" سلینا نے بھی اب غور کیا، "جیسے کسی نے پانی میں نیل گھول دیا ہو۔ اتنا گہرا نیلا۔ اور۔ ڈراؤنا سا۔" وہ اسے کن اکھیوں سے دیکھتے تائید چاہ رہی تھی۔ اس نے لب بھینچ کر تاسف سے دیکھا

"تم چیزوں کو بس ایک ہی رخ سے دیکھتی ہو۔ ڈراؤنا، خوف ناک، بھیانک، ہولناک۔" وہ ہاتھوں کو پھیلائے اس کی نقل اتار رہا تھا۔ سلینا نے اسے بے ساختہ مکا مارا، لیکن پھر جھینپ کر سیدھی ہو گئی۔ وہ اس کا کچھ نہیں لگتا تھا۔ اس خیال سے دل بری طرح دھڑکا اور وہ بلا وجہ موبائل نکال کر سمندر کی تصاویر بنانے لگی۔ اور حمزہ گہرے نیلے پانی کو دیکھتے اپنے بائیں بازو پر لگے کے درد کو دھیرے دھیرے محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

"بھوک لگی ہے؟" سلینا نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ ان کے سفر کے چھ گھنٹے گزر چکے تھے۔ اور وہ تب سے اسی ڈیک پر موجود سمندر ہی دیکھے جا رہے تھے۔ دھوپ بھی اب چبھنے سی لگی تھی۔ یہ نظارا اب اکتاہٹ بھرا ہو گیا تھا۔

"ہاں، بھوک تو واقعی لگی ہے۔"

"تو چلو، کینٹے ٹیریا جاتے ہیں۔" وہ دونوں اسی پرانے راستے سے ہال کی طرف جانے لگے۔ یہاں نیچے اترتے ہی لوگوں کا ملا جلا شور سنائی دینے لگا تھا۔ سلینا حیران ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہاں کسی کو بھی سمندر کے نظاروں سے واقعی کچھ دلچسپی نہ تھی۔ سب کیسے ان ڈور مصروفیات میں مگن تھے۔ ان دونوں نے کاؤنٹر پر آکر سینڈوچ، اسنیکس اور کولڈ ڈرنک لے کر وہیں ایک چھوٹی ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کھایا۔ بھوک اتنی تھی کہ بنا ایک بھی لفظ بولے دونوں نے بڑی رغبت سے اپنا کھانا ختم کیا۔

"مجھے یہ پورا شپ دیکھنا ہے۔" سلینا کو کھانے کے دوران ہی خیال آیا کہ اتنی بڑی فیری کا اب تک اس نے شاید چوتھائی بھی نہیں دیکھا تھا۔ اب بھرے پیٹ گھومنے کی سوجھی اور حمزہ نے بھی تائید میں سر ہلایا

"تمہارا آخری سفر ہے تو یقیناً تمہیں۔"

"شٹ اپ۔" سلینا نے ہنس کر رومال کا گولہ بنایا اور اس کی طرف پھینکا۔ "آخری" ہرگز ایک اچھا شگون نہیں تھا۔ حمزہ بھی ہنس دیا۔ وہ اسے یہی تو احساس دلا رہا تھا کہ بولنے سے پہلے تولنا بہت ضروری ہے۔



Scanned with CamScanner

"چلو……اب ہم اس سائیڈ سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھیں گے۔ یہاں تم پہلے عام مسافروں کے چلنے پھرنے اور بیٹھنے کی جگہیں دیکھو اور پھر ہم اس سے مزید اوپر جائیں گے۔ وہ بھی ایک اوپن عرشہ ہے۔ ان فیکٹ، اس کی بھی ایک اور چھت ہے۔ اور وہاں سے سمندر کا نظارا تمہارے لیے ایک بہت ہی انوکھا تجربہ ہوگا۔"

وہ اسے ساتھ ساتھ بتاتے آتے جاتے مسافروں کے بیچ سے ہوتا آگے بڑھ رہا تھا۔ سلینا بھی اب مکمل فریش ذہن کے ساتھ ہر چیز کو نہایت دلچسپی سے دیکھ اور محسوس کر رہی تھی۔ تب ہی وہ گولڈن بالوں والا آدمی ایک مرتبہ پھر دکھائی دیا۔ سلینا کی اس سے نظریں ملیں تو اس نے مسکرا کر دیکھا تھا۔ اور ہلکی پہچان بھری مسکان لیے سر بھی ہلایا تھا۔

"تم نے دیکھا۔ وہ مجھے دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ اللہ خیر۔" سلینا نے حیرت سے حمزہ کو دیکھا تو اس نے بھی سمجھداری سے سر ہلایا۔

"ڈونٹ وری۔ یہ خیر سگالی کے جذبات ہوتے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ ہمارے بیچ جو پرابلم تھی وہ سالو ہوگئی۔" وہ اسے تسلی دیتا آگے بڑھ گیا۔ اور وہ دل ہی دل خوشی محسوس کرتے نہایت ہلکی پھلکی سی ہو کر اس کے پیچھے چل پڑی۔

اب وہ سیڑھیاں چڑھتے جس اوپری منزل پر آئے تھے یہ اس ڈیک سے اونچی تھی جس پر وہ نیچے کھڑے سمندر دیکھتے رہے تھے۔ یہاں کھلے عرشے پر جگہ جگہ درمیانی میزیں اور اردگرد کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ سائیڈوں پر بینچ لگے تھے۔ اور یہاں مسافروں کا اچھا خاصا رش تھا۔

وہ کچھ دیر تک اس جگہ کو گھوم پھر کر دیکھتے رہے۔ بیٹھ کر تھوڑی دیر ریسٹ بھی کیا۔ سلینا نے یہاں بھی تصاویر بنائیں اور اب حمزہ لوگوں کے درمیان سے ہوتا ایک دوسری جانب چل پڑا تھا۔

وہ بھی تصاویر بنانا چھوڑ کر حمزہ کے پیچھے بھاگی کیونکہ اب وہ ایک سائیڈ کی راہداری میں گھس گیا تھا۔ یہ اوپن راہداری ایک لمبا راستہ تھا جس کی چھت نہ تھی اس کے اینڈ پہ پھر سیڑھیاں تھیں۔

حمزہ سیڑھیاں چڑھتے اسے سب سے اوپری چھت پر لے آیا۔ وہاں سے نچلے عرشے پر بیٹھے مسافر بھی دکھائی دیتے تھے اور چاروں جانب کا سمندر بھی۔ یہ چھت زیادہ بڑی نہ تھی۔ اس کے نیچے شاید کپتان کا روم تھا کہ جس میں بیٹھا وہ فیری چلا رہا تھا۔ یہاں اردگرد کوئی نہ تھا۔ ایک بڑی چمنی جیسی جگہ تھی۔ دو لمبے بینچ تھے۔ اور نوک دار جنگلہ، وہ بھاگ کر اس جنگلے کی نکڑ تک آئی اور پھر ہنس کر حمزہ کو دیکھا تو اس نے نا صرف نظروں کا مفہوم سمجھا بلکہ ہاتھ سے اسے آگے جانے کی اجازت دی۔ سلینا نے نہایت جوش سے اپنا رومال گلے میں باندھا۔ کیمرا آن کر کے حمزہ کے ہاتھ میں دیا اور نکڑ تک پہنچی۔ حمزہ اور وہ دونوں ہی دبا دبا مسکرا رہے تھے۔ دونوں نے ہی صرف جنگلے کی شیپ دیکھتے جو کچھ سوچا بنا کہے نا صرف سمجھ لیا بلکہ جو وہ کرتے جا رہے تھے اس کے لیے بھی خاموش ہدایات ملے پائی تھیں، اور اب سلینا اپنے دونوں بازو ٹائی ٹینک کی ہیروئن کی طرح دائیں بائیں پھیلائے سمندر کی وسعت کو محسوس کر رہی تھی۔

حمزہ نے ویڈیو آن کر کے سائیڈ سے لے جاتے کسی حد تک آگے سے ایک کلپ بنایا۔ اور اب ویڈیو بند کرتے ہی دونوں قہقہے لگا کر ہنستے جا رہے تھے۔

"واؤ۔ واؤ۔ واؤ۔ ایکدم پرفیکٹ۔ قسم سے میرا ایسا ہی تصور تھا۔"

"بالکل ایسا۔ لیکن فیری میں سوار ہوتے مجھے لگا، یہ خواب ہی رہ جائے گا۔ مجھے لگا یہاں ویسی کوئی لوکیشن نہیں ہے۔ پر یہ تو ایکدم وہی ہے۔ اور۔ سورج کا نظارا دیکھو۔ کیا سن سیٹ کا پرفیکٹ ٹائم ہے۔۔ کاش میرے بال روز جیسے ہوتے۔" وہ اپنے سیدھے بالوں کو سخت ناراضی سے چھو رہی تھی۔

"مسنگ تو بہت کچھ تھا۔" وہ پھر ہونٹ دبائے

مسکرا رہا تھا اور یہ بات بھی سلینا بنا اس کے بتائے سمجھ گئی تھی۔ اس نے اپنا رُخ پھیر لیا۔ ہنسی اسے بھی بہت آئی تھی بلکہ شرم بھی لیکن معلوم نہیں کیوں، یہ شاید حمزہ کا دوستانہ انداز تھا کہ اسے کچھ بھی ناگوار نہیں لگتا تھا۔

"ایک بات پوچھوں؟" وہ اب موبائل سے نظریں ہٹا کر حمزہ کو سنجیدگی سے دیکھ رہی تھی

"ہاں پوچھو۔" وہ جنگلے سے ٹیک لگائے اپنے بالوں میں انگلیاں گھما رہا تھا۔

"تم نے کہا کہ شوق نہیں تھا تعلیم کا۔ جبکہ تمہارا رکھ رکھاؤ، بات چیت، انفارمیشن، کلاس کا خیال رکھنا۔ سب کچھ۔ آئی مین سب کچھ ہی پرفیکٹ ہے۔ تم جیسے لوگ اتنے لاپرواہ نہیں ہو سکتے۔ ان کا لازمی ایک مقصد ہوتا ہے، ایک منزل ہوتی ہے۔"

"ہاں شاید میں نے لفظ غلط چنا ہو۔" اس نے کندھے اچکائے۔ "لیکن کیا فرق پڑتا ہے۔ انجام کار میں نے اعلا تعلیم زیادہ حاصل نہیں کی، انسان کو شوق ہو لیکن اس کے وسائل اجازت نہ دیتے ہوں تب بھی وہ راستہ چھوڑنا تو پڑتا ہی ہے۔ زندگی کے سفر میں بہت کچھ چھوٹ جاتا ہے ہم سے۔ بہت کچھ ایسا کہ جو ہم چھوڑنا نہیں چاہتے۔ لیکن اب تقدیر سے کیسا شکوہ، بس آگے بڑھتے جاؤ۔"

اس نے خود کو لاپرواہ ظاہر کیا لیکن سلینا اسے بغور دیکھ رہی تھی۔

"سوری ٹو سے۔ لیکن وسائل نہ ہونا تعلیم کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ غریب انسان بھی پیٹ بھرنے کے لیے حرکت تو کرتا ہی ہے۔ میرے نزدیک علم حاصل کرنے کی خواہش بھی پیٹ کی بھوک مٹانے سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ ہاں بشرطیکہ بھوک ہو، وسیلہ تو اللہ پیدا فرما ہی دیتا ہے۔ تم جسے تقدیر کا لکھا سمجھ رہے ہو، وہ تمہارا ہتھیار ڈال دینا بھی تو ہو سکتا ہے۔ حالات سے سمجھوتا ایک حقیقت ضرور ہے لیکن اتنے جلدی کمپرومائز شکست مان لینے کے مترادف ہے۔ کوشش تو انسان کا حق ہے۔"

"ہوں۔" اس نے اعتراف کے انداز میں سر ہلایا "تم نے مجھے لاجواب کیا ہے۔۔۔ میں نے آڑ لی تھی حالات کی، کیونکہ مجھے باہر نکلنے کا شوق تھا۔"

"تو۔ کیا سمجھ میں آیا باہر آ کر؟"

"یہی کہ زندگی پھولوں کی سیج نہیں ہوتی۔۔۔ یہ لائن شاید مجھے ہر رات سوتے وقت خود سے دہرانی پڑتی ہے۔ تاکہ اگلے دن کے لیے میرے اندر ہمت آ سکے۔" وہ پھیکا سا ہنس دیا۔

"غلطیوں کو سدھارنے کا کیوں نہیں سوچتے؟"

"کیا۔ واپس جا کر؟" وہ ابرو اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا۔ سلینا نے کندھے اچکائے

"ناٹ ایگزیکٹلی۔ کیونکہ تم بہتر سمجھتے ہو کہ غلطی کہاں ہوئی ہے اور اسے کیسے سدھارنا ہے۔ تم باہر رہ کر بھی پڑھ سکتے ہو، ساتھ ساتھ کماؤ بھی سہی۔ اور اگر واپس جا کر مسائل حل ہوتے ہیں تو۔"

"واپس گھر۔ اب نہیں۔" اس نے ایک عجیب سا گہرا سانس لیتے یک لخت نفی کی تو سلینا نے مزید تعجب سے دیکھا۔

"گھر واپسی سے اتنی بیزاری؟"

"پتا نہیں۔" وہ چڑ سا گیا۔ "بس وہ ماحول بہت گھٹن بھرا ہے۔"

"کون کون ہے گھر میں؟" سلینا نے سوال تبدیل کیا۔

"سب ہیں۔" اس نے اپنی ہتھیلی کو دیکھا" امی، بھائی، بہنیں۔

"تم بڑے ہو گھر میں؟"

"ہاں۔"

"گھٹن کی وجہ حالات، مالی مسائل۔ بس؟" وہ پوچھ رہی تھی، حمزہ نے سر نفی میں ہلایا اور اپنی جگہ سے ہٹ کر آگے چلا گیا۔ سلینا کچھ دیر تک اسے دیکھتی رہی پھر چل کر اس کے پیچھے آئی

"اور وہ درد حمزہ۔ جسے تم مٹانا چاہتے ہو،



Scanned with CamScanner

دوبارہ لکھنا چاہتے ہو۔ وہ کیا ہے؟"

"ارے نہیں، وہ تو یونہی بات آئی تو کہہ دیا۔ میں معاملات کو سر پہ نہیں چڑھاتا۔ بس ہر ایک کی زندگی کی اپنی کتاب ہے نا۔ اور بیچ بیچ تو چلتی رہتی ہے۔"

"کیا میں پرسنل ہو رہی ہوں؟" وہ مسکرانے لگی، حمزہ بھی ہنس دیا۔

"نہیں۔ مسافر ایک دوسرے سے دلوں کی باتیں کہہ ہی دیا کرتے ہیں، بلکہ شاید زیادہ سہولت کے ساتھ۔ مجھے یہ بھی برا نہیں لگتا۔ بس میں بتا کر بات کو بڑا شو نہیں کرنا چاہتا۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ میں سن کر بھی چھوٹا ہی سمجھوں گی۔" سلینا نے ایک طرح سے سننے پر زور دیا۔ حمزہ نے مسکرا کر دیکھا۔

"یہ کہانی۔ اب کیا کسی "اپنے" کو سنانے والی رہ بھی نہیں گئی، تو چلو ایک اجنبی ہی سہی، ایک آخری بار دل کا بوجھ ہلکا کر ہی لیتے ہیں۔"

"دادی نے سُنا تو برا مانیں گی؟" سلینا نے لفظ "آخری" پر تنبیہاً کہا۔

"نہیں، یہاں اچھا سمجھیں گی۔ کیونکہ اگر آپ اپنی پریشانی کو یہ کہہ کر اپنی زندگی سے نکال باہر پھینکیں کہ بس آخری مرتبہ اس کو ڈسکس کر رہا ہوں تو یہ ایک اچھا سائن ہوتا ہے۔"

"ہوں گڈ۔" اس نے بھی تائید میں سر ہلایا۔ اور پھر حمزہ کو دیکھا "تو۔ کیا ہے وہ درد جسے ہم حمزہ احمد کی زندگی سے اس ڈوبتے سورج کے ساتھ ہمیشہ کے لیے الوداع کہہ دیں گے۔"

"جسے ہم درد کہتے ہیں وہ تو صرف محبت کا ہی ہو سکتا ہے۔ باقی معاملات اور مسائل تو بس مشکلات ہوتی ہیں، انہیں ہم "درد" کا نام نہیں دے سکتے۔" اس نے گویا تمہید باندھی۔

"ہوں۔ ہوں۔" سلینا اسے بغور دیکھ اور سن رہی تھی۔

"میری محلے دار تھی اریبہ علوی۔" اس نے بلا توقف کہنا شروع کیا "غالباً دسویں جماعت میں مجھے آتے جاتے اچھی لگی۔ اور میں بھی اُسے اچھا لگتا تھا۔ کم عمری کی پرجوش، نادان محبت تھی، بس ہر وقت ایک ہی خیال میں پھرتا، اسی کو سوچتا، خوش رہتا۔ دیکھنے کے، ملنے کے بہانے تلاش کرتا۔۔ اسی کی باتیں۔۔ اور اس کی باتیں صرف اسی سے نہیں۔ مجھے عادت ہے میں گھر والوں سے بھی سب کہہ بیٹھتا ہوں۔ سب سے پہلے پھوپھو کو بتایا، وہ میری بہت اچھی والی دوست ہیں۔"

"ارے واہ۔ میری طرح۔" وہ خوشی سے چہکی۔ حمزہ نے بس یونہی دیکھا۔

"ہاں، پھر امی کو بتایا، بہنوں کو بھی معلوم ہو گیا۔"

"اوہ۔ تو؟"

"کچھ نہیں۔ بظاہر انہوں نے خوش ظاہر کیا تھا خود کو۔ میں بہت مزے سے آ کر انہیں بتا دیتا، وہ بھی ہنستی رہتی تھیں، مجھے اندازہ نہیں تھا اندر سے وہ خوش نہیں ہیں۔ بہرحال دو سال گزر گئے۔ میں امی سے کہتا ہی رہ گیا کہ اریبہ کا رشتہ مانگیں لیکن وہ بھی یہ مسئلہ بھی وہ کرتے ٹائم گزار رہی تھیں۔ اور اچانک ایک دن پتا چلا کہ میرے ماموں زاد اور اریبہ کا رشتہ طے پا گیا ہے۔"

"اوہ۔" سلینا کا منہ گول سیٹی کے انداز میں کھلا۔

"اور دیکھتے ہی دیکھتے شادی بھی ہو گئی۔" حمزہ نے ہنس کر کندھے اچکائے۔

"ہائے اللہ، یعنی اریبہ اب تمہارے کزن کی بیوی ہے؟" سلینا اتنے جلدی اس کہانی کے اختتام کو نہ سوچ رہی تھی اور وہ بھی ایسے۔

"ہاں۔ اور ولیمے کے فنکشن میں ہی جب ممانی نے میری امی کا شکریہ ادا کیا کہ اتنی پیاری اور اچھی دلہن انہیں اپنی نند کی مہربانی سے ملی ہے تو ہماری کہانی کی "سیڈ اینڈنگ" کی وجہ بھی سمجھ آ گئی۔"

"اوہ۔" سلینا کا گولائی میں کھلا منہ کھلا ہی رہ

گیا۔

"کوئی ماں ایسا کیسے کرسکتی ہے۔"

"ارے ایسی بات نہیں ہے۔" وہ لاپروائی سے ہنسا۔ "مائیں ایسا کرسکتی ہیں۔ ہمارے ہاں نارمل ہے۔ کیونکہ انہیں اس میں ہماری ہی کوئی بھلائی نظر آرہی ہوتی ہے۔"

"پر اریبہ بے چاری۔ وہ تو بہت دکھی ہوگی۔ اچانک ہی اس کے ساتھ۔"

"ہاں، اچانک ہی اس پہ قدرت مہربان ہوگئی۔" وہ استہزائیہ ہنسا تو بات سلینا کی سمجھ میں نہیں آئی اور حمزہ اسے متحیر ہوکر دیکھتے خود ہی اپنی بات کی وضاحت کرنے لگا۔

"ایک بار ہماری شادی کے موضوع پر اس نے مجھ سے مذاق میں کہا کہ تم سے میں کیوں شادی کروں تم کرتے کیا ہو۔ میں نے پوچھا تم بتاؤ تمہارے لیے میں کیا کروں تو اس نے کہا تھا مجھے تو کسی سرکاری آفیسر سے شادی کرنی ہے۔۔۔ اب سن کر میرا گلا تو خشک ہوا پر اس سے وعدہ کرلیا تھا۔ میں نے یہی بات امی کو بتادی اور انہوں نے اسے یوں استعمال کیا کہ ماموں زاد احسن جو کہ ایجوکیشن آفس میں ایک اچھی پوسٹ پر ہے اس کا رشتہ بھیج دیا جسے فوراً قبول کرلیا گیا تو تمہیں کیا لگتا ہے اریبہ کی مرضی شامل نہیں تھی؟"

"ہوم م م۔" سلینا ہکا بکا تھی۔ حمزہ کو بے بسی سے دیکھتے وہ سمجھ نہیں پارہی تھی اب کیا کہے۔

"اور اس سے پوچھو تو وہ اپنی جگہ ٹھیک ہوگی۔ کہ حمزہ نے میرے لیے کیا کیا۔ بڑی بڑی باتیں تو محبت میں ہر کوئی کرتا ہے، ثابت کوئی کوئی کرپاتا ہے وغیرہ۔"

"اسی لیے میں کسی کو بلیم نہیں کرتا، یہاں کوئی ظالم نہیں ہے سلینا، سب کے پاس وجہ ہے اپنے اپنے دفاع کی۔"

"لیکن مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔" سلینا اب حیرت سے نکل رہی تھی۔ "اگر اریبہ تمہارے لیے ٹھیک نہیں تھی تو تمہارے کزن احسن کے لیے کیوں صحیح تھی۔"

"مسئلہ اریبہ نہیں تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہ میں اگر کھانے کمانے کی فکروں کے بجائے لڑکی شادی کے چکر میں پڑ رہا تھا تو میری امی اس کے لیے فکرمند تھیں۔"

"عجیب آدمی ہو ویسے۔ تم کسی طرح خود کو غلط ثابت کرنے پر تلے ہو۔"

"پتا نہیں تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ کیا میں غلط ہوں؟" وہ اب حیرت بھرے انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔ "آئی مین، ہر انسان کا سوچنے کا الگ ڈھنگ ہوتا ہے۔ میں یہ توقع کیوں کروں کہ جیسا میں سوچتا ہوں، یا جیسا میں چاہتا ہوں سب ویسا ہوجائے۔ اگر اریبہ میرے لیے ویسی سنجیدہ نہیں تھی جیسے میں تھا تو میرا اس پہ کیا بس۔ اُلٹا اچھا ہوا نا، ایسی حرکتوں سے لوگ اپنا اصل چہرا دکھا جاتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے درد سے نکلنے میں کچھ مدد مل جاتی ہے، جیسے یہ سوچنا کہ ایسی لڑکی کے ساتھ لائف کیسے گزرتی جس میں خلوص اور محبت کی اتنی کمی تھی۔"

"ہوں۔ وہ سر ہلانے لگی "اس لیے تم اس ماحول سے ہی نکل آئے، ظاہر ہے اب خاندان میں گھلنا ملنا، اُس جگہ میں رہنا مشکل ہو رہا ہوگا۔"

"سلینا، مجھے سچ میں نہیں پتا، میں کیا چاہتا تھا۔ یا کیا چاہتا ہوں۔"

"ہونا تو یہ چاہیے تھا حمزہ کہ اب تم اُن سب کو بڑا افسر بن کر دکھاتے جو تمہیں کسی قابل نہیں سمجھ رہے تھے۔"

"اررے یار۔ رہنے ہی دو۔ اتنا میں اسمارٹ ہوتا تو ریسپشنسٹ اور سیلز مین کی جاب کر رہا ہوتا۔"

"کوئی ایسی بات نہیں۔ کیا افسر ماں کی گود سے افسر ہوتا ہے، یہ تو زندگی کی کتاب ہے، پچھلے صفحات پر رہنے دو ریسپشنسٹ اور سیلز مین کے چیپٹر۔ آگے کا سوچو۔ بڑے بڑے لوگ نجانے پہلے کیا کیا ہوا کرتے تھے۔ مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ تم ایک لائق



Scanned with CamScanner

اور ذہین اسٹوڈنٹ تھے۔ اور عمر بھی زیادہ نہیں ہے۔ کب سے ہو یہاں؟"

"دو سال پہلے ہی بارہویں کی ہے۔ اور ڈیڑھ سال سے یہاں ہوں۔"

"ہاں تو ابھی عمر ہے پڑھنے کی۔ کچھ کر کے دکھاؤ حمزہ۔ لوگوں نے تمہیں بے کار سمجھا اور تم نے کہا کہ ہاں آپ سب ٹھیک سمجھتے ہیں۔ میں واقعی کچھ کرنے کے قابل نہیں۔"

"لیکن میں کس کے لیے یہ سب کروں۔ کچھ کرنے کے لیے موٹیویشن چاہیے اور وہ اب رہی نہیں۔ یہاں کوئی کسی کا انتظار نہیں کرتا۔"

"کسی کے لیے کیوں۔ اپنے لیے کرو۔ تم ہی ہو نا جو ریسپشنسٹ اور سیلز مین کی جاب کر کے اچھا محسوس نہیں کر رہے۔ تمہیں لگتا ہے یہ تمہارے شایان شان نہیں تو پھر تم اپنے آپ کو دیکھتے یہ سوچو تمہارے لائق کیا ہے۔ دیکھو محنت کرنا، اور کسی بھی جائز حلال ذریعے سے کمانا کسی طرح غلط نہیں۔ ہر پیشہ قابل عزت ہوتا ہے۔ لیکن انسان کے لیے یہ سوچنا کہ وہ کس کام کے لیے بنا ہے اور کس حد تک اونچائی پر جا سکتا ہے یہ انسان کا حق ہے۔ اور اسے وہی کرنا چاہیے جس کی وہ اہلیت رکھتا ہے۔"

"لیکن حالات تو مجھے ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید نیچے دھکیل رہے ہیں۔" وہ سر جھکائے مایوس کھڑا تھا۔

"پہلی جاب ریسپشنسٹ کی تھی، اور وہ اچھی جاب تھی۔ اس کے بعد سیلز مین بنا تو کام بھی زیادہ ہو گیا اور سیلری بھی کم تھی۔ اور اب۔"

وہ جیسے کسی گہری سوچ سے باہر نکلا۔ سورج کا نارنجی تھال کب کا سمندر میں اتر چکا تھا۔ سمندر اب رات کا نظارا دکھا رہا تھا۔ ان کے فیری نے آٹھ بجے رات کو "روڈز" پہنچنا تھا۔ سلینا کی پھوپھو یاسمین نے اسے خود لینے آنا تھا۔

"اب کیا؟" وہ دونوں اب اس جگہ سے چل پڑے تھے۔ آہستہ آہستہ سیڑھیاں اترتے دونوں کا رخ ایک مرتبہ پھر اسی پرانی ڈیک کی طرف تھا جہاں دوپہر کو سلینا چھپ کر بیٹھی تھی اور اس کی حمزہ سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

"یہی سامان پہنچانا۔ یہاں سے وہاں۔" وہ بے دھیانی میں کہنے لگا۔

"اچھا۔ کون سا سامان؟" وہ متعجب ہوئی "تم نے تو کہا کہ تم وہاں جا کر کوئی نیا کام کرنے والے ہو۔"

"آں، ہاں۔" حمزہ کو یاد آیا کہ وہ تو اس سے کچھ اور کہہ چکا تھا۔

"ہاں نئی جگہ جا رہا ہوں تو وہ بھی دیکھوں گا۔" وہ گول مول بات کرتا آگے بڑھ گیا۔

"تم جھوٹ بھی بولتے ہو۔" وہ ہنس رہی تھی۔

"جھوٹ کون نہیں بولتا۔" وہ بھی مسکرا رہا تھا۔

"میں تو نہیں بولتی۔"

"بولا تو سچ بھی کوئی نہیں۔" وہ اب ابرو کھینچ کر معنی خیزی سے دیکھ رہا تھا۔ سلینا سمجھ کر ہنس پڑی۔

"کوئی خاص "سچ" ہے ہی نہیں۔ میری لائف اچھی خاصی بورنگ ہے۔"

"ہوں۔ مطلب "بورنگ" ہونے کا شکوہ تو ہے۔ اس کا مطلب بندہ خود بورنگ نہیں ہے۔" وہ دونوں باتیں کرتے ایک مرتبہ پھر اپنے پرانے مخصوص بنچ پر آ بیٹھے تھے۔

"ہاں، یہ تو حقیقت ہے کہ ہم سب کی ایک تصوراتی دنیا ہوتی ہے۔ بعض اوقات ہم اسی میں خوش اور مطمئن رہتے ہیں، اور سیم ٹائم وہی دنیا ہمیں بے چین رکھتی ہے کہ یہ سب تصور سے باہر کب نکلے گا۔"

"اور کیا خاص ہے سلینا کی تصوراتی دنیا میں۔ ایسا جو کبھی تصور سے نکل کر حقیقت بن سکتا ہے۔"

"ایسا کچھ نقشہ بھی نہیں بنایا، جیسا کسی روایتی ہیرو کا سمجھا جاتا ہے۔ وہ سب میرے نزدیک اتنا اہم نہیں ہے کیونکہ محبت کبھی یہ سوچ کر نہیں ہوتی ہے نا۔"



Scanned with CamScanner

"ہاں، بے شک۔"

"تو اس لیے ذہن میں کوئی نقشہ وغیرہ بنانا بے کار ہوتا ہے۔ محبت کب کہاں کس سے ہو گی وہ شکل و صورت نہیں بلکہ حالات اور ماحول ہوتا ہے جو اس طریقے سے بنتا جاتا ہے کہ آپ اس دائرے میں محدود ہوتے جاتے ہیں۔"

"شاید اس بھنور کی طرح۔ جس میں نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو پھنسنا پڑتا ہے۔"

"ہاہا۔" یہ مثال ویسے بہت خطرناک ہے۔

"او ہاں۔ بھنور سے تمہارا فیئر (خوف)" حمزہ کو جیسے یاد آیا۔

"بھنور سے کون نہیں ڈرے گا۔ موت ہے خدایا۔" اس نے جھرجھری لی

"ہاں لیکن محبت کے بھنور کچھ الگ ہوتے ہیں۔ ہم اس میں گول گول گھومتے نیچے ہی نیچے جا رہے ہوتے ہیں لیکن کچھ ایسی سرمستی میں کہ وہ ڈوبنا دنیا کو تو دکھائی دیتا ہے، پر ہمیں یہ گہرائی سکون دیتی ہے۔ خیر۔" وہ اپنے ہی خیالات پر شرمندہ سا ہوا۔ "تو تم بتا رہی تھیں کہ تم نے خاکہ نہیں بنایا کسی پرسنالٹی کا۔ تو پھر؟"

"مجھے انسانوں کے دو چہروں سے ڈر لگتا ہے۔ میری خواہش بس اتنی ہے کہ ایک ایسا انسان ہو جو جیسا باہر سے دکھائی دیتا ہے اندر سے ویسا ہی ہو۔ منافقت سے مجھے خوف آتا ہے کیونکہ اسے پرکھنا میرے بس کی بات نہیں۔ میں جب خوش ہوتی ہوں تو ہی ہنستی ہوں۔ مصنوعی مسکراہٹ، مصنوعی غم کوئی کیسے دکھاتا ہے، میرے لیے سمجھنا بھی محال ہے۔"

"پھر تو یہ دنیا تمہارے لیے نہیں بنی۔" وہ اس پر ہنس رہا تھا۔

"ہاں ہم پہ رشک آ رہا ہے۔ تم نے اپنوں کے کیسے کیسے رویے کتنے نارمل انداز میں سہہ لیے۔"

"اللہ تمہیں کبھی ایسی سچویشن میں نہ ڈالے کہ جسے تم برداشت نہ کر سکو۔" اس نے نہایت سنجیدگی سے دعا دی تو سلینا نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ حمزہ نے اسے دیکھتا محسوس کیا تو اس کی جانب رخ پھیرا اور پلکیں موند کر تسلی کے انداز میں ہلکا سا سر ہلایا۔

"اللہ بہت مہربان ہے، وہ کبھی کسی کی برداشت سے زیادہ بوجھ اس پر نہیں ڈالتا۔ تمہیں زندگی میں تمہارے جیسے لوگ ہی ملیں گے۔"

"میں حیران ہو کر اس لیے دیکھ رہی ہوں کہ تم نے مجھے دعا دی ہے۔ اور میں اس رشتے کو نام دینے کی کوشش کر رہی ہوں جو شاید اب اجنبی نہیں رہا۔"

"رشتہ تو ایک ہی سچا ہوتا ہے۔"

"دوستی؟" سلینا نے مسکرا کر تائید چاہی، جس پر حمزہ نے بھی کندھے اچکا دیے۔

"آف کورس۔ دوستی سے بڑھ کر کیا خوبصورت ہو سکتا ہے۔"

"ہاں شاید، پر مجھے تو لائف میں دوست بنانا بھی کبھی نہیں آیا۔"

"تمہاری توقعات پہ پورے نہیں اترتے ہوں گے۔"

"ایگزیکٹلی۔" سلینا نے بڑے شدومد سے تائید کی۔ "بس کم ٹائم کے لیے ہی دوست بنتے ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں نا" آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل تو کبھی کسی نے زیادہ یاد نہیں رکھا۔"

"تو تم یاد رکھ لیا کرو۔" وہ اسے مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ سلینا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو یوں لگا جیسے پچھلی کچھ دیر سے وہ اسے بغور سن اور دیکھ رہا تھا۔

"میرا مطلب ہے، ہمیشہ اگلے سے توقع کیوں رکھنا۔ یہی شکوہ انہیں بھی تم سے رہتا ہو گا کہ تم ان کی توقع پہ پورا نہیں اتریں اور بھول بھال جاتی ہو۔"

"اچھا۔" وہ پھیکا سا ہنس دی "ایسا تو کبھی سوچا ہی نہیں۔"

"تمہارا سوچنے کا ڈھنگ بھی نرالا ہے ویسے۔" وہ اس پہ ہنس رہا تھا۔ سلینا نے برا سا منہ بنایا۔

"حمزہ علی احمد؟" وہ دو گارڈز تھے جو اچانک



Scanned with CamScanner

ان کے سر پر پہنچے تھے۔ حمزہ نے چونک کر سر اٹھایا اور اپنا نام لیے جانے پر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"یس۔" اس نے تھوڑا جھجک کر اقرار کیا۔
"کم وداس۔" اس نے حمزہ کو کلائی سے تھام لیا اور ساتھ لے جانے لگے۔
"واٹ ہیپنڈ؟" سلینا بھاگ کر پیچھے آئی، وہ حمزہ کو زبردستی لے جا رہے تھے۔ سلینا کے سوال پر وہ رُکے۔
"از شی ود یو؟" اس نے حمزہ کو دیکھا جس پر اس نے فوراً سر نفی میں ہلایا۔
"نو شی از جسٹ اے پسنجر۔ ناٹ ود می (نہیں یہ کوئی مسافر ہے۔ میرے ساتھ نہیں ہے۔)" وہ اسے اگنور کرتا خود ہی آگے بڑھ گیا۔ سلینا پوچھتی رہ گئی اور انہوں نے ایک دروازے میں داخل ہو کر پیچھے سے بند کر دیا۔ اور یہ کوئی دروازہ عام استعمال کا تو نہ لگ رہا تھا۔ وہ تو سیکیورٹی کے استعمال کا کوئی راستہ تھا۔
سلینا کا دل جیسے کسی ان دیکھے بھنور میں ہچکولے کھانے لگا۔ مارے خوف کے اس سے سمندر کے پانی کی طرف بھی نہ دیکھا گیا۔ اسے پھر یہ سوچ گھٹن دینے لگی کہ چہار سو پانی ہی پانی ہے اور وہ بنا کسی اپنے کے سہارے کے یہاں بے یارومددگار...
الفاظ اس کے منہ میں رہ گئے جب اس کی نظر ایک جانب ساحل کی طرف پڑی۔ چہار سو پانی ہی پانی اب نہ تھا۔ ایک سمت میں شہر ابھر رہا تھا۔ ان کی فیری اپنی منزل تک پہنچنے والی تھی۔
روڈز آ گیا تھا۔ اس نے جلدی سے اپنا پرس کندھے پہ سیدھا کیا اور کیفے ٹیریا کے راستے اوپر اپنی سیٹ تک پہنچی۔ وہ سیٹ جو اسے الاٹ تو کی گئی تھی پر وہ اس پر اب تک بیٹھی نہ تھی۔ باقی مسافر بھی اپنی اپنی جگہ آنا شروع ہو گئے تھے۔
سلینا کی متلاشی نگاہیں حمزہ کو ڈھونڈ رہی تھیں لیکن وہ کہیں دکھائی نہ دے رہا تھا۔
اور پھر پانچ سات منٹ میں ہی فیری ساحل کنارے آ کھڑی ہوئی۔ ساحل سے فیری تک چار فٹ چوڑا لکڑی کا پل جوڑ دیا گیا تھا۔ اس سے آگے کے مسافر کیریئر سے اپنا سامان اٹھاتے پل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ سلینا کے پاس ایک گرین کلر کا میڈیم سوٹ کیس تھا۔ جلد ہی وہ اسے کیریئر پہ آتا دکھائی دیا تو اس نے آگے بڑھ کر سوٹ کیس اٹھایا۔ اور اس کے ہینڈل میں ہاتھ ڈال کر بجائے پل کی طرف بڑھنے کے ایک مرتبہ پھر بے چین نگاہوں سے حمزہ کو دیکھنے لگی۔ اور اس کی تلاش رائیگاں نہ گئی۔ فیری کی دائیں بائیں کی راہداریوں میں سے ایک راستے کے دوسری جانب وہ حمزہ ہی تھا۔
وہ بنا سوچے اپنا بیگ کھینچتی اس راستے میں داخل ہو گئی۔ حمزہ کے ساتھ وہاں چار پانچ اور لڑکوں کی ایک لائن تھی۔ ان میں سے ایک دو لوکل اور باقی دو بینکاک یا کوریا جیسی جگہوں کے لگ رہے تھے۔ سلینا نے دیکھا، حمزہ اسے آنکھ کے اشارے سے وہاں سے ہٹ جانے کو کہہ رہا تھا۔ وہ اس کے اشارے کو اگنور کرتی اس کے سر پر پہنچ گئی۔
"کیا ہوا ہے۔ سب خیریت ہے نا؟" وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
"دیکھو تم فوراً یہاں سے نکلو۔ اور مجھ سے بات تو بالکل مت کرو، ورنہ یہ تمہیں میرے ساتھ سمجھتے تمہیں بھی روک لیں گے۔" وہ اردو میں اسے آرام سے سمجھا رہا تھا کیونکہ یہاں کسی کو یہ زبان سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔ ساتھ ساتھ حمزہ پیچھے مڑ کر بھی دیکھ رہا تھا۔ دو تین سیکیورٹی گارڈز سامنے بورڈ پر ان کا سامان کھولے اس پر تبصرہ کر رہے تھے۔ ایک گارڈ ان سب لڑکوں کے سر پر کھڑا ان کی نگرانی کر رہا تھا۔
"لیکن تمہیں کیوں پکڑا تھا۔" وہ پوچھنے سے باز نہ آ رہی تھی۔
"اسمگلڈ سامان ہے۔ پلیز جاؤ۔" وہ اب زچ ہو رہا تھا۔
ان کی نگرانی کرنے والا موبائل پر بات کر رہا تھا۔ سلینا کو بات سمجھ میں آ گئی۔ حمزہ کا سامان مشکوک



Scanned with CamScanner

تھا اور اس کا انداز بتاتا تھا کہ وہ اس مشکوک سامان سے بے خبر نہ تھا۔ بلکہ یقیناً اپنی مرضی سے اسے اسمگل کررہا تھا۔ اور سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ تھا وہ نیا کام کہ جس میں وہ ابھی ابھی داخل ہوا تھا۔

"تم چاہو تو میرے ساتھ ہونے کا کہہ کر جان بچا سکتے ہو۔" اس نے مشورہ دیا لیکن حمزہ کی آنکھیں چمک گئیں۔

"تم پاگل ہو گیا۔ خود بھی پھنسوگی اور مجھے بھی بچا نہیں پاؤگی۔ نکلو یہاں سے فوراً۔"

وہ اب اس سے لاتعلق نظر آتے دوسری جانب دیکھنے لگا تھا تاکہ وہ اس سے مزید مخاطب نہ ہو۔ سلینا نے اس پوری سچویشن کو غور سے دیکھا۔ اس جگہ بھی ایگزٹ تھا۔ یعنی ساحل تک پہنچنے کے لیے دو جگہوں پر پل جیسا راستہ بنا ہوا تھا۔ اور اس نے دیکھا کہ فیملی اور عورتیں بچے اس پل سے گزارے جارہے تھے اور جہاں سے وہ سامان لے کر آئی تھی۔ اس پل سے صرف مرد گزر رہے تھے۔ جس جگہ حمزہ اور دوسرے لڑکے رو کے گئے تھے وہ اس پل سے بمشکل بیس پچیس فٹ دور تھی۔

دو لڑکوں کے بیگز میں سے مشکوک پیکٹ نکال کر انہیں دوسری سائیڈ پر کھڑا کرتے ان کے ہاتھوں کو ہتھکڑی سے باندھ دیا گیا تھا۔ چار لڑکے ابھی بھی اس جانب کھڑے تھے کہ جن کے سامان کی تلاشی جاری تھی۔ سلینا سمجھ گئی۔

اسکینر میں سے گزرتے جن بیگز کے لیے مشکوک بیپ بجی ان کو الگ کرکے ان کے مالک بلوا لیے گئے۔ اور اب تلاشی کے بعد ان کو سائیڈ پر کیا جا رہا تھا۔ اب جس بیگ کو کھول کر تلاشی لی جارہی تھی اس کے ساتھ ایک چینی شکل کے لڑکے کو بلا لیا گیا تھا۔

اس سے اگلی باری حمزہ کی بھی ہوسکتی تھی کیونکہ اب حمزہ اور ایک بنگالی ٹائپ لڑکا باقی رہ گئے تھے۔ فیملی پل والی سائیڈ پر مسافروں کا رش بھی اچانک بڑھ گیا تھا۔ بچے اور عورتوں کی وجہ سے اس جگہ غیر منظم سی ہلچل دکھائی دینے لگی تھی۔ حمزہ اور دوسرے لڑکے کو باقاعدہ عورتوں کے دھکے لگ رہے تھے۔

"نکلو یہاں سے تم۔" سلینا نے حمزہ کے قریب آتے سرگوشی کی تو حمزہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔ لیکن سلینا نے بنا اسے مہلت دیئے ایک نظر گارڈز کی مصروفیت پر ڈالتے حمزہ کی براؤن جیکٹ اتار کر اس کے بازو سے رگڑی۔ اب اندر سے وہ ایک فان کلر کی لائٹ سی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ اگلے ہی سیکنڈ میں پاس کھڑی ایک موٹی عورت اور اس کے چلاتے تین بچوں میں سے ایک بچی اٹھا کر حمزہ کے بازو پر دھری، دوسری کی انگلی پکڑ کر اس عورت کو مسکرا کر دیکھا کہ جیسے میں تمہاری ہیلپ کرتی ہوں پل سے گزرنے میں۔ عورت نے بھی جواباً شکریہ کے انداز میں دیکھا۔ اور سلینا نے حمزہ کو آگے دھکا دیا۔ "فوراً اس پل سے نکل بھاگو اور ادھر جاتے ہی بچی چھوڑ کر جہاں منہ آئے بھاگ جانا۔"

اس نے حمزہ کو تیزی سے آگے پش کرتے اس کے کان میں کہا۔

گارڈز کے آس پاس عجیب دھکم پیل مچ گئی تھی۔ وہ جب تک لڑکوں کو سنبھالنے کے لیے چوکنے ہوتے۔ حمزہ پل پر چڑھ چکا تھا۔ سلینا پیچھے آرام سے بچی کو لیے موٹی عورت کے ساتھ ساتھ ایک ہاتھ سے اپنا بیگ کھینچتی چلتی جارہی تھی۔ نظریں اس کی ابھی بھی حمزہ پر تھیں۔ اس کی فان شرٹ دکھائی دے رہی تھی اور بازو پر چڑھی بچی بھی۔ گارڈز اس کی تلاش میں اُدھر بھاگے ضرور تھے لیکن سلینا کو یقین تھا کہ حمزہ کو دیکھ لینے میں وہ ابھی تک ناکام رہے تھے کیونکہ سامنے جاتے لوگوں کی پشت میں وہ براؤن جیکٹ تلاش کررہے تھے۔ فان کلر کی شرٹ میں بچی اٹھائے وہ لڑکا ان کی توجہ کا مرکز ہرگز نہیں ہوسکتا تھا۔

سلینا کا دل البتہ بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اور پھر اس نے حمزہ کو بچی نیچے ٹھہراتے ایک جانب کے لکڑی کے کیبن کی طرف بھاگتے دیکھا۔ سلینا نے یہ دیکھ کر سکون کا ایک سانس لیا۔ حمزہ نے کچھ داری

دکھائی تھی۔ ان کیبنز کے علاوہ یہاں ہر طرف اوپن ایریا تھا۔ جبکہ کیبنز کے پیچھے پام کے درختوں کی قطار اور پارکنگ ایریا کے بعد باہر نکلنے کی سڑک تھی۔

وہ دور ریان کلر کی شرٹ کو دھندلا اور پھر غائب ہوتا دیکھ رہی تھی جب کسی نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ اس کی سانس اچھل کر حلق میں آئی اور وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔

"کیا ہوا۔ کسے دیکھ رہی تھیں؟" یاسمین پھوپھو حیرت سے کبھی اسے تو کبھی اس جانب دیکھتیں جہاں اس کی نظریں بے چینی سے بھٹک رہی تھیں۔

"او۔ آپ۔" وہ ہنس کر بے اختیار پھوپھو کے گلے لگی۔ اسے واقعی ایسا لگا تھا کہ کوئی گارڈ اس کے سر پر پہنچ گیا ہے۔

"ہاں تو اور کون؟" وہ ہنس رہی تھیں۔ سلینا بری طرح جھینپ گئی۔

"نہیں وہ ایک عورت کی بچی اس کا ہاتھ چھڑا کر بھاگ گئی تو اسے دیکھ رہی تھی۔" وہ وضاحت دیتے پھوپھو کے ساتھ چلنے لگی۔

وہ اپنی کار خود ڈرائیو کر کے آئی تھیں۔ ان سے باتیں کرتے وہ پھوپھو کے گھر پہنچے۔ یاسمین پھوپھو کا گھر بھی ساحل سمندر پر تھا لیکن یہ ساحل کسی الگ علاقے میں تھا۔ وہ مختلف سڑکوں سے ہوتے ایک مرتبہ پھر ساحلی علاقے میں داخل ہوئے تھے۔

پھوپھو نے اس کے لیے اوپری منزل کا ایک کمرا سیٹ کیا تھا۔ زبیر پھوپھا اور بچوں کے ساتھ گپ شپ میں کھانا کھایا گیا اور اب وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے لہروں کے شور کو محسوس کرتے اسے سوچ رہی تھی جس کے دو چہروں نے اس کا دل دو ٹکڑے کر دیا تھا۔

کھڑکی کے بائیں پٹ سے ماتھا لگائے وہ سمندر کو تک رہی تھی۔ کالے آسمان تلے دکھائی دیتا پانی اب گہرے سرمئی رنگ کا لگ رہا تھا۔ آسمان پہ کہیں کہیں بادلوں کے ٹکڑے گھوم رہے تھے۔ جن میں سے چھپتا نکلتا چاند ماحول میں عجیب سا فسوں بھر رہا تھا۔

صبح دس بجے ہالے کے گھر سے سفر کے لیے روانہ ہوتے وہ سوچ بھی نہ سکتی تھی کہ وہ ایک تبدیلیوں بھرا عجیب و غریب اور بہت خاص دن ہے جو کہ شام ہوتے اسے نجانے زندگی کی کتنی رنگ برنگی کیفیات سے گزار چکا ہوگا۔

وہ حمزہ سے اپنے پہلے سامنے، گولڈن بالوں والے سے بچائے جانے، پھر آپس کا تعارف اور ان کی دن بھر کی بے شمار باتوں کو سوچتی جا رہی تھی۔

اگر اس ملاقات کا اختتام ایسے بھونڈے طریقے سے نہ ہوتا تو جانے حمزہ علی احمد کا کریکٹر آج سے اس کی زندگی میں کیسی نئی اتھل پتھل مچانے کا باعث بن سکتا تھا۔

پر وہ آخری آدھا گھنٹہ۔ شاید قدرت کی مدد تھی کہ وہیں نیری پر رحم اللہ تعالیٰ نے اس دھیرے دھیرے خاص بنتے ایک عام سے انسان کی اس سے اصل پہچان کروا دی۔

لیکن

وہ خود سے سراپا سوال تھی کہ اس نے حمزہ کو بچایا کیوں اور کیسے۔ اس جیسی انتہا کی بزدل اچانک کیوں اتنی بہادر بن گئی تھی حتیٰ کہ حمزہ خود بھی اپنے نکلنے کے متعلق نہ سوچ رہا تھا اور اس نے جانے کیسے اتنا سب کچھ کر لیا۔ جبکہ وہ خود بھی پھنس سکتی تھی۔

شاید یہ حمزہ کا وہ پہلا احسان تھا کہ جب وہ مشکل میں پھنسی تو حمزہ نے بنا جانے اس کی مدد کی تھی۔ اور اب باوجود لاکھ سوچ بچار کے وہ اس بات پر خوش تھی کہ حمزہ ایک مصیبت سے نکل بھاگا تھا۔

اگرچہ وہ دونوں ایک دوسرے کے مدار سے بھی غالباً ہمیشہ کے لیے نکل چکے تھے۔ نہ کوئی رابطہ نمبر، نہ پتا ٹھکانہ۔ حتیٰ کہ کوئی وعدہ، وعید تک نہیں۔

وہ سر جھٹک کر کھڑکی سے پلٹ آئی۔ چند ہی گھنٹوں میں یہ وہ کیا سوچنے لگ گئی تھی۔ حمزہ کے انداز سے ایسا کوئی اشارہ تک نہیں جھلکتا تھا، وہ اپنی



Scanned with CamScanner

جذباتیت پر خود کو ملامت کرتے بستر تک آئی۔ شاید آج کی تاریخ بدلنے سے پہلے پہلے اسے یہ حقیقت بھی تسلیم کر لینی چاہیے کہ یہ کہانی بس ایک ہی دن کی تھی۔ اگلی صبح کے ساتھ ہی اس دن کا صفحہ پلٹ جائے گا۔ پھر آنے والی زندگی میں دونوں ایک مرتبہ پھر ایک دوسرے کے لیے اجنبی۔ اس نے حمزہ کے خیال اس کی یاد کو اس رات اپنی ہی کوشش سے دھندلا ہو کر ایک ہلکے پھلکے بادل سا چھٹتا محسوس کیا۔ آنے والی صبح کے ساتھ وہ اپنا دامن اس موہوم خیال سے جھاڑ کر اٹھنا چاہتی تھی۔ اور اس رات سلینا نے ایسا ہی کیا۔ بھولنا کون سا مشکل کام ہے بھلا۔ پھر بات بھی ایک دن کی ہو تو۔ اور بھی آسان۔!

☆☆☆

"رشتہ تو بہت اچھا ہے سنی۔ تمہارے بابا بھی ہمیں تو خوش لگے۔" زوبیہ بھابھی نے ڈائننگ ٹیبل سمیٹتے موضوع چھیڑا۔

"بہت بڑا خاندان ہے بھابھی۔" سلینا نے منہ بسورا "مجھے اتنی بڑی فیملیز کی بالکل عادت نہیں ہے۔ بتا ہے سوچ کر گھبراہٹ ہوتی ہے۔"

"ہوں۔" زوبیہ نے بھی ڈھیلی سی تائید کی۔ "پانچ نندیں، دو جیٹھانیاں۔ ساس سسر۔"

"جیٹھانیوں کے پانچ چھ بچے بھی۔" سلینا نے اضافہ کیا تو زوبیہ بھی ہنس دی۔

"ہاں یار...... ہے تو جنجال پورہ۔ بس لڑکے کی جاب اچھی ہے ہم تو اس لیے۔"

"یار بھابھی۔ اچھی جاب والے اور بھی مل سکتے ہیں۔ پھر شادی کی جلدی بھی کر رہے ہیں۔ اور میرا تو ایم ایس کا ابھی ایک سمسٹر ہوا ہے۔ پورے تین باقی ہیں۔ پڑھنا بھی چھوٹ نہ جائے۔"

"تو پھر جواب دے دیں؟" زوبیہ بھی اب اس کی حامی نظر آ رہی تھی۔ سلینا نے فوراً جوش سے سر ہلایا۔ اور زوبیہ نے ہنس کر سلینا کو دھپ ماری۔

"یاسمین بھی مخالفت کر رہی تھی۔ چلو پھر صاف جواب دے دیتے ہیں۔"

"تھینک یو چاچی۔" وہ خوشی سے جھوم اٹھی۔ ایک ہفتے سے ٹینشن میں تھی۔ پتا نہیں کہاں کہاں سے رشتے آ جاتے تھے۔ اس نے بڑے دنوں بعد سکون محسوس کیا۔

چاچی نے کہہ دیا تھا اس عمیر نواز کو انکار کرنا ہے۔ وہ فین آن کر کے پلنگ پر لیٹ گئی۔ دونوں بازو پھیلا کر خود کو آزاد محسوس کرتا ہوا اسی سکون آور تھا۔ کچھ لمحے یونہی لیٹے گزر گئے، پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنا موبائل کھولا کیا۔ سب سے پہلے انسٹا گرام کھولا۔ اور ان باکس کے اس میسج کو اوپن کیا جسے رات سے غالباً وہ بیسیوں مرتبہ پہلے ہی پڑھ چکی تھی۔ سلینا نے وہ میسج ایک مرتبہ پھر پڑھنا شروع کیا جو اسے حمزہ کی جانب سے پچھلی رات ہی موصول ہوا تھا۔

"ایک اجنبی خیر خواہ کا مشورہ تھا کہ اپنے لیے کچھ کر دکھاؤں، اور موٹیویشن شاید کچھ نہیں ہوتی، اُسے معلوم نہیں تھا کہ اسی کا ایک احسان زندگی بھر کی موٹیویشن بن جائے گا۔ میرے پاس کرنے کے لیے، سوچنے کے لیے، آگے بڑھنے کے لیے حقیقتاً کچھ نہیں تھا۔ لیکن کچھ سفر قدرت ہمارے نصیب میں زندگی پلٹ دینے جیسے لکھ دیا کرتی ہے۔

اور وہ سفر۔ سفر نہیں ایک دن، ایک پوری کہانی تھا۔ جس نے میری زندگی مکمل بدل دی۔ وہ ساتھی مسافر جو انتہا کی بزدل تھی، مشکل میں ایک ہیرو، ایک ڈھال بن گئی۔ اور آج اس کی کرم نوازی کی بدولت میں ایک بالکل الگ انسان ہوں۔ شکریہ اجنبی دوست، تم نے سچ کہا تھا تعلیم صرف دیتی ہے۔ اگر وہ روزگار نہ بھی ہو تو شعور تو ہوگا ہی۔ میں نے آتے ہی یونیورسٹی میں ایڈمیشن لے لیا تھا۔ آج پہلے سمسٹر کے ختم ہونے پر ہائی جی پی اے کے ساتھ شکریے کے لیے حاضر ہوں۔

تمہیں تلاش کرنا شاید اول دن سے آسان تھا لیکن میں نے خود کو اس سے باز رکھا۔ میرے لیے تب نظریں ملانا ممکن نہ تھا۔ وہ ایک مشکل وقت تھا



Scanned with CamScanner

جب یہ تک سمجھنا مشکل تھا کہ کیا میں اپنی غلطیوں کا کبھی ازالہ کر سکوں گا۔

اور خود پر یہ عدم اعتماد ہمیں اپنی نظروں میں اٹھنے نہیں دیتا۔ کسی اور کا تو شکریہ ادا کرنے کے قابل بھی نہیں ہوتے۔ تم سے باتیں شیئر کرنا میری زندگی کا بہت خوش گوار تجربہ تھا۔ اور فیری کا وہ ایک دن کا سفر ایک بہت خوبصورت یاد۔

مجھے نہیں معلوم تمہیں میری دعا نے حیران کیوں کیا تھا پر میرے منہ سے تمہارے لیے واقعی اندر سے دعا نکلی ہے۔ تم جیسی نازک اندام کو کبھی گرم ہوا بھی چھو نہ سکے۔ تمہارا احسان مند، ہمیشہ کے لیے ممنون۔ حمزہ علی احمد۔

سلینا نے ایک بار پھر پلکوں کو نم ہوتا محسوس کیا۔ آٹھ ماہ بعد وہ ملا تھا۔ جسے ڈھونڈنے کی ہمت اسے کبھی مہینوں سے نہ ہو پائی تھی۔ ایک عہد تھا جسے وہ جبراً پورا کیے جا رہی تھی۔ پر آج پہلی بار لگا وہ جبر نہیں بلکہ صبر تھا جس کا انعام آج حمزہ کے اس پیغام کی صورت اپنے آپ موصول ہوا تھا۔ حالانکہ اس پیغام میں کوئی اقرار، کسی انتظار کا کچھ ذکر نہ تھا لیکن یہ پیغام اس کے لیے حمزہ کا نہیں بلکہ قدرت کا ایک اشارہ تھا کہ وہ دن، وہ سفر اور وہ کہانی فقط ایک دن کی نہ تھی۔

اُس دن نے اگر حمزہ کی پوری زندگی اس کے حالات بدل دیے تھے تو سلینا کے بھی خیالات میں بہت بدلاؤ آیا تھا۔

سلینا کے قدم اس تیز رفتار رواں دواں زندگی میں اچانک ایک پیغام ملنے پر سست پڑتے جیسے کسی نرم، ٹھنڈی سرسبز گھاس پر آن رکے تھے کہ جہاں سے کہیں اور جانے کو دل نہ چاہے۔

اُس نے رات۔ سے اب تک اس پیغام کو بار بار صرف پڑھا تھا، اس کا جواب ابھی تک نہ لکھا تھا۔ اور گھنٹوں کی سوچ بچار بالآخر الفاظ کی صورت سامنے ابھرنا شروع ہوئی۔

اُس روز ہم بچپن کی کہانیوں کے متعلق بات کر رہے تھے کہ جن کا آغاز "ایک دفعہ کا ذکر ہے۔

"سے ہوتے" وہ سب ہنسی خوشی رہنے لگے" پر ہوتا تھا۔ پتا ہے کیا؟ تب لگا کرتا تھا عام زندگی بھی بالکل ایسی ہی ہوتی ہے، پھر جوں جوں ہم بڑے ہوتے گئے، حقیقی زندگی ان کہانیوں سے یکسر مختلف لگنے لگی بلکہ حقیقت نے ہمیں ان فرضی قصوں سے بدگمان کر دیا۔

پر معلوم نہیں کیوں گزرے آٹھ ماہ کے دوران جب بھی فیری کے اس ایک دن کے سفر کو یاد کیا، پرانے قصے کہانیوں کی یاد آ جاتی ہے۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک دن کئی تبدیلیوں سے بھرا بالکل کسی فیری ٹیل جیسا ہی تھا۔ اور بات اُس ایک دن کی نہ تھی۔

اُس ایک دن نے میری زندگی، میرے سوچنے کا ڈھنگ بھی یکسر تبدیل کر دیا تھا۔ تب سے پہلے سلینا کی زندگی۔ "اس کے سپنوں، خواہشات، ضروریات، کمیاں، مجبوریاں"۔ انکا سب کے دائرے میں گول گول گھومتی رہتی تھی۔ میں کبھی ان سب سے نکل کر کچھ سوچ نہیں پائی تھی۔

تمہارے حالات تمہاری ناکام لو اسٹوری سن کر تمہارے خیالات پر حد سے سوا تعجب ہوا۔ تم نے اپنی زندگی کی کہانی سناتے مسلسل اپنے بجائے اوروں کا دفاع کیا، اور ایسا کر کے تم نے اپنے آپ کو ہلکا پھلکا کیا۔ اور یہ کیسی مثبت اور اچھی اپروچ تھی، اب سے پہلے میں نے اس کا تجربہ نہیں کیا تھا۔ واپس آنے کے بعد مجھے ابو کی مجبوریاں، یہاں چچا کے گھر رہنا، اپنی سوچ اپنے خیالات سب میں ایک نمایاں مثبت تبدیلی محسوس ہوئی،

اب مجھے کوئی بات بری معلوم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اب میں صرف اپنے حوالے سے نہیں بلکہ دوسروں کی جگہ آ کر بھی سوچ پاتی ہوں کہ میں خود کہاں غلط ہوں۔ ان سب تبدیلیوں کے لیے حمزہ علی کا شکریہ۔

اور ایک بزدل لڑکی نے کیوں اس روز ہمت کر کے ایک اجنبی لڑکے کو مصیبت سے نکلنے میں مدد کی، اس کا جواب خود مجھے بھی آج تمہارا پیغام پا کر ملا



Scanned with CamScanner

ہے۔ اس روز ایک بہت بڑی پرابلم سے نکل کر تم نے جس راہ کا انتخاب اپنے لیے کیا وہی اس بات کا ثبوت ہے کہ حمزہ علی ایک برائز کا کیس تھا اور وہ یہ ڈیزرو کرتا تھا۔ یونی ورسٹی میں تمہارے داخلے کی خبر سن کر بہت خوشی ہوئی۔ آج میرے دل سے بھی تمہارے لیے دعا نکل رہی ہے کہ اللہ پاک تمہیں زندگی میں ہمیشہ کامیاب و کامران فرمائے۔ آمین۔

پچھلے آٹھ ماہ کے دوران میں نے تمہیں ڈھونڈنے کی کوشش اس لیے نہیں کی کیونکہ مجھے لگا تھا کہ میری ملاقات ایک دو چہرے والے انسان سے ہوئی ہے۔ اور اس سوچ نے میرا دل بری طرح توڑ دیا تھا لیکن آج سمجھ میں آیا کہ تم بھی میری طرح کے ایک عام انسان ہو جو حادثاتی طور پر ایک غلط راستے کی طرف کھنچنے جا رہا تھا۔

آج ایک مدت بعد اُس "ایک دفعہ کا ذکر ہے۔ جیسی کہانی کو شروع سے لے کر دن کا اختتام ہونے تک سوچنا بہت اچھا لگ رہا ہے۔ جبکہ اب سے پہلے وہ دن غروب کی طرف جاتے کسی گرہن کی طرح تاریک پڑتا دکھائی دیتا تھا اور جسے سوچنا ایک کڑوا گھونٹ ایک تلخ یاد سے زیادہ چبھتا تھا۔ خوش رہو حمزہ علی۔

سلینا نے زیادہ سوچ بچار نہ کرتے صرف دل میں آتے خیالات انگلیوں کے بیچ سے موبائل پر اتارتے اپنا جوابی میسج حمزہ کو بھیج دیا۔

☆☆☆

"مجھے تو تمہاری جانب سے کسی ہائے ہیلو کی بھی امید نہ تھی، لیکن اتنا جامع اور مکمل جواب پا کر دل بے حد مسرور ہے۔ شاید یہ آٹھ ماہ کے طویل وقفے کا اثر ہے کہ ادھوری باتوں کو پورا کرنا دونوں طرف کی ضرورت بن چکا تھا۔ آج مجھے یقین ہو رہا ہے کہ کچھ ملاقاتیں، اور کچھ اتفاقات قدرت کا انعام ہوتے ہیں۔

وہ "ایک دن" بھی کوئی عام دن نہیں تھا۔ ہم دونوں کا ایک دوسرے سے ملنا قدرت کی طرف سے کسی بہت خاص وجہ سے لکھا گیا تھا۔ ہاں لیکن تم نے "ایک دفعہ کا ذکر۔ کی بات تو کی پر "دونوں ہنسی خوشی رہنے لگے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ تو سلینا احمد کیا یہ اختتام کی لائن میرے کہنے کی ہے، اور اگر ایسا ہے تو میں بقائمی ہوش و حواس، نہایت کشادہ دلی سے اقرار کرتا ہوں کہ میں اس ایک دن کی کہانی کو ہم دونوں کی پوری زندگی کی کہانی میں تبدیل کرنا چاہتا ہوں۔ کیا تم میری آنے والی زندگی میں میری ساتھی بننے کے لیے تیار ہو؟ اگر تمہاری ہاں ہے تو مجھے جواب لکھنا، ورنہ تمہارا جواب نہ آنا ہی تمہارا انکار تصور کروں گا اور تم سے مجھے کوئی گلہ شکوہ بھی نہیں ہوگا۔"

حمزہ نے امید و بیم کی کیفیت میں اپنا اگلا میسج بھی سلینا کی جانب بھیج دیا۔ جسے سلینا نے پڑھ بھی فوراً لیا کہ دلچسپی کا محور تو اب یہی پیغامات اور ان کا انتظار ہو گئے تھے۔ اس نے حمزہ کے میسج کو متواتر مسکراتے ہوئے پڑھا اور یہ اگلا جواب بنا کسی سوچ بچار کے اس کے اندر سے بڑے ہی بے ساختہ نکلا جسے اس نے بنا سوچے اسی وقت لکھ بھی بھیجا۔ اب کسی لمبی گفتگو میں پڑنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ اس نے ٹائپ کر کے موبائل دور پھینکا اور شرم سے اپنا چہرا اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔

۔ میرے ماتھے پہ تیرے پیار کا ہاتھ
روح پہ۔ دستِ صبا ہو جیسے

☆☆☆

"ہنسی خوشی رہنے لگے" ایک دعا ایک امکان تھا کہ، جس کی تکمیل کے وہ دونوں آرزومند تھے۔ لیکن ابھی وہ دونوں ہی ایک ایسی منزل کے مسافر تھے کہ جن کے نزدیک "محبت" ہی کامل، جامع اور حقیقی بنیاد تھی۔ حمزہ نے اس کا شعر پڑھ کر ایک سٹوری لگائی تھی۔ "اور جب روح مسکرائی ہے۔! اور یہ جملہ سلینا کو جیسے اپنے خیالات کا ترجمان لگا۔ وہ پڑھ کر بے ساختہ ہنس دی

اور اب قدرت اس تصویر میں اُن کے لیے کیا رنگ بھرنے والی تھی، وہ دونوں اس آنے والے وقت کے منتظر تھے۔!

☆☆



Scanned with CamScanner

کاشفہ رابعہ

# آواز پلٹ کر آتی ہے

شبانہ کا جب سے رشتہ آیا تھا اسے پتنگے لگے ہوئے تھے

"بھلا یہ پینڈو پروڈکشن میرے لیے ہی رہ گیا ہے۔"

"اوہو تو گاؤں کے نمبردار کے کیا سرخاب کے پر لگے ہوتے ہیں؟"

"ہونہہ کیا پدی کیا پدی کا شوربہ، میں تو کبھی بھی گاؤں کے رہنے والے سے شادی نہ کروں گی۔"

اس کے ہزار احتجاج، بھوک ہڑتال، دھمکیوں کے باوجود رشتہ ہو گیا!

اس لیے کہ ایک طرف اس کی پیاری دادی، ماں باپ، تینوں بہنیں، دونوں بھائی اور ساری سکھی سہیلیاں تھیں دوسری طرف وہ اکیلی!

درخت سے گرا نجا پتہ، اس کی ہر دلیل کو جوابی دلیل سے رد کر دیا گیا۔ تینوں بہنیں شہروں میں بیاہی گئیں، ایک کا سسرال جنجال پورہ تھا لیکن سے بھی آگے۔

گھر کی تین منزلیں تھیں اور تینوں منزلیں ہی خانہ آبادی کا اشتہار!

اس کے دو جیٹھ، ساس سسر اور دو کنواری نندیں اس ڈربہ نما چھوٹے سے گھر میں رہتی تھیں اور ستم بالائے ستم دونوں جیٹھانیوں کے چار چار پانچ پانچ بچے تھے۔

ان کے ہاں خیر سے جب بچہ پیدا ہوتا بیڈ کے اوپر ایک اور منزل بن جاتی، اب تو بیڈ بھی تین تین منزلہ ہو چکے تھے۔

شبانہ کی بہن کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے لیکن شبانہ بمشکل تین مرتبہ ان کے ہاں گئی تھی۔ وہ بھی جب آپی کے بیٹا پیدا ہوا تو انھوں نے ہی منت ترلے کیے کہ مجھ سے اٹھا بیٹھا نہیں جاتا بس دو دن میرے ساتھ آ جاؤ۔ شبانہ چلی تو گئی لیکن سچ پوچھیں دو گھنٹے میں ہی اس کی طبیعت شدید بے زار ہو چکی تھی۔ ابھی اسے بہن کے ساتھ گئے پانچ سات منٹ ہی ہوئے تھے، وہ ان کی ساس کے ساتھ پلنگ پر بیٹھی تھی کہ اسے اپنی ٹانگوں میں ارتعاش سا محسوس ہوا۔

کوئی نرم سی چیز اس کے پاؤں پر لگی۔

اس نے بے اختیار ہائے اللہ کہہ کر ٹانگیں اوپر کیں تو بہن کی جیٹھانی کا دو ڈھائی سالہ بیٹا باآواز بلند قہقہے لگاتا پلنگ کے نیچے سے برآمد ہوا، اس کے ہاتھ میں نمک مرچ والی مولی تھی اور وہ مزے سے کھاتے ہوئے آنے والے مہمانوں کو ڈرانے کا کام بھی کر رہا تھا۔

وہ اٹھ کر صوفے پر بیٹھی تو صوفے کا کپڑا گیلا تھا وہ تڑپ کر اٹھی تو تین چار سال کی بچی کھی کھی کرتے ہوئے کہ رہا ہوئی۔

"مدھ مجھے چھر بت دل دیا تھا۔"

(مجھ سے شربت گر گیا تھا)

دل ہی دل میں "تیرا بیڑہ غرق، لیکن منہ سے کوئی بات نہیں، کہتے ہوئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی کمرے میں بیٹھنے کے لیے کوئی اور جگہ ہی نہ تھی۔

بہن کی ساس نے ترس کھاتے ہوئے اسے جانے کی اجازت دی تو بہن کا کمرہ، رانا ہاؤس کی بجائے "نیانا ہاؤس" بنا ہوا تھا۔

ایک سال کی عمر سے دس سال تک کی عمر کے بچے نومولود کو دیکھنے کے لیے جمع تھے۔

کچھ اڑوس پڑوس کے بھی آگئے تو کمرے میں

بچوں کی آواز کے علاوہ کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

سیکنڈ، منٹ اور گھنٹوں کی گنتی مکمل کر کے اڑتالیس گھنٹوں کے بعد وہ گھر پہنچی تو لگتا تھا، وہ پچھلے اڑتالیس سالوں سے جاگ رہی ہے۔

اب وہی بہن اسے گاؤں کے وسیع و عریض دو ایکڑ پر مشتمل گھر کے فضائل بیان کر کے منہ بند کروا رہی تھیں۔

دوسری بہن جبین نے اس کی گوشمالی کی۔

"ارے ہمارا تو خواب ہے کھلے بڑے اپنے ذاتی گھر میں رہنے کا، ڈھیروں ڈھیر کرایہ دیتے ہیں تو سانس لیتے ہیں اور بی بنو تمہیں کس نے کہا وہ.

گاؤں ہے ارے فارم ہاؤس کا نقشہ تھا فارم ہاؤس کا، بس ارد گرد خاندان برادری والوں نے سات آٹھ گھر بنائے تو گاؤں کہلایا جانے لگا۔

اور ناشکری نہ کرو ترسو گی ایسے رشتے کے لیے ڈکر جا کر کھلی، فضا، کئی گاڑیاں، ایک ہم ہیں اماں بادا نے کاروبار دیکھ کر جہاں بھیج دیا سر جھکائے چلے گئے۔

کاروبار تو پیسے سے چلتا ہے اور پیسے کو پیسہ کھینچتا ہے کوئی زیور نہیں بنانے دیتے کوئی گھر نہیں خریدتے کہ بھئی پیسہ کاروبار میں لگائیں گے تو نفع ٹھیک ٹھاک ہوگا زیور کا کیا ہے وہ تو آج دلہنیں بھی نقلی ہی پہنتی ہیں اصلی زیور تو بس تصویروں میں ہی رہ گیا ہے۔

جبین کے بعد مہناز کی باری تھی، اس نے بھی محدود آمدنی اور لامحدود اخراجات کے قصے اس انداز میں سنائے گاؤں کے ایم فل ڈگری ہولڈر، نمبردار کی اتنی خصوصیات بیان کیں اکہ شبانہ بھی دل سے کچھ کچھ قائل ہو ہی گئی۔

رہی سہی کسر دادی نے پوری کردی، جن کے بقول لڑکا ان کی بچپن کی سہیلی کا پوتا ہے اور بہت شان وشوکت والا گھرانہ ہے۔

"اگر تمہیں وہاں کوئی شکایت ہوئی تو میرا گریبان پکڑنا۔"

"اور سن بے وقوف اب دیہات پہلے والے نہیں رہے یہ دیکھ اس عالی شان گھر کی وڈیو جسے تو پینڈو کہہ رہی ہے،، بھیا نے اسے واٹس ایپ پر وڈیو بھیجی۔

جب وہ لرزتے کانپتے ہاتھوں سے وڈیو دیکھنے بیٹھی تو اس کی آنکھوں میں حیرت کا پورا سمندر تھا۔

"اللہ جی اتنا بڑا گیٹ وے ... اور یہ انٹرنس کتنی شان دار۔

اوئے ہوئے، یہ کارپٹ چلو تو پاؤں دھنس جائیں۔ جوں جوں وہ گھر کی وڈیو دیکھتی جارہی تھی اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کی لہر ابھرتی جارہی تھی۔ وڈیو دیکھ کر اس نے گہرا سانس لیا۔

اعصاب کو ہر طرح کے تناؤ سے آزاد کیا اور حتمی فیصلہ کر ہی لیا۔

"ویسے بھی سب کہتے ہیں شادی اک جوا ہے تو چلیں کھیل لیتے ہیں پھر۔"

اس کے بعد دادی سے جا کر کہا۔

"دادی اماں، آپ خوش ہو جائیں آپ کی بچپن کی سہیلی کے صدقے پوتی قربانی کے لیے تیار ہے"

دادی نے اک دھموکا اس کی کمر پر جڑا۔

"اول فول بکے جاؤ گی بس، دوسری بہنوں کو دیکھو بری بات بھی اچھے میٹھے لفظوں میں کہتی ہیں اور تم۔" انہوں نے دانت کچکچاتے ہوئے کہا۔

"تم وہ ہو جو اچھی بات کہنے کے لیے بھی برے سے برے لفظ چنتی ہو، قربان ہوں تمہارے دشمن تم تو راج کرو گی راج۔"

یوں دسمبر کی ایک ٹھنڈی یخ شام شبانہ راج کرنے کے لیے رانی بن کر منصور کے شاہی محل میں داخل ہوگئی۔

یہ اور بات ہے یہ محل شہر سے پندرہ سولہ کلومیٹر دور ایک گاؤں میں واقع تھا۔

☆☆☆

شبانہ کی قسمت اچھی تھی اس نے سب کی دلیل قبول کر کے اقرار میں سر جھکایا۔

اللہ نے خوشیوں کے در اس پر کھول دیے۔

بہت ہی صلح جو فطرت کی خیال رکھنے والی سسرال، بہت احساس کرنے اور بن کہے ضرورتوں کا خیال رکھنے والا شوہر، بہت خوب صورت جدید سہولیات سے آراستہ شان دار گھر، گاڑی، پھر اللہ نے اوپر تلے تین بچے بھی دے دیے، وہ واقعی خوشیوں کے ہنڈولے میں جھول رہی تھی قسمت کی دیوی اس پر حد درجہ مہربان تھی۔

جب چاہتی میکے جاسکتی تھی کوئی روک ٹوک نہیں تھی۔

جو چاہے بازار سے خریداری کرسکتی تھی کوئی اس پر پابندی نہیں تھی، اپنی بہنوں سہیلیوں کو ہر دو چار ہفتوں کے بعد اپنے ہاں مدعو کرتی۔

سب ہی بھاگی چلی آتیں۔ کبھی گنے کا تازہ رس پلاتی اور گڑ شکر بننے کا عمل دکھاتی، واپسی میں میوہ



Scanned with CamScanner

جات اور اصلی گھی والا گڑ ان کو بطور تحفہ دیتی۔
موسم کی سوغات یعنی ساگ، مکئی کی روٹی، باجرے کی کھچڑی، آلو کے بھر بھر کے تھیلے ساتھ بھیجتی۔
کون سا پھل تھا، جس کا درخت ان کے گھر یا قریب ہی زمینوں پر نہیں تھا۔ لوکاٹ، مالٹے، آم، امرود، یہاں تک کہ کھٹ مٹھے فالسے، لیموں کا بڑا سا پودا تو گھر میں ہی تھا، پھر پھولوں کی وہ وہ اقسام اس داخلی راستے کے چاروں طرف خوشبودار ہوا کے ماحول میں آنے والے کو خوش آمدید کہتیں کہ وہ کسی فائیو اسٹار کا حصہ دکھائی دیتا۔
بہنیں، چچازاد، ماموں زاد اور سہیلیاں جب بھی آتیں واپسی پر اسے، دنیا کی خوش قسمت ترین عورت قرار دیتے اپنے گھروں میں واپسی کی بات کرتے ہوئے لبے ہو کے بھرتیں۔
وہ جب آتیں مرجھائی کلیوں کی طرح ہوتیں لیکن جب واپس جاتیں تو چہرے تروتازہ ہوتے۔ لہجوں میں کھنک اور آنکھوں میں دھنک کے سارے رنگ ہوتے۔ "تم دنیا کی ناشکری عورت ہو، اگر وزیر مشیر، صدر، وزیر اعظم کے ایسے گھر ہیں تو ان کو کروڑ ہا کیلیٹوں کے ساتھ رہنا نصیب ہوتا ہے، ایک تم ہو تازہ سبزی پھل گھر کی گندم آٹا درجنوں کے حساب سے بھاگتی دوڑتی مرغے مرغیاں، جب جی چاہو پکڑ کر ذبح کر کے شکم پری کرو۔
ارے خدا کی کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گی، صدقے واری جانے والی سسرال، جان چھڑکنے والا شوہر، صحت مند گول گپے سے بچے، بتا تجھے اور کیا چاہیے؟ نہ شور شرابہ نہ ٹریفک کی بے ہنگم پاں پاں"
وہ سر جھکائے اپنے آپ کو کوستی۔ شکر گزاری میں اضافہ کی دعا کرتی رات سونے سے پہلے توبہ کے نفل ادا کرتی۔
ان سب کے باوجود اس کے دل کا ایک کونہ خالی رہتا۔
وہ آنسو خاموشی سے پی جاتی۔ اس کی جبین نیاز پر ہزاروں نہ سہی ایک سجدہ ہی تڑپ کر آ جائے۔

آخر کیوں وہ اپنے آپ کو کم کم سمجھتی ہے؟ اس کا شاطر دماغ چن چن کر وہ مناظر اور وہ لوگ فلم کی طرح سامنے لے آتا۔ جب بھی وہ باہر نکلتی۔ گلیوں میں ننگ دھڑنگ بچے۔ سخت سردی کے موسم میں بھی ننگے پاؤں، سارا گاؤں موٹے گرم لحاف میں دبکا ہوتا ہے اور وہ بچے تن کے دو کپڑوں سے بے نیاز اگر قمیص ہے تو پاجامہ شلوار نہیں اور شلوار یا نیکر پہنی ہے تو قمیص نہیں۔
بہتی ناک اور ماں بہنوں کو ایک کرنے والی گالیاں اگلتے ہوئے۔
آہ۔۔۔ کس کس منظر پر جی کڑھتا ہے اس کے دل میں ٹیس اٹھتی۔
وقت بے وقت گھر میں آنے والی خواتین اور ان کے اپنی ہی رشتے دار خواتین کے خلاف شکوے شکایتوں کے پلندے۔ نند کی بھاوج کے خلاف، ساس کی بہو کے خلاف، دیورانی جیٹھانی کی، ایک دوسرے کے لیے سازشوں کا ایسا گرما گرم موضوع ہوتا کہ وہ ایک قصے سن کر ہی اس کا دل اوبھ جاتا۔
میاں بیوی میں جدائی کی ایسی ہوشربا داستانیں کہ سن کر کلیجہ پھٹ جائے۔
جادو ٹونا اور پیروں فقیروں کی درگاہ پر جانے کی کہانیاں۔
الغرض جب گاؤں کی خواتین گھر میں داخل ہوتیں وہ آنے بہانے کھسک جاتی۔ اپنے کمرے میں جا کر بھی کانوں پر ہاتھ رکھ لیتی۔

Scanned with CamScanner

بچوں کی پہنچ سے دور رکھنے کے لیے گیٹ پر اطلاعی گھنٹی کافی اونچی جگہ پر لگائی گئی۔ اب جو چھوٹے قد کی عورت یا بچہ آتا اسے دونوں ہاتھوں سے دھڑ دھڑ دروازے کو پیٹتا جیسے گھر میں آگ لگی ہو۔

ان سب کو وہ برداشت کر بھی لیتی تو گاؤں میں گھر ہونے کے مستقل سائڈ ایفیکٹ۔ ہر دوسرے دن گھر میں گرد مٹی نظر آتا، گلیوں میں کھڑے گندے پانی کی وجہ سے مچھروں کی بہتات۔ سارا دن شبانہ دروازے بند کرنے کی ڈیوٹی سرانجام دیتی۔

مچھر مار اسپرے، لوشن کریم کی ساری چیزیں بے کار ثابت ہوتیں اور مچھروں کے کانوں میں گھس گھس کر راگ سنانے سے بچپن میں یاد کی نظم پھر سے یاد آجاتی۔

اسے لگتا سارے مچھر تالیاں بجا بجا کر نظم سنا رہے ہیں۔

مچھر ہوں میں مچھر ہوں۔
گندہ پانی میرا گھر۔
بھیں بھیں کرتا آؤں گا سب کو راگ سناؤں گا

وہ سونے جاگنے کی کیفیت میں ساری رات گزار دیتی۔

میاں تسلی دیتا۔

"بس صبر کرو کچھ دن اور"

کچھ دن اور میں وہ سات سو چھتیس دن تھے جن میں پہلے ساس اور سسر رخصت ہوئے۔ اس کے بعد گنتی کے چند دن تھے، جب وہ شہر کی سب سے مہنگی اور سب سے جدید کالونی میں منتقل ہو گئے منصور نے وعدہ پورا کیا۔

اس نے زندگی میں ماں باپ کا خیال رکھا لیکن اب اس نے اپنے بیوی بچوں کے لیے جینا تھا۔

نئے گھر میں ہر وہ سہولت تھی جو اس نے سوچ رکھی تھی۔ سہولتیں تو گاؤں والے گھر میں بھی ساری تھیں لیکن ماحول اپنی مرضی کا تھا۔

یہاں باہر تنگ دھڑنگ بچے نہیں تھے۔ چھوٹے بڑوں کے منہ سے غلیظ گالیاں نہیں سنائی دیتی تھیں۔

یہاں جب جی چاہے کوئی نہیں آتا تھا۔ طور طریقے سب کو معلوم تھے۔ اب اس کا اصل کام شروع تھا بچوں کی تعلیم اور تربیت کا!

چوبیس گھنٹے پر مشتمل وہ دن جو گاؤں میں اسے ایک سو چوبیس گھنٹے کا محسوس ہوتا تھا شہر میں آ کر اس وقت کو پر لگ گئے۔

اس نے اپنے وعدے کو پورا کیا۔ شکرانے کی دیگ یتیم خانے میں بھیجی۔ قریبی مسجد میں تین پنکھے لگوائے۔ ہسپتال کے باہر اس نے پانی کا کولر رکھوایا۔ الغرض وہ شکر ادا کرنے میں ہلکان ہو رہی تھی۔

اس کے بس میں نہیں تھا کہ ہر کونے میں سجدے کرے۔

گاؤں میں وہ صابرہ تھی تو یہاں آ کر شاکرہ بن گئی تھی۔

☆☆☆

ایک سال دو سال، یہاں تک کہ گیارہ سال گزر گئے۔

اس کا وقت بہت برکتوں والا تھا، میاں ہر دوسرے دن زمینوں پر جاتا رات گئے واپس آجاتا۔ واپسی ممکن نہ ہوتی تو فون پر بتا دیتا۔

وہ یہاں تنہا تو نہیں تھی، بڑا بیٹا دونوں بچیاں بیٹا تو ہفتے کی رات پہنچتا ملتان میں پروفیشنل ڈگری کے حصول میں مصروف تھا۔

خدا نے اس دن کا سورج بھی دکھا ہی دیا جب اس کے بیٹے کی پروفیشنل ڈگری اس کے ہاتھ میں تھی۔

شبانہ خوشی میں گنگناتے ہوئے نت نئے پکوان بنا بنا کر فریج میں رکھ رہی تھی۔

وقت آگیا تھا سماجی زندگی کے وہ روابط جو اس نے بچوں کی تعلیم کی وجہ سے محدود کر دیے تھے اب بحال کیے جائیں۔

سسرال اور میکہ سے ہٹ کر وہ اس دعوت میں کچھ لوگوں کو مدعو کرنا چاہتی تھی جب اسے اس کی اٹھارہ سال کی بیٹی عائشہ نے مخاطب کیا۔



Scanned with CamScanner

"ممی، آپ نے پوچھا نہیں کہ بھیا آج کل ہر وقت شرارتی موڈ میں کیوں ہوتے ہیں کیوں ہر وقت ہواؤں میں اڑتا محسوس کرتے ہیں ان کے چہرے پہ ہر وقت کیوں مسکراہٹ رہتی ہے؟"

"کیا مطلب؟ ابھی اس کے سر سے پڑھائی کا وزنی بوجھ اترا گیا ہے اللہ نے اسے اچھی ڈگری دے دی ہے تو خوش بھی تو ہو؟"

"ہائے میری بھولی مما، یہ آنکھوں کی چمک اور چہرے کی چمک کچھ اور اشارے دے رہی ہے، میں نے بوجھ بھی لیا ہے انبساط نام کی لڑکی بھیا کو بہت پسند ہے بس یہ بات ہے۔"

شبانہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے بیٹی کی طرف دیکھ رہی تھی۔

ابھی تو یہ مرحلے اس کے حساب سے بہت دور تھے

لیکن وہ سمجھ دار اور تعلیم یافتہ عورت تھی، بہت جلد اس نے اپنے حواسوں پر قابو پایا۔ ٹھنڈے پانی کے تین گھونٹ اس کے اعصاب کو بہت حد تک پرسکون کر گئے۔ اس نے بہت آرام سے پوچھا۔

"انبساط؟ یہی نام لیا ہے ناں؟ کیا کرتی ہے؟ کہاں رہتی ہے؟ تمہیں کیسے پتا چلا؟" سات سوال ایک ہی جملے میں شبانہ نے عائشہ کی طرف دیکھا۔

"امی، بھائی کی کلاس فیلو ہے، لیکن بھائی کا اس سے ہیرو ہیروئین والا تعلق نہیں، رابطہ بھی نہیں بس بھائی کو پڑھائی کے ان چار پانچ سالوں میں وہ بہت اچھی لگی بقول ان کے انبساط کلاس کی ستائیس لڑکیوں میں سب سے الگ تھلگ رہتی ہے، سنجیدہ بردبار اپنے آپ کو خودداری کے حصار میں رکھنے والی، خوش شکل اور خوش گفتار۔" عائشہ کو جو معلوم تھا وہ بتا دیا۔

رات گئے جب سیٹی کی دھن پر قدم اٹھاتا نعمان منصور، اس کا اکلوتا بیٹا گھر میں داخل ہوا تو نظر بھر کر شبانہ نے اس کی طرف دیکھا۔ خود کو سمجھایا۔

"یہ اس کی عمر کا تقاضا ہے ہر لڑکے کے اس عمر میں یہی جذبات ہوتے ہوں گے اور جب کوئی آنکھوں کو اچھا لگنے لگے تو چال ڈھال سب پہ اثر پڑتا ہے۔"

شبانہ نے ایک بہت سمجھدار ماں کی طرح بیٹے کا سر گود میں لے کر پوچھنا شروع کیا۔

پہلے تو نومی کو جیسے کرنٹ لگا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے سب بتا دیا۔

انبساط کا تعلق لاہور سے ہے۔

انبساط کے والدین دونوں ملازمت کرتے ہیں۔

اچھی میچور سوچ کی مالک ہے۔ کبھی اسے لڑکوں کے ساتھ بات کرتے یا آتے جاتے نہیں دیکھا۔ ان پانچ سالوں میں نومی کی بھی انبساط سے کسی قسم کی بات نہیں ہوئی۔

موبائل فون پر یا کسی ذریعے سے رابطہ نہیں لیکن اب جب کہ وہ تعلیم مکمل کر چکے ہیں، انبساط کو ایک اچھی ملازمت کی پیشکش بھی ہو چکی ہے تو اس نے کلاس کے کچھ لڑکوں اور لڑکیوں کو مقامی ہوٹل میں چائے پارٹی پر مدعو کیا تھا۔

چونکہ وہ ہمیشہ سے کلاس میں ٹاپ پر رہی تھی اور بہت سارے انعام ایوارڈ، میڈل شیلڈز اس کے حصے میں آئے تو سب نے اس کی شاندار ملازمت ملنے کا سن کر پارٹی کی فرمائش کی تھی۔

اس لیے میں بھی مدعو تھا میں نے اپنا موبائل نمبر اسے اس پیغام کے ساتھ محفوظ کرنے کی تلقین کی تھی کہ جلد ہی ان شاء اللہ میرے والدین آپ کی طرف آئیں گے۔

آپ یقین کریں مما، اس کے علاوہ میری اس سے پانچ سالوں میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی مجھے غلط مت سمجھیں۔ بیٹا بہرحال ماں کے جذبات بھی سمجھ رہا تھا اس کے سوال جواب شروع ہونے سے قبل پھر کہنے لگا۔

"مما، میں یہ بھی نہ کہتا لیکن وہ مجھے ہمیشہ سب



Scanned with CamScanner

سے منفرد اور باوقار لگی اس کے کانوں میں یہ بات ڈالنے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اسے پتا چل جائے اور اگر اس کے لیے کوئی رشتہ آئے تو اسے میرے رشتہ کا بھی علم ہو، باقی آپ اس سے ملاقات کر لیں اگر میرٹ پر پوری نہ اترے تو بے شک رد کر دیں، آپ میری ماں ہیں آپ کو پورا اختیار ہے اس کا لیکن پلیز ایک مرتبہ ضرور مل لیں۔" اس کا انداز التجائیہ تھا۔

شبانہ اس وقت استقامت کی دعا مانگ رہی تھی۔ یہ انہونی نہیں تھی۔ اسے ہونا ہی تھا۔ نومی نے کوئی غلط حرکت نہیں کی تھی کہ وہ متعصب ہو جاتی انا کا مسئلہ بناتی۔ وہ سمجھ دار ماں تھی۔ اسے پرسکون رہنا تھا۔

اس نے بیٹے کو بہت محبت سے تسلی دی بھرپور تعاون کا یقین دلایا اور پہلے مرحلے میں اس کے چند کلاس فیلوز کو رات کے کھانے پر مدعو کر لیا۔ مہمانوں میں انبساط بھی تھی۔ پہلی نظر ڈالنے پر وہ عام سی لڑکی تھی۔

مہنگی فاؤنڈیشن اور چہرے کی بیس کمال درجہ کی مہارت سے نیچرل رکھی گئی تھی۔ تیکھے نین نقوش کی لڑکی جو اس کے بیٹے کے دل میں جگہ بنا چکی تھی، لامحالہ شبانہ نے بھی اسے بھرپور توجہ دی، محبت دی احترام دیا۔

سارا گھر گھوم پھر کے دکھاتے ہوئے شبانہ اپنی جہاں دیدہ نظروں سے بہت کچھ بھانپ چکی تھی۔

پسندیدگی کی جھلک انبساط کی نظروں سے امڈ امڈ کر باہر آ رہی تھی۔

شبانہ نے اسے گاؤں والے گھر اور باغات کی وڈیو دکھائی۔ انبساط کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔

"آئی گاؤں اور گاؤں سے وابستہ چیزیں میری فینٹسی ہیں، کیا لکی ہیں آپ لوگ واؤ۔" اور اس کی آواز، تاثرات بتا رہے تھے کہ یہ فقرے اس نے فارمیلیٹی پوری کرنے کے لیے نہیں دل سے کہے ہیں۔

شبانہ نے مسکرا کر کہا تھا۔

"ممکن ہے ایسا ہی ہو لیکن مستقل وہاں رہنے اور کبھی کبھار سیر و تفریح کے لیے جانے میں بہت فرق ہوتا ہے۔"

"کیا وہاں انسان نہیں رہتے؟ یہ تو آپ کا اپنا دل ہے سمجھا بجھا کر راضی کر لیں یا دل کے ہاتھوں خوار ہوتے رہیں، اگر تقدیر نے وہاں کا دانہ پانی لکھ دیا ہو تو آپ کیسے انکار کر سکتی ہیں؟" انبساط کا بہرحال نقطہ نظر ذرا فرق تھا۔

اس کی چال بھی مستانی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے کناروں پر دبی دبی مسکراہٹ اور شرم دکھائی دے رہی تھی۔ گفتگو، انداز کھانے پینے کے طور طریقے بھی اس کے دوسروں سے منفرد تھے، بہو کے مطلوبہ معیار پر سو فیصد پورا نہ اترتے ہوئے بھی وہ خوش دلی سے اسے بہو کے طور پر قبول کر چکی تھی۔

"زندگی تو بہرحال ان دونوں نے گزارنی ہے۔" یہی وہ نکتہ تھا جس پر پوری توجہ سے دلائل دے کر اس نے منصور کو قائل کر ہی لیا تھا۔

☆☆☆

بہت اچھی ماں کی طرح شبانہ نے اپنے میاں کے ساتھ بچوں کو مشاورت میں شریک رکھا۔ کیونکہ اسے علم تھا آنے والے کل کے لیے اس طرح کے فیصلے بہت راہنمائی دیتے ہیں۔

بچوں کو معلوم ہوگا۔ جب حالات کا دھارا اچانک رخ بدل لے تو بجائے ٹامک ٹوئیاں مارنے کے مشاورت کی جاتی ہے۔ رب سے دعا کی جاتی ہے۔

اس نے بچوں کو پاس بٹھا کر سوال کیا تھا۔

"لڑکی ہمیں پسند ہے اس کے طور اطوار کا بھی کچھ نہ کچھ اندازہ ہے تو بجائے دنیا میں بنی غلط رسموں کے ہم سیدھا سادہ کام نہ کر لیں، ہم لڑکی والوں کی طرف نہیں جاتے بلکہ انہیں اپنے ہاں بلا لیتے ہیں، ہماری طرف سے تو فائنل ہی ہے ان کی طرف سے اقرار یا انکار ہونا ہے تو کیوں نہ ہم انہیں مدعو کر لیں وہ



Scanned with CamScanner

ہماری طرف آئیں کھانا کھائیں ہم سے سوال جواب کریں اور جو فیصلہ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کر لیں۔"

"جی امی بہترین آئیڈیا ہے۔" نومی نے کہا۔

"مما ٹھیک کہتی ہیں، فیصلہ تو انہوں نے کرنا ہے ٹھیک ہے مما۔" بیٹیوں نے بھی اوکے کر دیا۔

بس منصور تھوڑا سا چپ تھے۔

شاید کوئی بھانجی بھتیجی انہوں نے خیالی دنیا میں بہو کے خانے میں فٹ کی ہوئی تھی۔

شبانہ جانتی تھی جب کسی بھی بندے کی آس اور امید ٹوٹ جائے تو دل کتنا بجھ جاتا ہے۔ اب اس پر دوہری ذمہ داری تھی۔ بیٹے کی خوشی کے ساتھ میاں کی دلجوئی کی۔ وقت بہترین مرہم ہے منصور سب سمجھ جائیں گے۔ شبانہ نے ہی انبساط سے اس کی والدہ کا نمبر لیا۔

فرصت کے اوقات کا معلوم کیے۔

وہ کسی بھی ہسپتال میں پیرا میڈیکل سٹاف میں شامل تھیں۔

اتوار کے دن اس نے انبساط کی والدہ کو فون کیا

مختصر تعارف کروایا۔ ساتھ ہی وضاحت بھی کر دی کہ "رسم زمانہ کے مطابق تو لڑکے والے پہلے جاتے ہیں رشتہ ڈالنے تو بات یہ ہے یہ تب ہوتا ہے جب لڑکی دیکھنا ہو بچی ہم دیکھ چکے ہیں

اس نے بھی طور پر بتایا ہوگا کہ وہ ہم سے مل چکی ہے

ہمیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں باقی آنے کا ہم ان شاءاللہ تب پروگرام بنائیں گے جب آپ لوگ ہمارے گھر آئیں گے۔

آپ مناسب سمجھیں تو اگلی اتوار دوپہر کا کھانا ہمارے ساتھ کھائیے۔

آپ فیملی کے تمام افراد آئیں ہمارے لیے یہ دلی خوشی کا باعث ہوگا۔"

ظاہر ہے انبساط گھر والوں کو بتا چکی تھی۔ اور ضرور اپنی پسندیدگی سے بھی آگاہ کر دیا ہوگا کیونکہ انبساط کی والدہ نے فوری طور پر دعوت نا صرف قبول کر لی بلکہ اگلی اتوار ایک بجے تک پہنچنے کا وعدہ بھی کر لیا۔

☆☆☆

"مما انبساط نے پارٹی میں فروٹ سیلڈ، چکن پکوڑے بھی رکھے تھے۔" ماں کو دعوت کے انتظام میں مصروف دیکھ کر نومی نے انبساط کی پسند سے آگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے میں نے فروٹ سیلڈ کا تو سوچا تھا چکن پکوڑے بھی مینو میں شامل کر لیتی ہوں ویسے اسے اس دن میرے ہاتھ کا چکن پلاؤ اور تمہاری بہت پسند آئی تھی میں نے وہ بھی مینو میں شامل کیے ہیں۔" عام سے لہجے میں شبانہ نے بیٹے کو مطمئن کیا۔

☆☆☆

اتوار کی صبح بڑی روشن تھی۔

نومی بار بار موبائل فون کی اسکرین پر نظر ڈالتا۔ انبساط نے لائیو لوکیشن بھیجی تھی بار بار چیک کرتا۔

کبھی ماں سے باورچی خانہ میں جا کر ہلکی پھلکی بات کرتا۔ کھانے کی میز کا دس مرتبہ جائزہ لیا صاف کرسیوں کو نئے سرے سے صاف کیا۔ شبانہ سب دیکھ رہی تھی۔

"مجھے چونکہ ابھی ساس بننا ہے اس لیے دل بڑا کرنا ہوگا۔" اس نے اپنے آپ کو تھپکی دیتے ہوئے سمجھایا۔

"اس عمر میں سارے لڑکے شاید ایسے ہی باؤلے ہو جاتے ہیں۔" اس نے منصور سے پوچھا۔

"کیا آپ کا ماضی لوٹ آیا ہے؟ آئینے میں اپنے آپ کو تو نہیں دیکھ رہے؟"

منصور ہنسا۔

"نہیں اگر تمہاری ایک جھلک دیکھ لیتا تو شاید کچھ اثرات آ ہی جاتے، خیر ہم اب ایسے باؤلے ہی تو ہیں۔" منصور زیر لب مسکراتے ہوئے شبانہ کو

چھیڑنے لگے۔ گاڑی کے ہارن کی آواز سے مہمانوں کے آنے کا پتا چلا۔ لاہور کی مشہور بیکری کا کیک، مٹھائی، پھولوں کا بڑا سا بکے اور شاید ایک آدھ چیز اور بھی تھی۔

ایک گھنٹہ باہمی دلچسپی کے موضوعات، سفر کیسا گزرا، موسم کے تیور کیسے رہے وغیرہ پر بات ہوئی۔

محسوس ہی نہیں ہوا وہ پہلی مرتبہ مل رہی ہیں انبساط کی والدہ اور بہنوں کی طرف سے بھی بے تکلفی اور اپنائیت کا مظاہرہ ہوا، کھانا خوش گوار ماحول میں کھایا گیا۔

ہر چیز کی مہمانوں نے دل کھول کر داد دی۔ کچھ ڈشوں کی تراکیب معلوم کی گئیں۔

شام گئے چائے پینے کے بعد مہمان رخصت ہو گئے۔

بچیوں کو کھانا اور برتن سمیٹنے کا کہہ کر شبانہ کچھ دیر آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

وہ مسلسل کھڑے رہنے سے بہت تھک چکی تھی سوتے وقت بھی اس کی آنکھوں میں نوی کا چمکتا دمکتا چہرہ تھی۔ بمشکل تیس، پینتیس منٹ کی نیند لی ہو گی کہ اچانک گھبراہٹ سے آنکھ کھل گئی۔

باہر گئی تو نوی کی خاموش نگاہیں اور غمزدہ چہرے پر نظر پڑی۔

"امی خیر کیا ہوا؟" وہ بے تابی سے آگے بڑھی۔

"مما انبساط لوگوں نے انکار کر دیا ہے۔" اس کی آواز رندھ چکی تھی۔

"کیوں بھئی؟؟ ابھی تو وہ موٹروے پر ہی ہوں گے گھر بھی نہیں پہنچے اور بیٹی کی زندگی کا فیصلہ اتنی جلدی کر لیا؟"

"انبساط کا فون آیا تھا کہ امی نے گاڑی میں بیٹھتے ہی فیصلہ سنا دیا تھا۔ ان میں کوئی شک نہیں لوگ بہت اچھے ہیں اور یہ بھی کہ معاشی طور پر ہم سے کہیں زیادہ مستحکم ہیں، گھر بہت ہی پسند آیا انہیں کہ لوکیشن اور گھر کا نقشہ دونوں ہی آئیڈیل ہیں لیکن وہ لوگ پیر محل جیسے چھوٹے سے شہر میں رہتے ہیں جبکہ بہرحال لاہور میں رہنے والے تو پنڈ ہی کہیں گے، دیہات اور شہر کے طور اطوار میں بہت فرق ہوا کرتا ہے اس لیے ہم جانتے بوجھتے اپنی بیٹی کو اس اجنبی اور نامانوس ماحول کے حوالے نہیں کر سکتے۔"

نوی کی آواز میں رنج، لہجہ شکستہ تھا لیکن اس نے ماں کی گود میں سر رکھ کر کہا۔

"انبساط کا کہنا ہے وہ گھر جا کر تسلی سے اپنے والدین سے بات کرے گی۔

ہم دونوں کے پاس پروفیشنل ڈگری ہے ظاہر ہے ہم کسی بڑے شہر میں ہی رہیں گے نہ بھی جا سکے تو زندگی تو میں نے گزارنا ہے فیصلہ بھی میرا ہو گا اور مجھے امید نہیں ہوتے بلکہ سو فیصد یقین ہے کہ امی ابو مان جائیں گے، انہیں ماننا پڑے گا۔

نوی کی آنکھیں شاید صدمے سے بوجھل ہو کر بند ہو رہی تھیں اور شبانہ کا ذہن ایک ہی نقطے پر اٹک گیا تھا۔

وہ اپنے شہر کے قریب گاؤں میں جانے سے ڈرتی تھی کہ گاؤں کا ماحول اچھا نہیں ہوتا گاؤں میں بھلے گھر سونے کی دیواروں کا بنا ہو وہ ہو گا دیہاتی گھر لیکن پیر محل تو اس کی نظر میں شہر تھا ٹھیک ٹھاک بڑا شہر۔

شاپنگ پلازہ، سرکاری اور نجی بڑے بڑے ہسپتال، معروف ناموں والے اسکول کالجز ہر طرح کا برانڈ یہاں ملتا ہے دنیا کی ہر سہولت یہاں میسر ہے وہ ہر بات سے مطمئن تھی بھلا اسے بھی کوئی گاؤں کہہ کر مسترد کر سکتا ہے؟

یہ وہی لفظ تھے جو اس نے اپنے رشتے کا سنتے ہی منہ سے بولے تھے اب یہی الفاظ کسی کے منہ سے جدید گھر اور شہر کے لیے سنے تو دل اتنا خالی کیوں ہو رہا ہے؟

وہ اپنی سوچ میں تھی اور نوی اسکرین پر نظر ڈالے انتظار میں تھا کہ انبساط کی طرف سے خوش خبری کا میسج کب آتا ہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

آسیہ رئیس خان

# ہم پر کیا الزام سجے گا

وہ دروازے سے باہر نکلتے ہوئے اس طرح ٹھٹکی کہ دہلیز سے باہر پیر رکھنا بھول گئی۔ یونہی ہوا میں معلق پیر، چند ثانیے بعد اس نے بنا آواز کے واپس اندر رکھ لیا۔ سامنے کیاری کی دیوار پر اکرم بیٹھا تھا۔ فرش پر نظر جمائے، ہاتھ باندھے، سامنے دونوں پیر پھیلائے، ویسی ہی بلیو جینز گرے ٹی شرٹ کی جگہ گرے شرٹ تھی اور بال سلیقے سے جمے ہوئے تھے۔

یہی وہ صحن تھا، ایسی ہی سہانی سی شام تھی جب وہ یونہی اس کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔ فرق یہ تھا وہ اسے دیکھ کے رکی نہیں تھی اور اس سے بھی بڑا امتیاز کہ وہ فی الوقت اس کا منتظر نہیں تھا۔

ان دو منظروں کے درمیان پورے آٹھ برس کی مسافت تھی۔ ان آٹھ برسوں میں اس کی زندگی، خیالات، احساس یہاں تک کہ ظاہری حلیہ بھی بدل گیا تھا۔ اب وہ شوخ، چنچل خود پر توجہ دینے والی، اپنا خیال رکھنے والی، ہمہ وقت نک سک سے تیار، لباس اور زیبائش پر حد درجہ وقت صرف کرنے والی بیس اکیس سالہ لڑکی نہیں رہی تھی۔ بیتے وقت کی یہ نشانیاں پھر بھی بری نہ تھیں کہ وقت نے سب سے بڑا ستم اس پہ اپنی پسند کے فیصلے کا اختیار اور قوت چھین کے کیا تھا۔

"مگر تم اب بھی ویسے ہی ہو۔" اس نے بنا آواز اکرم سے کہا۔

"نہیں۔" فوراً دل نے اس خیال کی نفی کی۔

"اکرم بھی بدل گیا ہے ورنہ آٹھ سال کمل سے زیادہ وہ اگر، وقت تمہیں مانگنے اور سنبھالنے کی پوزیشن میں ہے لیکن۔" اگلی بات، اگلا تیج ایک دائمی اداسی بن کے دل میں جا گزیں تھا۔

"اب اسے تمہاری خواہش نہیں ہے۔" ضمیر یکا یک چمک کے بیدار ہوا۔

"جس انداز میں تم نے اسے انکار کیا تھا، اس کے بعد تمہارا ایسی ہلکی سی توقع رکھنا بھی غرور ہے۔" اسے لگا اس کے اندر کی یہ آواز اس کی نہیں ناظمہ کی ہے۔

"غرور؟ نہیں میں نہ اس وقت مغرور تھی نہ اب ہوں۔" اس نے یقین سے سوچا۔

تب ہی اکرم نے سر اٹھایا اور اسے دروازے میں دیکھ کر پیر سمیٹ لیے۔ وہ دہلیز پار کر کے باہر آ گئی۔

"تمہیں امی بلا رہی ہیں۔" وہ دروازے سے دور، ایک جانب ہو کے گویا ہوئی۔

وہ خاموشی سے اندر چلا گیا۔

گزرے آٹھ سال کا بیشتر حصہ اس نے ایک مشکل اور اذیت و وحشت بھرے سفر میں گزارا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی آگے اس کے لیے وقت اور زندگی نے کون سا نیا راستہ اور کیسی مشکل چن رکھی ہے لیکن ایک یقین اسے اب ہمیشہ کے لیے تھا کہ ہر راستے میں اسے اکرم ضرور ملے گا۔

اندر سے ان دونوں کی ہلکی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ صحن میں ہی کیاریوں میں مصروف ہو گئی۔ یہاں آنے کے بعد یہ ہی ایک کام اس کا نجات دہندہ بن گیا تھا۔ اس نے لوگوں کو باغبانی کو تھیراپی کہتے سنا تھا اور اب وہ خود اس تھیراپی سے فیض یاب ہو رہی تھی۔ ورنہ دو افراد کا کھانا پکانا اور کام ہی کیا تھا۔ اس کے منع کرنے کے باوجود تنویر نے صاف صفائی کے لیے ملازمہ رکھ لی تھی۔



Scanned with CamScanner

جانے کتنی دیر بعد وہ باہر نکلا۔ مسترہ نے پلٹ کے دیکھا۔ اس دفعہ کیاری کی دیوار پر ٹکنے کے بجائے وہ ان کرسیوں میں سے ایک پر جا کے بیٹھ گیا جو اس نے کچھ دن پہلے ہی اسٹور سے نکال کے جھاڑ پھونک کے بعد باہر رکھی تھیں۔ ساتھ تپائی بھی تھی کیونکہ کنیز کو اب زیادہ وقت صحن میں گزارنا اچھا لگنے لگا تھا اس لیے اکثر وہ صبح کا ناشتہ اور شام کی چائے یہیں پینے لگی تھیں۔

"مسترہ!" اندر سے انہوں نے پکارا۔

"آئی امی۔" وہ پاس کے تکلے سے مٹی والے ہاتھ دھو کر اکرم کے سامنے سے گزر کر ہال میں چلی گئی۔

وہ رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے آس پاس چلتے پھرتے دیکھنا اب پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ جب سے اس نے مہروز کی بات مان لی تھی، وہ اسے دیکھ کے عجب سے احساس میں گھر جاتا تھا۔ وہ اب بھی چلا جاتا لیکن مہروز نے فون کیا تھا کہ وہ کچھ دیر میں پہنچ رہی ہیں، ساتھ جائیں گے لہٰذا ان کے آنے تک رکنا مجبوری تھی۔

"بچے کہاں ہیں؟" انہیں ایک دم خاموشی کا احساس ہوا۔

"بجتل والی ضوبیا اپنے بھتیجے کے ساتھ انہیں بھی پارک لے گئی ہے۔" وہ خواہ مخواہ کمرے میں ترتیب سے رکھی چیزیں اٹھا کے پھر اسی ترتیب سے رکھنے لگی، کھڑکی کا پردہ پورا کھینچ کے پھر سے ایک طرف کھسکایا تو کنیز نے اسے روکا۔

"تم ذرا دیر بیٹھو۔"

وہ پلنگ پر ان کے پیروں کی جانب بیٹھ گئی۔

"میں نے اکرم سے بات کی۔"

"بات۔ کون سی بات؟" پل بھر میں سوچیں کہاں کی کہاں پہنچ گئیں۔ اس کا ردعمل تیز اور بے ساختہ تھا۔

"فرحت نے ایک رشتہ بتایا تھا۔" اس کے اندر کسی نے بڑے زور سے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔

"تم کون سی بات سمجھی تھیں؟"

اس نے بے وجہ ہی نظریں جھکا لیں۔

"اچھی پڑھی لکھی سمجھ دار لڑکی ہے، بہت خوب صورت بھی۔ فرحت کی خالہ کی نواسی کی بیٹی ہے۔ مہروز کو بھی پسند آئی ہے۔" وہ بات کرتے ہوئے خوش تھیں۔

"میری طبیعت بھی اب ٹھیک ہے ورنہ تو بڑے دنوں سے قنوطیت اور اداسی چھپلی ہوئی تھی۔ مہروز گھر میں کچھ کام کروانے کا سوچ رہی ہے، میں نے سوچا ہم بھی ساتھ ساتھ اپنا گھر ٹھیک کروا لیتے ہیں۔ آج اکرم کو اسی لیے بلایا تھا۔ تم چھوٹے موٹے کروانے والے کام دیکھ کے رکھو۔" پھر وہ اسے بتانے لگیں کہ انہوں نے مہروز کے کہنے پر ابھی اکرم سے یہ پوچھا کہ اگر وہ منگنی وغیرہ کے بجائے سیدھا شادی کی بات کریں تو اسے اعتراض تو نہیں ہوگا۔

"تو وہ مان گیا ہے۔" وہ پلنگ سے اٹھیں اور میز پر ان کی دوائیں اور دیگر چیزوں سے الجھ گئی۔

"میں ذرا بہتر ہو جاؤں تو پھر مہروز کہہ رہی تھی کہ باقاعدہ دیکھ آئیں گے۔ میں تمہیں اس لیے بتا رہی ہوں کہ زعفران کو بلا کر گھر کی اچھی صفائی کروا لو، پرانا ٹوٹا پھوٹا جو سامان پڑا ہے نکلوا دو، اگر ممکن ہوا تو پینٹ بھی کروا لیں گے۔" وہ یوں بتا رہی تھیں جیسے ان ہی کے گھر شادی ہو۔

"باقر بھی کہہ رہی تھی جلد آئے گی۔" وہ دبی گئی ہوئی تھی۔

"تو اب سب کچھ ٹھیک ہو رہا ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر ماں کی طرف مڑی۔

"اتنا وقت ہو گیا ہے، اب مہروز خالہ کو کھانا کھانے کے لیے روک لیجیے گا۔ بتائیں کیا بناؤں؟"

"فریج میں دیکھو، کیا ہے، جو جلدی پک جائے، بنا لو۔" وہ بھی بستر سے اترنے لگیں۔

"میں ذرا باہر بیٹھتی ہوں۔ مہروز آئے تو چائے بنا دینا۔ اکرم بھی باہر ہی ہے نا؟"

"جی۔" وہ باورچی خانے میں آ گئی۔

مہروز خالہ کے آنے تک وہ کھانا بنا چکی تھی۔ بچے بھی آ گئے تھے۔



Scanned with CamScanner

کھانے کا من کے اکثم جز بز ہوا تھا لیکن کیا کر سکتا تھا۔ اپنی امی اور ان کی سہیلی کے آگے سنتا اور مانتا ہی اس کا کام رہ جاتا تھا۔ کھانے کے دوران سب کی آوازیں تھیں سوائے اس کے۔ مہروز خالہ اور اس کی امی آگے کے منصوبوں پر بات کر رہی تھیں کہ کب اور کس کس کو ساتھ لے کر لڑکی کے گھر جایا جائے۔ وہ درمیان میں اکثم کو بھی شامل کرتی جا رہی تھیں جو ان کے سوالوں کے جواب دیے رہا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ صرف وہ دونوں ہی جائیں، کسی اور کو نہ لے جائیں، جسے سنتے ہی دونوں نے رد کر دیا۔

"وہ کب کا سب بھول چکا ہے۔" اس نے اپنی پلیٹ پر نظر جماتے ہوئے سوچا۔ اب ان سوچوں سے چھٹکارا نہیں تھا جو بن بلائے مہمان کی طرح آتی اور ڈھیٹ مہمان کی طرح جم جاتی تھیں۔

"بیٹا تم کھا کیوں نہیں رہیں؟" مہروز خالہ کی آواز پر وہ چونکی۔ وہ کب سے نوالہ یونہی پلیٹ میں لیے بیٹھی تھی۔

"کھا تو رہی ہوں نا۔" وہ لقمہ منہ میں رکھتے ہوئے مسکرائی۔

اکثم نے ایک نظر اس پر ڈالی اور اچانک اس کا دل کھانے سے اچاٹ ہو گیا۔ وہ جیسے تیسے پلیٹ صاف کر کے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ارے بیٹا، اتنی جلدی۔ کچھ کھایا ہی نہیں تم نے۔" کنیز نے تعجب سے کہا۔

وہ انہیں یقین دلاتے ہوئے کہ اس نے پیٹ بھر کے کھا لیا ہے، پھر لان میں چلا آیا۔

کافی دنوں سے بند گھر چند مہینوں میں تو نئی شکل میں لوٹ نہیں سکتا تھا پھر بھی کافی حد تک بحال ہو چکا تھا۔ قدیم لیموں، انار کے علاوہ اب وہاں مسفرہ کے لگائے نئے نئے پودے بھی تھے۔ کبھی وہ کیاریاں پھولوں اور سرسبز پودوں سے لدی پھندی ہوتی تھیں۔ مسفرہ انہیں دوبارہ ویسا بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور بڑی حد تک کامیاب بھی تھی۔ وہ ان پر محنت بھی بہت کرتی تھی۔ وہ زیادہ تر اسے بیٹھی مٹی اور پودوں میں ابھی نظر آتی تھی۔

ان ہی پھولوں کی خوشبوؤں اور رنگوں سے خوش گوار بنی ایک شام، اس نے اسے اپنی پسندیدگی سے آگاہ کیا تھا۔ آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی اس شام کی یاد ذرا نہیں دھندلائی تھی۔

"اب اسے اپنی یادداشت سے کھرچ کے پھینک دو۔" اس نے دل میں خود کو مخاطب کیا۔

اسے نہ مسفرہ کا انتظار تھا نہ وہ اس پر خفا تھا۔ اسے زندگی مجنوں بن کے گزارنے کا بھی شوق نہیں تھا لیکن ایک افسردگی تھی جو اس [illegible] پیش قدمی پر یکایک عود آئی تھی۔ اب اس [illegible] وہ ایک خالی پن بھی سارے وجود پر چھانے لگا تھا۔ اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ جو بات وہ آسان اور اپنے اختیار میں سمجھ رہا تھا کہ جب دل کرے گا، کسی کو زندگی میں شامل کرے گا، وہ اتنی سہل نہیں تھی۔ اس کے پاس 'جب دل کرے گا' تک رکنے کی سہولت نہیں تھی کہ وہ ماں کو کیسے اور کیوں اپنے انتظار کی سزا دیتا۔

جانے کتنی دیر بعد کنیز کو خیال آیا کہ وہ یہاں کے انتظار میں باہر بیٹھا ہے۔ بچے کھانے کے بعد ٹی وی لگا چکے تھے۔ ویسے بھی وہ اپنی من مانی کے عادی تھے۔

"اکثم کب سے باہر بیٹھا ہے۔ اسے اندر ہی بلا لیتیں، مچھر اور پتنگے ستاتے ہیں اس وقت۔" انہوں نے مسفرہ سے کہا۔ اب وہ کیا کہتی وہ خود اس وجہ سے باہر نہیں نکلی ہے کہ وہ ادھر بیٹھا ہے۔

"اب مت بلاؤ اندر، میں چلتی ہوں۔ صبح اسے آفس بھی جانا ہے۔" مہروز کھڑی ہو کر اپنا سامان اٹھانے لگیں جو انہوں نے قریبی بازار سے خریدا تھا۔ وہ جب بھی ان کی طرف آتیں، اس بازار کا چکر لازمی ہوتا تھا۔

"تم رہنے دو مسفرہ بیٹا تم باہر پہنچا دو بلکہ کار میں رکھ دو۔" ماں کے کہنے پر اسے ساری تھیلیاں دونوں ہاتھ میں لینا پڑیں۔

وہ دونوں دور کی کزن اور سہیلیاں تھیں جن کی دوستی زمانے کے سارے سرد گرم سے گزر کر بھی اب



Scanned with CamScanner

بخت کامیابی سے چل رہی تھی۔ جب ساری دنیا نے کنیز کا ساتھ چھوڑ دیا، سگے اور خون کے رشتے خود غرض اور فریبی ہو گئے تب بھی مہروز ان کے ساتھ تھیں اپنی مخلصی اور بے غرضی کے ساتھ۔

مسلز وہ باہر آئی۔ اسے لدا پھندا دیکھ کر اکرم کھڑا ہوا اور آگے بڑھ کے اس نے ہاتھ سے سامان لے لیا۔ پیچھے ہی مہروز اور کنیز تھیں۔ اسے بھی کنیز کے ساتھ انہیں دروازے تک چھوڑنے جانا پڑا۔

"خالہ، آپ کاموں کی لسٹ بنا کے مجھے بھیج دیجیے گا۔" جاتے ہوئے اس نے کنیز کو یاد دلایا تھا۔

مہروز خالہ بیوہ تھیں۔ اکرم کے علاوہ ان کا ایک اور بیٹا تھا اظفر۔ مہروز خالہ کا تجربہ ان کے اپنے تجربے سے مختلف تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد ان کے سسرالیوں اور میکے والوں کے خون سفید نہیں ہوئے تھے اسی لیے ان کے سب سے اچھے تعلقات تھے۔ ان کا اپنا چھوٹا سا مکان تھا اور مرحوم شوہر کی پینشن جس کی وجہ سے زندگی بہت سہل نہیں تو مشکل بھی نہیں تھی۔ دونوں بیٹے بھی محنتی اور فرماں بردار نکلے تھے اور اب تو بیٹوں کی وجہ سے ان کے دن پلٹ گئے تھے۔ ان کے حالات بہت اچھے ہو گئے تھے۔

☆☆☆

وہ بستر پر لیٹی تو اسے پاپا یاد آ گئے۔ ان کی زندگی میں اس گھر کی رونق ہی جدا تھی۔ خوب صورت سا گھر، اس کا دلکش احاطہ جو پھولوں پودوں سے سجا رہتا۔ شام کی چائے پر جہاں ان تینوں کے قہقہے اور امی پاپا کی ہلکی ہنسی پھیلی ہوتی۔ پاپا اور چاچا کا مشترکہ کاروبار تھا۔ ان کے اپنے ذاتی مکان اور گاڑیاں الگ الگ تھیں۔ تین بیٹیوں کے ساتھ اس کے والدین خوش تھے۔ گھر میں، زندگی میں خوش حالی تھی۔ حفصہ کی شادی ہو چکی تھی اب اس کی باری تھی اور اس کے بڑے خواب تھے۔

اسے پڑھا لکھا اور خوبرو ہی نہیں بلکہ اپنی زندگی میں معاشی طور پر مستحکم بندے کی خواہش تھی۔ وہ اپنی زندگی 'اپ گریڈ' کرنے کی خواہش مند تھی۔ اسے مستقبل اپنے حال سے کچھ درجہ آگے کا چاہیے تھا۔

اس کے والدین نے بڑی بیٹی کی شادی اپنے جیسے گھرانے میں کی تھی جہاں لڑکا بیرون ملک میں برسرروزگار تھا۔ روپے پیسے کی ریل پیل نہ سہی مگر کوئی تنگی اور کمی نہیں تھی۔ انہیں دیکھ کر ہی اس کے اندر ان سے بہتر کی خواہش جاگی تھی جو وہ بہانگ دہل گھر میں بیان بھی کرتی رہتی تھی۔ کنیز بھی ڈانٹتیں بھی سمجھاتیں کہ یہ نصیب کی باتیں ہوتی ہیں۔ انسان بس کوشش کر سکتا ہے اور وہ کہتی۔

"انسان خواہش کرے گا تب ہی تو کوشش کرے گا اور تبھی تو ملے گا بھی۔"

جب کہ اس کے پاپا بار بار کہتے۔

"اب دوسرا داماد ایسا ہی ڈھونڈنا ہے جیسا میری بیٹی کو چاہیے۔"

وہ اپنے بی ایس سی کے نتائج کا انتظار کر رہی تھی تب ایک دن اچانک اکرم سوالی بنا اس کے سامنے آ گیا۔

کنیز اور مہروز کی دوستی کی وجہ سے ان سب کا ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ چوں کہ مہروز کے یہاں بیٹیاں نہیں تھیں اس لیے وہ اور ناظمہ اپنی امی کے ساتھ ان کے گھر کم ہی جاتی تھیں۔ مہروز بھی ان کی طرف آتیں تو بیٹے اکثر باہر سے ہی چھوڑ کے چلے جاتے کہ مصروف رہتے تھے۔ کبھی واپسی میں کچھ دیر اندر آ کے سب سے مل ملا لیتے تھے۔ ان کی اکرم اور اظفر سے گہری دوستی نہیں تھی تو تکلف بھی نہیں تھا۔ ان میں اجنبیت یا سرد مہری والا معاملہ نہیں تھا بلکہ اپنے کزنز سے زیادہ ان دونوں کے ساتھ آرام دہ اور دوستانہ قسم کا تعلق تھا۔

وہ ہال سے باہر نکلتے ہوئے چونک گئی کہ سامنے کیاری کی دیوار پر اکرم بیٹھا تھا۔ اس کے مطابق تو وہ مہروز خالہ کو چھوڑ کے چلا گیا تھا۔

"یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اندر چلے جاؤ۔"

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ کھڑا ہوا اور دو قدم آگے آیا۔ وہ رک گئی۔



Scanned with CamScanner

"مجھ سے؟" حیرت سے اپنی جانب اشارہ کرتی وہ اس کی جانب بڑھی۔ اکرم نے سر ہلایا۔
"کیا بات ہے؟" وہ اس کے سامنے پہنچ کے رک گئی۔

بلیو جینز اور سفید ٹی شرٹ میں ہمیشہ کی طرح بکھرے بال اور سنجیدہ شکل، وہ ہمہ وقت ایسا ہی نظر آتا تھا۔ اس نے مہروز خالہ کو اکثر ان بکھرے بالوں پر اسے ٹوکتے سنا تھا اور ہر دفعہ اس کی امی کہتی تھیں۔

"یہ بکھرے بال اچھے لگتے ہیں اکرم پر۔" وہ دونوں گویا اپنی بیٹے اور بیٹی کی کمی ایک دوسرے کی اولاد کی طرف داری کر کے، ان سے محبت کر کے پوری کرتی تھیں۔

اکرم کئی دن کی کشمکش اور غور وفکر کے نتیجے میں اس کے مقابل تھا۔ اس نے سب سوچ رکھا تھا پھر بھی اس کے سامنے، جیسا اس نے تصور کیا تھا، ویسا فوراً وہ بول نہ سکا۔

مسفرہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اصولاً تو مجھے یہ بات امی سے کہنی چاہیے لیکن میں نہیں چاہتا، کسی بھی وجہ سے امی اور خالہ کی دوستی متاثر ہو۔" اس کی آواز دھیمی تھی۔ مسفرہ کا تجسس بڑھ گیا کہ ایسی کیا بات ہے جو ان دونوں کے رشتے پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔

"تم مجھے پسند ہو اور اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو میں امی سے بات کروں۔"

مسفرہ کے چہرے پر واضح حیرت پھیلی اور وہ قدرے سرخ ہو گئی۔ یہ غصہ نہیں تھا بلکہ یہ پہلی بار کسی سے اپنے لیے یہ الفاظ سننے کا رد عمل تھا۔ اتنی عمر تک اس نے لڑکوں کی دلچسپی کا اظہار کرتی، گھورتی نظریں ہی سہی تھیں۔ ایسا سنجیدہ اور صاف اظہار پہلی بار سنا اور دیکھا تھا۔

اسے ملازمت ملنا اور مسفرہ کا گریجویشن مکمل ہونا، اسے یہ وقت مناسب لگا تھا کہ وہ ماں کو اپنا ارادہ اور خواہش بتا دے لیکن اس سے پہلے مسفرہ کی مرضی اہم تھی کہ وہ جانتا تھا اس کے والدین فیصلہ مسفرہ کی مرضی سے کریں گے۔

"تمہیں سوچنے کے لیے وقت چاہیے تو۔"

"نہیں۔" اس نے اکرم کی بات قطع کی۔ اکرم کا دل گویا دوڑنے لگا۔ اس نہیں کے بعد وہ کیا کہے گی؟

اکرم کی بات سن کر اس کا دماغ نہیں گھوما یا اسے برا نہیں لگا بلکہ اپنی عدم دلچسپی کے باوجود اس کا سوال سچا اور سنجیدہ لگا تھا۔

"آئی ایم سوری لیکن تم خالہ سے کچھ نہ کہو۔"

یکا یک اکرم کے چہرے پر اداسی در آئی، دل بجھ گیا۔ اس سے بھی یہ مایوسی چھپی نہ رہ سکی۔ جس نے بڑی تیزی سے اس سے اگلی بات کہلوائی۔

"تم مجھے ناپسند نہیں ہو۔ لیکن بات یہ ہے کہ اس بارے میں میرے خیالات الگ ہیں۔ میں نے ویسی زندگی نہیں سوچی جیسی۔" اس نے کہاں سوچا تھا کہ اس سوال کا جواب دینا ہوگا۔ وہ بے ربط بول رہی تھی اور دوٹوک کہنا بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

"تمہارے ساتھ ہوگی۔ سوری۔" اپنے تئیں اس نے سلیقے سے انکار کیا تھا۔ ایسا کہ اسے برا نہ لگے۔ یہ ہی سچ بھی تھا کہ اسے اکرم سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ مگر اس کے خواب اور ارادوں کے جہان میں اس کی جگہ نہیں تھی۔ اسے اپنی حالیہ زندگی سے بہتر مستقبل چاہیے تھا اور اس وقت اکرم اس کے حال سے بھی پیچھے تھا۔

"اسے مجھ سے میرا ساتھ ہی نہیں چاہیے۔" اکرم نے دکھ سے سوچا۔

وہ چند لمحوں میں ہی رد کر دیا گیا تھا۔ وہ جو بھی وعدہ کرتا، جیسی بھی زندگی کی جھلک دکھاتا، مسفرہ کو اس کے ساتھ والی زندگی نہیں چاہیے تھی، بات ختم۔

وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا تھا۔

"تم کسی سے کچھ نہ کہو۔ مطلب مہروز خالہ سے۔"

"میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔" آخر اکرم نے کہا اور گیٹ کھول کر چلا گیا۔

وہ وہیں کھڑی سارا کچھ ذہن میں دہرا رہی تھی۔ اس کا جواب بھلے انکار تھا لیکن یہ اس کی زندگی کا پہلا پرپوزل تھا۔ وہی پرپوزل جو وہ اپنی دوستوں سے سنتی رہتی تھی فلاں نے فلاں کو پرپوز کیا، ایسے کیا،



Scanned with CamScanner

ویسے کیا، اس نے یوں جواب دیا اور جانے کیا کیا۔
اس پہلے پرپوزل کی انوکھی، خوش گوار سی حیرت تھی کہ اس نے جوش میں چھوٹی بہن ناظمہ سے یہ راز بانٹ لیا۔
"مگر تم نے منع کیوں کیا؟"
"مجھے شادی کر کے اس گھر میں جانا ہے جہاں زندگی یہاں سے کچھ تو اپ گریڈ ہو اور ظاہر ہے مہروز خالہ کا گھر ایسا نہیں ہے۔"
"یعنی تمہیں امیر سسرال چاہیے؟" حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔
"نہیں بھئی۔ ہم سے کچھ بہتر بس۔ ہاں امیر ہو تو کیا کہنے!" اسے آنکھ مارتے ہوئے وہ کھلکھلائی۔
"واہ! تمہیں دیکھ کے کبھی لگا نہیں کہ تم ایسی مٹیریلسٹک ہو۔" ناظمہ نے منہ بنایا۔
"میں مادہ پرست بالکل نہیں بھئی۔ یہ تو میری چھوٹی سی خواہش ہے۔"
"ایک ہی بات ہے۔"
"نہیں۔ تم نہیں سمجھو گی لیکن مجھے پتا ہے، میں لالچی یا مٹیریلسٹ نہیں بس اپنے لیے اچھا سوچتے، اچھی امید رکھنے اور اچھا چاہنے والی ہوں اور کہتے ہیں نا جیسا گمان ہو ویسا ہی ہوتا ہے۔" اس نے اطمینان سے کہا۔ وہ وقت اور عمر ہی ایسی تھی، خوابوں کی اور انہیں پالینے کے یقین سے بھری۔ کچھ ناظمہ کی عادت بھی تھی، جو ایک بات اس کے منہ سے نکل جائے وہ پھر اسے چھوڑتی نہیں تھی۔
"تم خود کو بہلا رہی ہو ورنہ یہ سیم چیز ہے۔" ناظمہ اپنی بات پر قائم تھی۔
"نہ یہ کہہ کے تم مجھے اپنے لیے اچھا سوچنے اور چاہنے پر شرمندہ نہیں کر سکتیں۔" وہ اعتماد سے مسکرائی تھی۔
"تمہیں قسم ہے، اکرم والی بات کسی سے مت کہنا۔" اسے اچانک یاد آیا کہ یہ بات عام نہیں ہونا چاہیے۔

بڑی مشکلوں سے ناظمہ نے وعدہ کیا کہ وہ کسی کو نہیں بتائے گی، خاص طور پر کنیز اور مہروز کو۔
کچھ دن تک اکرم ان کے گھر نہیں آیا۔ مہروز خالہ کو لانے لے جانے کی ذمہ داری کئی دن صرف اظفر نے نبھائی مگر کچھ وقت بعد وہ اسی طرح آنے جانے لگا جیسے پہلے معمول تھا۔ ویسے بھی اس کی نئی نئی نوکری تھی اس لیے اس کے پاس وقت کی کمی تھی۔
اس کے رشتوں کی تلاش بھی جلد ہی اس کی پسند کے مطابق عذیر پر ختم ہوئی۔ وہ ہر پیمانے پر اس کے خاندان سے چند پائیدان آگے تھا۔ جلد ان کی منگنی ہو گئی جس میں اکرم نے شرکت نہیں کی تھی کہ ان دنوں وہ شہر میں نہیں تھا۔ ایک سال بعد شادی کا ارادہ تھا جس کی تیاریاں وہ بڑے شوق سے کر رہی تھی مگر اس کے خواب، تعبیر کی سمت سفر کرنے کے بجائے کرچیاں بن کر اس کی آنکھوں میں ہی مقیم ہو گئے تھے۔

☆☆☆

کنیز سے سنا یوں اچانک اکرم کی شادی کا راز اسے جلد پتا چل گیا۔ دراصل اظفر کو اپنی پھوپھی زاد پسند تھی اور وہ شادی کے لیے اتاؤلا ہو رہا تھا۔ جب کہ مہروز کا اصرار تھا کہ یا تو پہلے اکرم کی شادی ہو یا پھر دونوں کی ایک ساتھ ہو۔
مہروز تو بیٹوں کی اور گھر کی پہلی شادی کی وجہ سے بڑی خوش اور پرجوش تھیں۔ کنیز بھی اب زندگی کی رنگینیوں اور ان چھوٹے موٹے کاموں میں حصہ لے کر اچھا محسوس کر رہی تھیں۔ پچھلے کئی سال ماموں کے گھر ایک حبس زدہ گھٹی سی زندگی جیتے رہنے کے بعد یہ کھلی فضا اور آزادی انہیں اچھی لگ رہی تھی۔
انہیں اب افسوس ہوتا تھا کہ کیا انہوں نے،
'زندگی میں کوئی مرد نہیں'
'دو کنواری عورتیں کیسے تنہا رہیں گی؟'
'لوگ کیا کہیں گے؟'
جیسی باتیں سوچ سوچ کر بھائی کے گھر رہنے کا ایک غلط فیصلہ اتنے دن نبھایا، جس نے انہیں اور مسرہ کو کوئی مسرت نہیں دی تھی بلکہ خود ترسی اور دکھ



Scanned with CamScanner

میں مبتلا کیا تھا۔ وہاں کے قیام نے ان کا ذہنی سکون چھین لیا تھا۔

آج پھر مہروز خالہ کے ساتھ اکثم آیا تھا۔ کنیز اس سے گھر کے رنگ وروغن کی بات کر رہی تھیں۔

"امی، رہنے دیں، پینٹ کی اتنی ضرورت نہیں ہے ابھی۔" اس کے نزدیک یہ فضول خرچی تھی۔

"نہیں بیٹا۔ ہم کسی کھنڈر میں نہیں رہ رہے ہیں۔ یہ میرا اور تمہارے پاپا کے خوابوں کا گھروندہ تھا۔ اسے سنبھالنا سنوارنا ضروری ہے۔" وہ بولتے ہوئے آبدیدہ ہوگئیں۔ اس کے بعد وہ کیا کہتی، چپ ہو رہی۔

باہر سے عباد اور عماد کے لڑنے کی آوازیں آئیں تو وہ ادھر دوڑی کہ ذرا دیر ہوتی اور وہ مار پیٹ شروع کر دیتے۔ ان کا جھگڑا سلجھانا اپنا سر درد کرنا تھا اور اس کے بن گزارہ بھی نہیں تھا۔

متوقع شادیوں کے پیش نظر اکثم اپنے گھر میں کام کروا رہا تھا اور اسی ٹھیکے دار کو یہاں کا کام بھی دینا تھا تاکہ کنیز کو رعایت کا فائدہ ہو۔

عماد نے اسے بدتمیزی سے جواب دیا اور پہلی دفعہ اس کا دل کیا کہ دو کھینچ کے رکھ دے مگر وہ ضبط کر گئی۔

"دو مطلب پرستوں کا خون ہے ان کی رگوں میں۔" اس نے لب بھینچ کر اسے گھورتے ہوئے سوچا۔

اچانک اس کے ذہن میں نیا خیال آیا۔ وہ کچھ فیصلہ کر کے ان کے کمرے میں گئی اور دونوں کے کپڑے بیگ میں ڈالنے کے بعد ان کے اسکول کا سامان بھی بیگ میں بھر دیا۔ ویسے بھی ابھی اسکول کی چھٹیاں چل رہی تھیں لیکن پھر بھی وہ یہاں کچھ نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

جب اسے بستوں کے ساتھ سوٹ کیس گھسیٹتے ہوئے عماد اور عباد نے دیکھا تو متعجب سے اس کے پاس آئے۔

"تم دونوں کچھ دن دادی کے یہاں رہو گے۔"

"کیوں؟" دونوں نے یک زباں ہو کے سوال کیا۔

"نانی گھر کو پینٹ کروا رہی ہیں۔ بہت میس ہوگا یہاں۔" وہ پہلے ہی دادا کے صاف ستھرے کشادہ بنگلے سے یہاں شفٹ ہونے پر خوش نہیں تھے۔ انہیں وہاں زیادہ اچھا لگتا تھا لیکن یہ بھی سچ تھا کہ جہاں مسرہ ہوتی، وہیں ان کے ناز نخرے اٹھائے جاتے، فرمائش اور پسند کا کھانا ملتا تھا سو یہاں رہنے میں بھی لالچ تھا۔

وہ سامان باہر ہی چھوڑ کے ہال میں آئی۔

"امی!" وہ دونوں سر جوڑے حساب کتاب کر رہے تھے سر اٹھا کے اسے دیکھنے لگے۔

"جب تک یہاں گھر کا کام ہوگا عماد اور عباد کو ادھر بھیج دیتے ہیں، میں نے ان کا سامان ریڈی کر دیا ہے۔ اکثم جاتے ہوئے انہیں ڈراپ کر دے گا، آپ ممانی کو فون کر دیں۔" رکے بنا اس نے ایک سانس میں ساری بات مکمل کر لی۔ وہ بھول گئی کہ ذرا دیر پہلے وہ رنگ کے لیے منع کر رہی تھی مگر اکثم کو یاد تھا۔

اپنی بھابھی سے بات کرنے کا خیال کنیز کو کوفت زدہ کر گیا۔

"ہوں۔" انہوں نے بس ہنکار بھرا۔ مسرہ نے اکثم کو دیکھا۔ جس کی گہری نظریں کچھ کھوج رہی تھیں۔ اس نے صحن میں بچوں کی تکرار، اس کی ڈانٹ اور پھر عماد کی بدتمیزی سب سنا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ اب یوں چٹکیوں میں فیصلے نہیں کرتی ہے۔

"تم چھوڑ دو گے یا میں وہاں سے کسی کو بلاؤں؟" اس کی خاموشی پر مسرہ نے جواب طلب کیا۔ یہ بھی نئی بات تھی کہ وہ 'یا میں چھوڑنے جاؤں؟' بولنے کے بجائے وہاں سے کسی کو بلانے والی تھی۔

"میں ڈراپ کر دوں گا۔"

"آپ ممانی کو کال کر دیں ابھی۔" ماں سے کہتی وہ چلی گئی۔

اکثم نے میز سے فون اٹھا کے کنیز کو دیا۔

"یہ الگ دردسری ہے۔ بچوں کی وجہ سے بات

کرنا ہی پڑتی ہے۔" وہ اپنی بھابھی کا نمبر تلاش کرتے ہوئے بڑبڑائیں۔ ان کے جڑواں نواسے، اس گھر کے پوتے جو تھے۔

اکرم بیٹھے ہوئے صوفے سے ٹک گیا۔ گزرے آٹھ سالوں میں بظاہر وہ کامیابی کی سیڑھیاں چڑھتا گیا تھا۔ اس کی زندگی میں بہتری ہی آئی تھی۔ چھبیس سال کی عمر میں ملازمت شروع کرتے ہوئے جو مشکلیں اور پریشانیاں تھیں وہ اب سب ختم ہو گئی تھیں۔ اب اس کا اپنا چھوٹا سا کاروبار تھا۔ لیکن یہ بس وہی جانتا تھا کہ ان آٹھ برسوں میں وہ کبھی خوش نہیں ہو سکا تھا اور جب اب اس نے زندگی کا سب سے اہم فیصلہ یہ سوچ کر لیا کہ زندگی کی قدر کرتے ہوئے اسے بھی خوش رہنا چاہیے۔ وہ ہمیشہ اپنے ساتھ خود کو محروم رکھنے کی زیادتی نہیں کر سکتا، جانے کیوں مسفرہ کو دیکھتے ہی پھر سب الجھتا محسوس ہو رہا تھا۔

حسب توقع رات ناظمہ کی کال آ گئی جو رشتے میں بہن کے علاوہ ان کی دیورانی بھی تھی۔ سو وہ بچوں کو وہاں بھیجنے پر خفا تھی۔ اس نے ناظمہ سے بات کرنے کی غلطی نہیں کی اور فون ماں کو تھما دیا۔ کنیز نے ہی اسے وجہ بتائی اور سمجھایا۔

"آپ کو پہلے ماموں کا گھر چھوڑ کے وہاں جانا ہی نہیں چاہیے تھا اور پھر یہ پینٹ وینٹ تو نری فضول خرچی ہے۔"

"میں تم سے پیسے مانگ رہی ہوں نہ تمہارے سر سے۔" وہ بھی برہم ہو گئیں۔

"مجھے مت سکھاؤ کیا فضول خرچی ہے کیا نہیں۔"

"ناراض کیوں ہو رہی ہیں، میں تو آپ کے بھلے کا سوچ کے کہہ رہی ہوں۔" وہ انہیں منانے لگی۔

☆☆☆

ان کی اچھی بھلی زندگی میں مشکلوں کی شروعات اچانک پاپا کی طبیعت خراب ہونے سے ہوئی تھی۔ انہیں فوری طور پر اسپتال میں داخل کرنا پڑا۔ ہفتہ بھر وہاں ان کی مختلف قسم کی تفتیشی جانچ ہوتی رہی۔ ابھی یہ ٹیسٹ وغیرہ اور ان کے نتائج ہی چل رہے تھے کہ ایک دن وہ چل بسے۔ صدمہ ہی ایسا تھا وہ سب سکتے میں آ گئے۔

بیٹا کوئی تھا نہیں اور کاروبار سانجھا تھا۔ کچھ وقت تک تو انہیں سمجھ میں نہیں آیا مگر جب گھر کا کرایہ ختم ہونے لگا تو یاد آیا کہ ہر ماہ تو شوہر ان کے ہاتھ میں پیسہ رکھتے تھے۔ انہوں نے دیور سے بات کی جنہوں نے یقین دلایا کہ آپ فکر نہ کریں سب کچھ ویسا ہی چلتا رہے گا، جیسا بھائی جان کی زندگی میں معمول تھا۔ وہ مطمئن ہو گئیں۔ بڑی بیٹی امریکہ سے آئی تھی وہ واپس لوٹ گئی۔ گھر میں مسفرہ، ناظمہ اور وہ تھیں۔ ان کے دونوں بھائی اور بہن بھی اس دکھ کی گھڑی میں ان کے ساتھ تھے۔

اب وہ جلد سے جلد مسفرہ کی شادی کا سوچ رہی تھیں۔ یہ بات انہوں نے دیور سے کی کہ انہیں شادی کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد سے حالات، رویے، رشتے سب بدلنا شروع ہو گئے۔ پہلے انہوں نے کاروبار میں نقصان کی لمبی کہانی سنائی، جس کے ذمہ دار بھی مرحوم بڑے بھائی تھے جنہوں نے انہیں اندھیرے میں رکھ کے کچھ ایسے کاروباری معاہدے کیے تھے جس کی وجہ سے بھاری نقصان ہوا تھا۔ انہیں یقین نہیں آیا کیونکہ وہ جانتی تھیں ان کے شوہر کا طریقہ کار یہ نہیں تھا کہ بھائی سے چھپا کے کوئی کام کریں۔ وہ سب کچھ ان کے علم میں رکھ کے کرنے کے عادی تھے۔ وہ بھائی کو ہر معاملے اور فیصلے میں شامل کرتے تھے۔ لیکن ان کے پاس مرحوم شوہر پر اعتماد اور ان کی باتوں کے علاوہ کوئی ثبوت نہیں تھا۔

پہلے ہر ماہ ملنے والی رقم کم ہوئی پھر قرض چکانے کے نام پر وہ ان کی کار بھی لے گئے۔ اب انہیں ہر ماہ پیسوں کے لیے کئی کئی بار فون کرنا پڑتا تھا۔ اسی دوران دیور کی بیٹی کی شادی ہوئی۔ اس کے

انتظام اور اخراجات دیکھ کے وہ دنگ رہ گئیں کہ۔ کاروبار میں اس قدر خسارہ کہ ان کی کار تک بیچنا پڑی اور دوسری طرف یہ امارت کے مظاہرے، فضول خرچیاں۔

انہوں نے اپنے بھائیوں سے بات کی مگر وہ بھی ان کے دیور سے لڑ جھگڑ کے بنا کسی نتیجے پر پہنچے ہاتھ جھاڑ بیٹھے کہ تمہارے دیور کی نیت خراب ہے اور ایسے لوگوں کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔

تنو نے بھی جذباتی تقریر کے بعد معذرت کر لی کہ اب میرا ایک ہی بھائی بچا ہے اسے کیسے ناراض کروں۔ انہیں مرحوم بھائی کی یاد نہیں آئی۔

آخر اس وقت میں مہروز ہی ان کے کام آئیں۔ اکثم کے ساتھ مل کر انہوں نے شوہر کے کاغذات اور بینک کھاتے وغیرہ دیکھے۔ کاروبار سے ہونے والی آمدنی، ان کا سارا پیسہ بھائی کے ساتھ مشترکہ کھاتے میں تھا۔ جس میں سے انہوں نے انہیں کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا۔ کاغذات کے پلندوں میں انہیں کسی دکان کی خریداری اور ملکیت کے کاغذات ملے۔ اس کے بعد ایک لمبی قانونی جنگ کے بعد ان کے دیور نے اس دکان کا قبضہ انہیں تھمایا جو ان کے شوہر کی ملکیت تھی۔ دکان بیچ بازار میں تھی اور بڑی تھی۔ اکثم اور مہروز کے مشورے پر اس میں دو حصے کر کے دو دکانیں بنا کر کرائے پر دے دی گئیں۔ اب یہی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔

اب حالات پہلے سے نہیں رہے تھے۔ مہروز سے انہوں نے مشورہ کیا، بڑی بیٹی سے پوچھا اور اس نتیجے پر پہنچیں کہ مسترہ کے سسرال کو موجودہ صورت حال صاف بتا دینی چاہیے کہ وہ اب اس طرح شادی اور دیگر انتظامات نہیں کر سکتیں جیسے شوہر کی زندگی میں ہوتے۔ انہوں نے کنیز کی ساری باتیں تو سن لیں انہیں تسلی دی، دلجوئی کی کہ وہ فکرمند نہ ہوں۔

مگر جلد ہی یہ بھرم ٹوٹ گیا۔

انہوں نے شادی کی تاریخ طے کرنے کے بجائے منگنی ختم کر دی۔ گھر میں ایک بار پھر ماتم کی فضا طاری ہو گئی۔

"یہ تمہیں اکثم بھائی کی بددعا لگی ہے۔" کمرے کی خاموشی میں اچانک ناظمہ کی آواز ابھری۔

"کیا؟"

"تم نے اکثم بھائی کا دل توڑا تھا نا، یہ ان کی بددعا تھی جو ان لوگوں نے منگنی توڑ دی۔" اس نے اس بار بے رخی سے وضاحت دی۔ وہ ناظمہ کے اس بات کو نیا رخ دینے، اس زاویے سے اسے مکافات بنا دینے پر حیران تھی۔

"اس نے میری مرضی پوچھی تھی، سوال کرنے سے پہلے وہ بھی جانتا تھا جواب ہاں یا نہ ہو سکتا ہے۔ ایسا نہیں تھا کہ میں نے پہلے اس کی پیشکش قبول کر لی اور بعد میں بہتر آپشن ملنے پر اسے چھوڑ دیا جو وہ مجھے بددعائیں دیتا۔" اسے یہ بات بالکل پسند نہیں آئی۔

"اور مجھے نہیں لگتا اکثم نے ایسا کچھ دل پر لیا تھا میرا انکار۔"

"یہ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں؟ ہو سکتا ہے وہ اندر ہی اندر اپنی تکلیف، اپنا درد چھپا رہے ہوں۔" ناظمہ کو جانے کیوں یقین تھا۔

"دیکھو تو جس وجہ سے تم نے انہیں منع کیا تھا اسی وجہ سے عذیر بھائی لوگوں نے بھی منع کر دیا۔ اپنے سے بہتر یا اپنے برابر کے لوگوں سے رشتہ!"

اس وقت اس کے پاس اس کا جواب نہیں تھا۔

منگنی کے تین چار ماہ بعد ہی پاپا کی وفات ہو گئی تھی۔ باپ کی موت نے کئی دن صدمے میں رکھا تھا پھر اس کے بعد چاچا کے بدلے رویے نے بے یقینی کی کیفیت طاری کر دی تھی۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہیں کہ ان کی بدلی صورت حال کا عذیر اور اس کے رشتے پر بھی کوئی اثر ہو سکتا ہے۔ اسے پہلے دکھ ہوا، افسوس ہوا تھا پھر غصہ آیا اور وہ ہی ٹھہر گیا۔

ناظمہ کی بات کے بعد وہ اکثم کے سامنے بڑی بے آرام ہو جاتی۔ اس کی حسیات بھی زیادہ ہی چوکس رہنے لگیں۔ کبھی کن انکھیوں سے اس کا جائزہ لیتی،



Scanned with CamScanner

بغور اس کی حرکات دیکھتی، اس کی باتیں سنتی کہ ان میں وہ اس کی منگنی ٹوٹنے کی خوشی، اطمینان دیکھ سکے مگر اسے ایسا کچھ نہ ملا۔ اکرم نے اس رشتے کی موت پر تعزیت کی نہ دلاسا دیا نہ طنز کیا تھا۔ وہ جیسا تھا ویسا ہی اس کے سامنے تھا۔ ضرورت ہوتی تو ہی بات کرتا، نظر ملاتا۔ وہ ہمیشہ سے ہی اس کے اور ناظمہ کے مقابلے میں کنیز اور مہروز کے ساتھ زیادہ باتیں اور ہنسی مذاق کرتا تھا۔ وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔

رشتہ ختم ہوجانے کے بعد، کنیز بڑی فکرمندی سے اس کے لیے پھر بر ڈھونڈنے لگی تھیں۔ اس بار انہوں نے کوشش کی کہ بڑی بیٹی حفصہ بیرون ملک میں ہی اس کے لیے بھی کوئی انتظام کردے لیکن بات نہیں بنی۔ کبھی کسی جگہ بات بہت آگے تک پہنچ بھی گئی تو حتمی فیصلہ ہونے سے پہلے ہی کسی وجہ سے ختم ہوجاتی۔

اس نے زندگی پر چھائی قنوطیت دور کرنے کے لیے دوبارہ پڑھنے کا فیصلہ کیا اور ماسٹرز میں داخلہ لے لیا۔ جب اس کی امی زور و شور سے رشتے والی خالہ سے ملاقاتیں جاری رکھے تھیں، تب اسے لاشعوری طور پر انتظار تھا کہ اب مہروز خالہ اپنے بیٹے کو آگے کر دیں گی۔ یہ تو اکرم کے لیے سنہری موقع تھا تاہم ایسا کچھ نہ ہوا۔ اس نے اکرم کی پسندیدگی کے اظہار اور پھر اپنے انکار کے بعد بھی اتنا نہیں سوچا تھا جتنا ان دنوں وہ اسے سوچنے لگی تھی۔ وہ اپنے تئیں اسے سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی کہ وہ اب کیوں وہی سوال نہیں کرتا؟ جب وہ خود سے پوچھتی کہ اس بار اس کا جواب کیا ہوگا تو اس کے پاس اب بھی اسے دینے کو مثبت جواب نہیں تھا۔ وہ شکر ادا کرتی کہ اچھا ہی ہے اکرم نے پھر وہی سوال نہیں دہرایا ورنہ ایک بار پھر اسے مایوسی ہوتی۔ کبھی وہ سوچتی کہ اکرم وہ بات بھول بھال گیا ہے کہ اس کے انداز اور رویے سے یہی ظاہر ہوتا تھا۔

اس کا ماسٹرز بھی ہوگیا لیکن مسلسل کوشش کے باوجود بھی کنیز ناکام رہیں۔ کبھی 'تین بیٹیاں' ہونا مسئلہ بنتا تو کبھی چاچا سے ان کے کاروباری جھگڑوں کے بیچ اڑی الٹی سیدھی افواہیں بات بننے نہیں دیتیں۔ کچھ کو ناظمہ پسند آجاتی، کچھ فرمائشی فہرست تھما دیتے۔ جہاں لڑکے والے راضی ہوجاتے تو کنیز کو کچھ کھٹک جاتا اور وہ سوچتیں جلد بازی کیوں کرنی۔ ابھی اتنی عمر بھی نہیں مسکرہ کی۔

جب بھی کوئی نیا سلسلہ شروع ہو کے ختم ہوتا ناظمہ اسے یاد دلانا نہیں بھولتی تھی۔

''ایمان سے مجھے تو یہ اکرم بھائی کو ٹھکرانے کی سزا ہی لگتی ہے۔''

پہلے وہ شدت سے انکار کرتی اور جواب دیتی تھی۔

''میں نے اپنا جواب دیا تھا۔ ٹھکرایا نہیں تھا۔''

''ایک ہی بات ہے۔ ذرا جواب کے پیچھے کی وجہ سوچو تو تمہیں بھی ان میں تعلق نظر آئے گا۔'' وہ اپنی بات پر اڑی رہتی۔

مگر اب ناظمہ کی باتوں پر وہ کبھی کبھی سوچتی کہ کیا واقعی میں نے اس وجہ سے اسے انکار کر کے غلط کیا؟ کچھ وقت کے بعد اس نے ناظمہ کی باتوں پر چپ رہنا سیکھ لیا۔ وہ اب پچھتاتی رہتی کہ اسے بتایا ہی کیوں تھا۔

ان دنوں کنیز کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔ انہیں مسلسل دو سالوں کی ناکامی نے تھکانے کے ساتھ ساتھ فکرمند اور مایوس بھی کر دیا تھا۔ اس دوران انہوں نے اپنوں کے اصلی رنگ بھی دیکھ لیے تھے۔ سسرال میں دیور اور نند کے بعد ان کے اپنے دونوں بھائی اور بہن رسمی تعلق نبھا رہے تھے۔ تینوں کے بیٹے تھے مگر کسی نے بڑھ کے مسکرہ کا نام نہیں لیا۔ اس بات نے انہیں مزید افسردہ کر دیا تھا۔

اسپتالوں کے چکر جلد جیب پر بوجھ بڑھانے لگے۔ اس نے ملازمت کے لیے ہاتھ پیر مارے لیکن کہیں کامیابی نہ ملی۔ یوں لگنے لگا تھا کہ گھر کے سربراہ کے جاتے ہی ہر طرف سے آفتیں انہیں گھیر رہی ہیں۔



Scanned with CamScanner

اس رات وہ کنیز کو دوائیاں دے رہی تھی جب انہوں نے اسے پاس بٹھایا۔

"بیٹا تم بھی سب دیکھ رہی ہو۔ مجھے کسی سے کوئی امید نہیں۔ تمہارے بعد ناظمہ بھی ہے اور اب اس بیماری نے مجھے وہی بنا دیا ہے۔" یہ سچ تھا کہ اب تک انہوں نے بہادری سے حالات کا مقابلہ کیا تھا لیکن اسپتال کے چند چکر ہی ان کے سامنے "میرے بعد ان دونوں کا کیا؟" سوال کھڑا کر گئے تھے۔

"میں سوچ رہی ہوں بہروز سے بات کروں مگر اس سے پہلے تم بتاؤ۔" وہ رک گئیں۔ سدرہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے بھی چہرے پر سوال لیے انہیں دیکھے گئی۔

"اکرم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟"

اس صاف سوال پر بھی وہ چپ رہی۔

"تم سوچ کر جواب دو مجھے۔ سب کچھ تمہارے سامنے ہے۔"

انہوں نے اسے سوچنے کا وقت دیا اور وہ سارا وقت سوچتی رہی۔

"یہ تو ایسا ہو گا کہ سب جگہ قسمت آزما لینے کے بعد کوئی راستہ نہیں بچا، کہیں بات نہیں بنی تو اب اسے ہی چن لو۔ ایسا کرنا پہلے والے انکار سے بھی برا ہے۔ یہ اس کے جذبات کی قدر نہیں بلکہ ذلت ہو گی۔ ویسے بھی اگر میرے انکار کے بعد بھی اسے دلچسپی ہوتی تو امی کے بجائے اب تک یہ بات بہروز خالہ کر چکی ہوتیں۔ سارے معاملات اور حالات ان کے سامنے ہیں۔"

اسے اکرم اور اپنے، دونوں کے لیے اس وقت، یہ ذکر غلط محسوس ہو رہا تھا۔

"اس طرح تم، جو ناظمہ کہتی ہے۔ اس کی آہ اور بددعا کا اثر ختم کر سکتی ہو۔" دماغ نئی تاویل لے آتا۔

"جب اس کی آہ اور بددعا کا وجود ہی نہیں ہے تو۔" دل اس بات سے انکاری ہی تھا کہ اس نے بددعا دی ہو گی۔

"جب میری نیت غلط نہیں تھی تو مجھے بددعا لگے گی بھی کیوں۔" اس وقت تک اس کی سوچ مستحکم تھی۔

وہ کوئی فیصلہ کرتی یا کنیز کو جواب دیتی اس سے قبل ناظمہ اپنی کہانی سنانے چلی آئی۔

"میں اور آصف ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔" اس نے بڑے ماموں کے چھوٹے بیٹے کا نام لیا۔

"ہیں ایہ کب ہوا؟"

"وہ چھوڑو۔ ممانی مان نہیں رہی ہیں لیکن وہ کوشش کر رہا ہے۔ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ وہ رشتہ لے کر آئیں اور جو بھی کہیں، امی سے کہنا پلیز وہ مان جائیں۔"

اسے تو فی الحال ممانی کا مان جانا ہی ناممکن لگ رہا تھا تاہم اس نے ناظمہ سے کہا نہیں۔

"کب سے چل رہا ہے، یہ تو بتاؤ؟" ناظمہ اور آصف کا کالج ایک ہی تھا لیکن آصف اس سے دو تین سال آگے تھا۔ جب کہ ان دونوں کے کالج الگ تھے۔ ناظمہ کامرس میں تھی جب کہ اس کے پاس سائنس تھی۔ اس کی بہت سہیلیاں تھیں اور وہ اکثر ان کے ساتھ گھومتی رہتی، ان کے گھر جاتی یا کسی نہ کسی کے ساتھ کوئی پلان ہوتا۔ اب اسے ان سہیلیوں کا راز بھی سمجھ میں آ رہا تھا۔

"ابھی میں بہت ٹینشن میں ہوں، ممانی راضی ہو جائیں کسی طرح پھر وہ جو کہیں گی میں مان لوں گی۔ یہ ٹینشن ختم ہو تو تمہیں سب سناؤں گی۔"

ناظمہ جس طرح ممانی کی ہر بات مان لینے پر زور دے رہی تھی، وہ پریشان ہو گئی کہ ممانی کے راضی ہونے کا امکان کم سے صفر کے بیچ تھا اور ناظمہ کا مزاج بھی وہ خوب جانتی تھی۔ ماں سے کیا کہتی اس نے یہ بات حصہ کو بتائی۔

"تم ابھی سے پریشان نہ ہو۔ دیکھنا ممانی تیار ہی نہیں ہوں گی اور بات وہیں ختم ہو جائے گی۔ جب آصف ہی پیچھے ہٹ جائے گا تو ناظمہ بھی رو دھو کے سنبھل جائے گی۔" اس کے مقابلے میں وہ فکر مند



Scanned with CamScanner

نہیں تھی۔
مگر سب کو غلط ثابت کرتے ہوئے ممانی آصف کا رشتہ لے آئیں۔
جب ناعمہ نے بتایا کہ وہ اگلے دن آنے والی ہیں، اسے یقین نہیں آیا۔ اب کنیز کو بتانا ناگزیر تھا۔ پہلے تو وہ بھی حیران ہوئیں پھر خوش۔ چند پلوں میں ہی وہ بھائی بھابھی سے سارے گلے شکوے بھول گئیں۔ خوب دل لگا کے انہوں نے بھائی بھابھی کے استقبال اور دعوت کا اہتمام کیا۔ ایسے موقعوں پر وہ سب سے پہلے مہروز کو بلاتی تھیں۔ اب بھی مہروز صبح سے ان کے ساتھ تھیں۔ مسطرہ سوچ رہی تھی اس سے پہلے کہ اس کی امی کی امیدیں بڑھیں اسے اکرم کے متعلق اپنا فیصلہ انہیں بتا دینا چاہیے۔ اسے پہلے انکار کے بعد اکرم کو دوسرے یا آخری انتخاب کے طور پر موقع دینا، اس کے احساس اور جذبات کے ساتھ زیادتی اور بے حرمتی محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے کنیز کو منع کرنے کا سوچا تھا کہ وہ مہروز سے یہ ذکر نہ کریں۔
صرف ماموں اور ممانی ہی آئے تھے اور جلد ہی ساتھ کسی اور کو نہ لانے کی وجہ بھی کھل گئی۔ ممانی نے بنا کسی تمہید یا لگی لپٹی کے آصف اور ناعمہ کے رشتے کے لیے شرط رکھی تھی۔
"اگر مسطرہ کی شادی عاکف سے ہو جائے تو مجھے آصف اور ناعمہ کا رشتہ بھی منظور ہے۔"
کنیز کو سنتے ہی غصہ آگیا جو انہوں نے مشکل سے قابو کیا۔ عاکف، مسطرہ سے بارہ سال بڑا تھا۔ تین سال قبل ایک حادثے کے بعد اس کا کمر سے نیچے کا جسم بے حس، بے جان اور ناکارہ ہو گیا تھا۔ وہ تب سے مستقل وہیل چیئر پر تھا۔ چیئر سے اٹھا کر بستر پر بٹھانے لٹانے کا کام بھی ملازم کرتے تھے۔
اس کے بعد سرد اور تلخ سی فضا میں انہوں نے وداع لی۔ وہ کنیز کو سوچ کر جلدی جواب دینے کی ہدایت دے کر رخصت ہو گئے۔
اگلا دھچکا انہیں ناعمہ نے دیا۔
"یہ چال تھی بھابھی کی۔ وہ کوئی راضی واضی نہیں ہوئی ہیں۔ سیدھے سبھاؤ انکار کرنے کے بجائے انہوں نے یہ طریقہ اپنایا کہ رشتہ بھی دے دیا جائے، شادی بھی نہ ہو اور انکار بھی ہم کریں۔" وہ طیش میں ٹہل رہی تھی۔
"لیکن ہم انکار کیوں کریں گے؟" ناعمہ کے اس سوال پر وہ دونوں بھونچکا رہ گئیں۔
"تم۔ تم کہہ رہی ہو میں عاکف کے لیے مسطرہ دے دوں؟"
"اتنے دنوں سے آپ اس کی شادی کے لیے پریشان ہیں، ابھی تک کہیں کچھ طے بھی نہیں ہوا، ایسے میں یہ پروپوزل کیا برا ہے؟"
مسطرہ کو اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ صنف مخالف کی محبت اندھی ہو سکتی ہے لیکن بہنوں کی محبت۔ وہ کہاں گئی؟
کنیز، بیٹی کو سمجھا بجھا کر ڈانٹ ڈپٹ کر آخر رونے لگیں۔ مہروز نے اپنے طریقے سے ناعمہ کو سمجھایا۔
"یوں شرائط پر قائم ہوئے رشتے پائیدار نہیں ہوتے ہیں بیٹا، اور ایک کی خوشی کے لیے دوسری کو جہنم میں نہیں جھونک سکتے۔"
"ماموں کا گھر ہر لحاظ سے ہمارے گھر سے بہتر ہے، جہنم نہیں ہے اور مسطرہ کو بھی یہی چاہیے۔ لگژری لائف، بنگلہ، کاریں، پیسہ۔" اس نے گردن گھما کے اسے دیکھا جو حیرت اور صدمے کے مارے کچھ بولنے لائق نہیں رہی تھی۔
اس نے تو کبھی اسے اتنی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ بس یہی کہا تھا وہ حال سے زیادہ اچھی لائف چاہتی ہے۔ اور یہ ایک خواب تھا، ایک آرزو۔ وہ اس کے لیے جنونی نہیں تھی کہ کسی بھی حال میں یہ پانا زندگی کا مقصد ہو یا اس کے لیے وہ کچھ بھی کر گزرنے کو تیار تھی۔
"اور ابی کو اس کی شادی کرنی ہے۔ اس لیے مجھے تو سمجھ نہیں آرہا ہے کہ اتنا واویلا کس لیے؟"

اس نے تنک کے کہا۔

"بیٹا، عاکف اور مسرہ کی عمر کا فرق اور دوسرے اس کی معذوری، معمولی بات تھوڑی ہے۔"

"جب کوئی پوچھ نہیں رہا تھا تو بھی شکایت تھی اب پوچھ لیا تو بھی شکوے۔ وہ آپ کی دونوں بیٹیوں کو بہو بنانے پر تیار ہیں تو آپ کیوں ان کے دونوں بیٹوں کو داماد نہیں بنا سکتیں؟"

"تم تو منہ بند رکھو۔ جب عقل ہی نہیں رہی تمہارے پاس تو بولو بھی مت۔" کنیز کا بس نہیں چل رہا تھا اسے دو تھپڑ رسید کر دیں۔ ناظمہ تن فن کرتی چلی گئی۔

کنیز نے بھائی بھابھی کو انکار کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ انہیں یقین تھا اسی جواب کی امید میں انہوں نے یہ شرط رکھی تھی۔ ان کا بیٹے کی مان کر بھی اپنی من مرضی کا منصوبہ کامیاب رہا تھا۔

اگلے دن کنیز سے ان کا فیصلہ سن کر ناظمہ نے رو رو کر، چیخ چیخ کر گھر سر پر اٹھا لیا۔ وہ لحاظ، ادب سب بالائے طاق رکھ کے ماں کو سنائے جا رہی تھی کہ وہ آصف کے بغیر نہیں رہ سکتی، اگر ان کی شادی نہ ہوئی تو وہ مر جائے گی۔ کنیز نے بھی اس بار ضبط نہیں کیا اور اسے دو طمانچے رسید کر ہی دیے۔ جس کے بعد وہ کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

مسرہ نے حفصہ کو فون کیا۔ وہ ممانی کی شرط سے زیادہ ناظمہ کی حرکتیں اور باتیں سن کر طیش میں آ گئی۔ اس نے بھی ناظمہ کو پیار سے، ڈانٹ کے، ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی مگر بے سود۔

"امی! آپ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیں۔ ٹھیک ہو جائے گی خود ہی۔" وہ بھی کسی حال میں عاکف اور مسرہ کی شادی کے لیے تیار نہ تھی۔ ایک بہن کی زندگی سنوارنے کے لیے دوسری کی زندگی مشکل کرنا اسے منظور نہیں تھا۔ معذور شخص سے شادی بہت بڑی ذمہ داری اور مسلسل تھکانے والا کام تھا۔ نہ وہ اس کے لیے تیار تھی نہ کنیز اور حفصہ۔

وہ حیران تھی کہ اسے پتا کیوں نہیں چل سکا۔ جانے کب سے آصف اور اس کے درمیان یہ معاملہ چل رہا تھا۔ اس نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ جس شدت سے وہ کسی بھی قیمت پر آصف کو حاصل کرنا چاہتی تھی، اس سے مسرہ نے یہی اندازہ لگایا کہ یہ پرانی بات تھی۔

"شاید بابا کی وفات کے بعد شروع ہوا ہو۔" اسی دوران اکثر آصف ممانی یا ماموں کے ساتھ گھر آتا تھا۔

وہ ناظمہ سے سب جاننے کا ارادہ کر کے اٹھی ہی تھی کہ وہ ہی اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔

"تم امی سے کہہ دو تمہیں منظور ہے۔" وہ اس کے سر پر آن کھڑی ہوئی۔

"کیا۔؟ تم عاکف بھائی کا کہہ رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"ناظمہ!" اس نے دکھ سے اسے دیکھا۔

"تم آصف کو قائل کرو کہ وہ ممانی سے یہ شرط ختم کروائے۔"

"وہ نہیں مانیں گی۔" وہ یہ بات جانتی تھی اور مان بھی چکی تھی۔

"یہاں امی بھی نہیں مانیں گی۔" مسرہ نے اسی کے انداز میں کہا۔

"اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ تم خود امی سے کہہ دو۔"

"مجھے بھی یہ۔" اس نے بات قطع کی۔

"لیکن کیوں؟ تمہیں کس کا انتظار ہے؟ جو تمہیں چاہیے وہ سب مل تو رہا ہے، بنگلہ، گاڑی، نوکر چاکر۔ نند کا ٹینشن نہیں، عاکف بھائی اب بھی ہینڈسم ہیں، ان کی دولت۔"

"یہ سب کوئی اہمیت نہیں رکھتا اگر میری مرضی نہیں۔" اس نے بھی بات کاٹی۔

"اتنا گھمنڈ کس بات کا ہے تمہیں۔؟" مسرہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔ یہ لہجہ، یہ انداز سب نیا تھا۔ وہ محبت میں باقی رشتے ملاحظہ سب بھلا بیٹھی تھی۔

"کون سا آسمان سے شہزادہ اترے گا؟ پاپا

کے بعد ہماری حیثیت کیا ہے وہ ان کچھ سالوں میں دیکھ ہی لی ہے تم نے۔ اتنی کوشش کے بعد بھی امی ابھی تک تمہاری شادی نہیں کروا سکیں۔ تم سے محبت کا دعویٰ کرنے والا بھی نہیں آیا۔ اب جب گھر بیٹھے وہ ہم دونوں کی ذمہ داری سے فارغ ہو سکتی ہیں تو بلاوجہ اڑ کیوں رہے ہو تم لوگ۔ تمہیں کسی سے محبت نہ سہی میری محبت کا تو خیال کرو۔ اکثم بھائی کی بدعا میں کم ہیں جو تمہیں اب میری آہ بھی چاہیے؟ پہلے اکثم بھائی کی زندگی برباد کی اب میری تو نہ کرو۔"

وہ زاروقطار روتی کمرے سے نکل گئی۔ مسطرہ کے آس پاس دیر تک اس کے الفاظ کی بازگشت ہوتی رہی۔ اس نے کب کسی کی زندگی برباد کی؟ اس کے رویے اور ضد کے ساتھ اسے ہر بات میں اکثم کو گھسیٹ لینا غصہ دلا رہا تھا اور وہ اس کے انکار کی وجہ کو جس طرح توجیہہ بنا رہی تھی، اس نے اسے دکھی کر دیا تھا۔ اس کی خواہش مادیت پرستی تو نہیں تھی۔ اپنے لیے اچھا سوچنا، بہتر کل کا خواب دیکھنا تو اس کا حق تھا۔

"کیا اکثم بھی ایسا ہی سمجھتا ہے؟" ایک بے چینی کی تیز لہر ابھر کر ڈوب گئی۔ اس وقت خود کے متعلق یا اکثم کو سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ ناظمہ کی ضد، ہٹ دھری اور کنیز کے انکار نے گھر کا ماحول تناؤزدہ کر دیا تھا۔

کنیز اور وہ اس نئے طوفان میں اکثم والی بات بھول گئی تھیں اور پھر اس کے بعد وہ ہوا جس نے سب کچھ بدل دیا۔

☆☆☆

ابھی تک بات تصویر کے تبادلے اور درمیان میں رابطہ بنی فرحت آنٹی تک محدود تھی اور آج پہلی بار مہروز، اکثم اور کنیز کے ساتھ لڑکی کے گھر اسے روبرو دیکھنے اور ملنے جا رہی تھیں۔

"تم بھی تیار ہو جاؤ مسطرہ۔" مہروز کی بات پہ وہ جزبز ہوئی۔

"بچے بھی نہیں ہیں کہ ان کی وجہ سے رکنا پڑے۔ دس منٹ میں اکثم پہنچ رہا ہے، تب تک تم ریڈی ہو جاؤ۔ میں اسے اندر بلا لوں گی۔" انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ اکثم نے کہا تھا وہ اندر نہیں آئے گا، میں فون کروں گا تو آپ لوگ باہر آ جائیے گا۔

"جاؤ جلدی کرو۔ انہیں ساڑھے چار کا وقت دیا تھا۔" کنیز کی بات پر وہ خاموشی سے کمرے میں آ گئی۔

"اچھا ہوتا میں بچوں کو ماموں کی طرف نہ بھیجتی۔" الماری کھول کے لباس منتخب کرتے ہوئے اس نے افسوس کیا۔

جب وہ تیار ہو کے ہال میں آئی تو کنیز اور مہروز کھڑی ہوئیں اور وہ چونک گیا۔ انہوں نے اسے بتایا نہیں تھا کہ وہ بھی ساتھ آ رہی ہے۔

وہ سب سے پہلے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے کنیز اور مہروز تھیں۔ داخلی دروازہ مقفل کر کے سب سے آخر میں وہ کار میں جا کے بیٹھی۔ راستے سے فرحت خالہ کو لے کر وہ لڑکی کے گھر پہنچے۔

چھوٹا سا، سلیقے کا منہ بولتا ثبوت اور خوب صورت گھر تھا۔ لڑکی بھی حسین تھی۔ وہ خاموش صوفے کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ وہ مسلسل سوچ رہی تھی کہ اس کا یہاں کام ہی نہیں تھا۔ گھر میں لڑکی کے والدین، بھائی، اس کی بڑی بہن، بہنوئی اور دادی تھیں۔

جانے کس نے شوشہ چھوڑا کہ لڑکا لڑکی کو اکیلے میں بات کرنے کا موقع دیا جائے۔ وہ چونکی اس وقت جب فرحت آنٹی نے اس کا نام لیتے ہوئے، ہاتھ پکڑ کے اسے اٹھانے کی کوشش کی۔

"مسطرہ بیٹا ان کے ساتھ، جاؤ مسطرہ۔"

"کہاں؟" وہ مکمل طور پر ماحول سے کٹی ہوئی تھی۔

"اکثم اور ڈنیزہ باہر پورچ میں ایک دوسرے سے بات کر لیں گے تم بھی جاؤ ان کے ساتھ۔"

اس نے گھبرا کے اطراف میں دیکھا۔ ڈنیزہ کو



Scanned with CamScanner

اس کی بہن کھڑا کر چکی تھی، جس کی گود میں چند ماہ کا بیٹا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ خود بہن کے ساتھ باہر نہیں جا رہی تھی۔ جانے اس کی غائب دماغی کے دوران وہاں کیا باتیں ہوئی تھیں کہ اکرم بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

زنیرہ اور اس کی بہن کے پیچھے اکرم اور اس کے پیچھے وہ باہر آئی۔ چھوٹے سے پورچ نما حصے میں میز اور کرسیاں تھیں۔

ان دونوں کو آمنے سامنے کرسیاں پیش کرنے کے بعد بہن نے مسفرہ کو دیکھا جو ابھی جنگلے کے پاس کھڑی تھی۔

"میں یہاں ٹھیک ہوں۔" اس نے مسکرا کے کہا اور وہ زنیرہ اور اکرم کو دیکھ کے کوئی شوخ سا جملہ کہتی اپنے چیں چیں کرتے بیٹے کو لیے چلی گئی۔

مسفرہ کا ذہن کچھ یوں کثافت زدہ ہو رہا تھا کہ اسے زنیرہ کی بہن کی بات سمجھ میں ہی نہیں آئی تھی۔

زنیرہ نے گردن گھما کے اسے دیکھا اور وہ اس کی تسلی کے لیے مسکرا دی۔ ان دونوں کی سمت پیٹھ کرنے سے پہلے اس نے اکرم پر ایک نظر ضرور ڈالی تھی۔ اس کے چہرے پر جھنجلاہٹ، بے زاری یا ناگواری نہیں تھی۔

گفتگو کا آغاز زنیرہ نے کیا تھا۔ وہ با اعتماد تھی۔ اکرم سے اس کے کام کے بارے میں پوچھ رہی تھی اور مسفرہ جو ان کی جانب توجہ نہیں دینا چاہتی تھی، پورے دھیان سے اس کے جواب سننے لگی۔ اب سنتے ہوئے اسے علم ہوا کہ وہ پچھلے تین سالوں سے نوکری چھوڑ کے بزنس کرتا ہے۔ اس کے اپنے اتنے مسئلے تھے کہ اس نے یقیناً کئی بار سنا بھی ہوگا تو غور نہیں کیا تھا۔

جو زنیرہ پوچھ رہی تھی، اس کا جواب دینے کے بعد وہی سوال اکرم اس سے پوچھ لیتا تھا۔

وہ دونوں نہ شرمیلے تھے نہ گھبرائے ہوئے۔ اعتماد سے باتیں کر رہے تھے لیکن شاید روادی کی وجہ سے یا ان کے کہنے پر تیسرے کو ساتھ بھیجا گیا تھا۔

جب وہ کچھ باتوں کے بعد قدرے بے تکلف اور مطمئن ہو گئے تو زنیرہ نے پوچھا۔

"آپ کی کوئی پہلی محبت؟" اس نے ہلکے مزاحیہ انداز میں پوچھا تھا۔ اس کا دل رکنے لگا۔ وہ دم سادھے یوں کھڑی تھی گویا اس کی آتی جاتی سانس سرگوشی کر دے گی کہ "ادھر دیکھو، یہ ہے وہ!"

"جسے آپ اب تک بھلا نہیں پائے۔" زنیرہ نے آگے جوڑا۔

اکرم نے خود کو اتنا بے بس کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ اندر بیٹھی خوش باش سی ماں، سامنے بیٹھی صاف گو اور ارمانوں بھری لڑکی اور ذرا سے فاصلے پر کھڑی وہ۔ اس کے پاس صرف اپنے دل کی کہہ دینے اور کر گزرنے کی آزادی نہیں تھی ورنہ وہ اٹھ کے مسفرہ کا ہاتھ پکڑ کے زنیرہ کے سامنے لا کھڑا کرتا۔

"یہ ہے میری پہلی محبت اور بتاؤ اسے کیسے بھلایا جا سکتا ہے؟"

اس نے پیچھے کرسی سے پیٹھ لگاتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے سے گریز کیا۔

"پہلی دوسری۔ کوئی بھی اگر واقعی محبت ہو تو بھلائی تو کبھی نہیں جاتی۔ وہ اچھی یا بری یاد، ایک دکھ، کسک، پچھتاوا، ایک کاش، حسرت یا محرومی، لاحاصل طلب بن کے ہمیشہ ساتھ رہتی ہے۔"

اچانک مسفرہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ کیا وہ اتنا سب کچھ تھی؟ یا کچھ بھی نہیں بس ایک بری یاد!

"اس فلسفیانہ بات میں آپ نے جواب گول کر دیا۔" زنیرہ کی بات پر وہ ہولے سے ہنس دیا۔

"آپ دونوں کی باتیں ہو گئی ہوں تو چلیں، سب انتظار کر رہے ہیں۔" زنیرہ کی بہن کی واپسی ہوئی اور مسفرہ نے رومال آنکھوں پر رکھ کے نمی اس میں جذب کی۔

واپسی میں تینوں خواتین مسلسل بول رہی تھیں اور وہ دونوں چپ تھے۔ اکرم بار بار اپنی نگاہوں کو بیک ویو مرر کی سمت اٹھنے سے روک نہیں پا رہا تھا اور وہ آنکھیں اٹھا نہیں رہی تھیں۔



Scanned with CamScanner

"میں کیسے وہ لڑکی بن جاؤں، جسے انکار کے بعد جب زندگی سب جگہ مٹی کر چکی تو وہ اسی کے پاس لوٹ جائے جسے نامراد لوٹایا تھا۔ یہ سوچ کر کہ وہ تو منتظر ہی ہوگا، اسے واپس دیکھ کے خوش ہوگا، اسے اپنا لے گا۔ یہ خود غرضی ہے، کسی کے احساس کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کرنا۔

اور اکرم بے دھیان سا بار بار اپنا ماتھا مسلتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

"سب جانتے ہوئے وہی سوال دہراتا تو۔ اس کے حالات کی وجہ سے اسے بلیک میل کرنا ہوگا کہ اب اس کے پاس کوئی آپشن نہیں اور اس طرح حاصل کر بھی لوں تو۔" دل اسی بات پر ٹھہرا تھا کہ اسے اس کا ساتھ یوں تو نہیں چاہیے۔

اس کے لیے اب بھی اس کی مرضی اور اپنی ماں کی دوستی پہلے کی طرح اہم تھی۔

کنیز کے اصرار پر اسے بھی اندر آنا پڑا۔ وہ انہیں کھانے کے لیے روک رہی تھیں مگر اس نے کام کا بہانہ بنا لیا۔

"اچھا چائے تو پی کر جاؤ۔" وہاں کولڈ ڈرنک وغیرہ تھے۔ چائے کے لیے انہوں نے منع کر دیا تھا۔

وہ لباس بدلے بنا باورچی خانے میں آ گئی۔ اکرم کی آواز اور الفاظ اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے۔ تنہائی ملتے ہی پھر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ تنہائی اور فراغت نے اس پر کئی انکشاف کیے تھے۔

وہ چائے لیے باہر آئی۔ ٹرے میز پر رکھ کے وہ فوراً واپس جانا چاہ رہی تھی مگر مہروز نے اسے روک لیا۔

"بیٹھو تم بھی۔ اپنی چائے نہیں لائیں۔ تمہیں کیسی لگی ذنیرہ؟" وہ بڑی خوش دکھائی دے رہی تھیں۔ انہوں نے اپنے پاس اس کے لیے جگہ بنائی تو اسے بیٹھنا پڑا۔

اکرم جوان کے ساتھ والے صوفے پر تھا، بلا تکلف و جھجک اپنی آنکھیں اس پر ٹکا دیں۔

"مم اچھی ہے۔ پیاری ہے بہت۔" کہتے ہوئے اسے اپنے اور ذنیرہ کے درمیان کے فرق کا ادراک ہوا۔ وہ بائیس تیئیس سال کی لڑکی اور کہاں وہ تیس کے پاس پہنچی ہوئی بیوہ۔

اکرم اس کی بھیگی پلکوں میں الجھ گیا۔ وہ اتنے سالوں میں بھی اسے ڈی کوڈ نہیں کر پایا تھا۔

اس کے پاس آنسو بہانے کے لیے بہت وجوہات تھیں، ضروری نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے روئی ہو۔

اسے اس کا جملہ آج بھی یاد تھا۔ "میں نے ویسی زندگی نہیں سوچی جیسی تمہارے ساتھ ہوگی۔"

رات کنیز نے حفصہ کو فون کیا۔ جو بات دل میں تھی اور انہیں پریشان کر رہی تھی، وہ اسی سے بانٹ سکتی تھیں۔ اس سے پہلے تو ناظمہ کی وجہ سے وہ بات رہ گئی تھی۔

"ایک دل کہتا ہے میں مہروز سے خود بات کروں پھر خیال آتا ہے اس کا بڑا بیٹا ہے، اس کے بھی ارمان ہوں گے بہو کے لیے۔ ہماری مسفرہ کی عمر، چار سال کی شادی پھر بیوگی۔ کبھی سوچتی ہوں کہ اکرم کی ہی مرضی نہیں ہے، اسی نے منع کیا ہوگا ورنہ اب تک کبھی نہ کبھی مہروز ذکر تو کرتی۔ میں بات کروں اور مہروز شرمندہ ہو تو بھی اچھا نہیں لگے گا۔ اس نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا ہے اور یہ زیادتی ہوگی اگر میں اپنی بیٹی کا سوال کر کے اسے امتحان میں ڈال دوں۔"

"اب تو بالکل کچھ نہ کہیں امی اب جب انہیں اور اکرم کو لڑکی پسند آ گئی ہے۔" وہ ان کی سمجھدار بیٹی تھی۔

"ہماری مسفرہ کے نصیب میں بھی اللہ نے کچھ اچھا ضرور لکھ رکھا ہوگا۔"

"ان شاء اللہ۔"

☆☆☆

ناظمہ کہہ چکی تھی کہ وہ آصف کے علاوہ کسی سے شادی نہیں کرے گی جب کہ کنیز ممانی کی شرط کے ساتھ ناظمہ اور آصف کا رشتہ قبول کرنے کے حق میں نہیں تھیں۔ حفصہ، مسفرہ اور مہروز بھی اس فیصلے

میں ان کے ساتھ تھیں۔ لیکن وہ ممانی کو جواب دیتیں اس سے پہلے ہی ناظمہ نے نیند کی گولیاں پھانک لیں۔ ان دونوں کے ہاتھ پیر پھول گئے۔ کنیز تو دل تھام کے بے ہوش ہو گئیں۔ اس نے کسی طرح ممروز خالہ کو فون کیا۔ ان کے ساتھ اکرم، اظفر آئے اور اسے اسپتال لے جایا گیا۔ خودکشی کا کیس تھا لہٰذا پولیس بھی ملوث ہو گئی۔ پولیس کے سوال جواب۔ ان کی اپنے طریقے سے کی جاری تفتیش دیکھ کے کنیز کی طبیعت مزید بگڑنے لگی۔ کسی طرح اکرم، اظفر نے ہی پولیس والا معاملہ رفع دفع کیا۔

باپ کے بعد ماں کو اسپتال کے بستر پر دیکھ کر اس نے خود ہی فیصلہ کیا اور ناظمہ کے سامنے ممانی کو فون کر کے عاکف سے اپنی شادی کے لیے رضامندی دے دی۔ ناظمہ بستر سے اٹھ کے اس سے لپٹ گئی اور پہلی بار اسے اپنی بہن کے لیے کچھ محسوس نہیں ہوا۔

"دیکھو میری وجہ سے تمہیں اتنا اچھا گھر مل رہا ہے بلکہ وہ سب جس کی تمہیں خواہش تھی۔ بسر ہ کو جبھی بھی لگتا وہ محبت میں بالکل ہی حقیقت اور دنیا سے کٹ گئی ہے۔

کنیز نے سنا تو سر تھام لیا۔ وہ ان کا ہاتھ تھام کے انہیں یقین دلانے لگی کہ کیسے یہ شادی اتنی بھی بے جوڑ نہیں۔ عاکف پڑھا لکھا انسان ہے، بس معذور ہے تو کیا ہوا۔ یہ تو اسے بھی شادی کے بعد پتا چلا کہ وہ سب سے پہلے نفسیاتی تھا، جسمانی معذوری اس کے بعد آئی تھی۔

اس تمام عرصے میں اس دن کے بعد اکرم نے پھر اکیلے میں اس سے بات کی تھی۔

"تم کیوں مان گئیں؟"

وہ یہ سوال اکرم سے سننے کو تیار نہیں تھی۔ فوری طور پر کچھ کہہ نہیں سکی۔

"امی کی طبیعت، ناظمہ کی ضد، اس کی خودکشی کی کوشش۔ ان سب کا یہی ایک حل ہے۔"

"یہ حل نہیں ہے۔ تم نے سب ٹھیک کرنے کے لیے اپنی قربانی کا انتخاب کیا ہے اور یقین کرو اس سے ٹھیک کچھ نہیں ہوگا بلکہ نئے مسائل پیدا ہوں گے۔" وہ سنجیدہ تھا۔

جانے کیسے اسے ادراک ہوا کہ وہ وہی سوال پھر دہرائے گا اور وہ بالکل بھی سننا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے دل پر پتھر رکھ کے کیا یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ حقیقتاً اس کے علاوہ دوسرا حل لاکھ سوچنے پر بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ یہاں کمزور کڑی اس کی اپنی بہن تھی۔

"وہ میرے ماموں کا گھر ہے، وہاں کوئی غیر نہیں ہے۔ عاکف بھائی کی معذوری اتنا بڑا ایشو نہیں، مجھے اس سے کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اس طرح امی بھی ہمارے بعد تنہا نہیں ہوں گی بلکہ وہ ہم دونوں کے ساتھ ہی رہیں گی۔" یہ بھی اس نے طے کر کے ممانی کو بتا دیا تھا کہ اس کی بھی شرط ہے کہ کنیز ان کے ساتھ رہیں گی۔

بولتے ہوئے وہ بھی جانتی تھی کہ کس قدر کھوکھلی باتیں ہیں اور سن کر یہی تاثر اکرم کے چہرے پر تھا۔ اس نے نظریں چرا لیں۔

"تمہاری ممانی نے اس لیے یہ شرط رکھی کہ تم فری ہو، اگر تم ہی اوبجیکشن نہ ہو تو اس دوٹے سٹے کی نوبت نہیں آئے گی۔" اس تمہید پر اس کا دل بیٹھنے لگا تھا۔

"اکرم!" اس نے روتے دل کے ساتھ ہمت جمع کی کہ اس بار انکار کرتے ہوئے اسے واقعی دکھ ہو رہا تھا۔

اس کا خلوص، ان کے مسائل کا حل نہیں تھا۔ اس کی محبت ناظمہ کی ضد ختم نہیں کر سکتی تھی، ممانی بنا شرط شادی نہیں کر سکتی تھیں اور اس انجام کے بغیر اس کی ماں کی زندگی اور صحت داؤ پر لگی تھی۔

پہلی بار اسے جواب دیتے ہوئے وہ خواب دیکھنے والی، ان کی تعبیر کا اعتماد اور حوصلہ رکھنے والی لڑکی تھی مگر اس وقت وہ ایک ذمہ دار بیٹی، بے بس بہن اور خود کو اپنوں کے بعد رکھنے والی لڑکی بن گئی تھی۔

"میرا جواب اب بھی بدلا نہیں ہے۔"

اکثم کو لگا مارے خفت اور شرمندگی کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو گا مگر اس کے چہرے پر تاسف اور دکھ پھیلا تھا۔

"میں عاکف سے بھی گیا گزرا ہوں۔ واقعی؟" اس نے دکھ سے سوچا کہا نہیں۔ اس نے بھی عاکف کی بدمزاجی کے قصے سن رکھے تھے۔

"میں تمہیں ایک غلط فیصلے سے روکنا چاہتا تھا۔"

کچھ دیر بعد شکست خوردہ لہجے میں کہتا وہ چلا گیا۔

اسے روکنے کے لیے، ناظمہ کو سمجھانے کے لیے حصہ بھی کسی طرح پہنچ گئی لیکن کچھ نہ بدلا۔

آخر ان دونوں کی دھوم دھام سے شادی ہوئی اور وہ کینیڈا کے ساتھ ماموں کے گھر منتقل ہو گئے۔ حصہ دعائیں کرتی واپس چلی گئی۔

☆☆☆

مہروز، ذنیرہ کے لیے اس کا حتمی جواب مانگ رہی تھیں اور وہ ٹالے جا رہا تھا۔

"تمہاری پھپھو نے آج پھر فون کیا تھا۔ پوچھ رہی تھیں اکثم کی بات پکی ہوئی یا نہیں۔"

"آپ ان سے کہہ دیں کہ تسلی رکھیں اظفر کی شادی طے شدہ وقت پر ہی ہو گی۔"

"وہ تو میں کہہ دوں گی لیکن اب تم بھی کہہ دو جو دل میں ہے۔"

انہیں بیٹے کی ٹال مٹول مشکوک کر رہی تھی۔

"کسی طرح ان سے پچھا اور وقت لیں۔" کہتا وہ گھر سے نکل گیا تھا۔

اپنی یک طرفہ محبت پر اس نے صبر کر لیا تھا، دل کو بہلا لیا تھا مگر اب جانے کیا ہو رہا تھا کہ ہمیشہ خود کو آگے بڑھنے کی تلقین کرنے والا، جب صحیح وقت آیا اگلا باب کھولنے کا تو صفحہ پلٹتے ہوئے ڈر رہا تھا، جھجک رہا تھا بلکہ اب اس باب کو دیکھنے، جاننے کی تمنا ہی نہیں رہی تھی۔ گزشتہ صفحہ نظروں سے اوجھل ہونے کا خیال ہی جان لیوا تھا۔

"مجھے جلد امی کو جواب دینا ہو گا۔" وہ بار بار خود سے کہہ رہا تھا اور ہر بار پہلے سے زیادہ بے قرار ہو رہا تھا۔

"اچھی ہے۔" ذنیرہ کی تصویر دیکھ کے اس نے کہا تھا۔ یہ پہلی لڑکی تھی جس کے لیے اس نے اچھی ہے کہا تھا سو وہ بڑی خوش تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ اس نے بار بار تصویروں پر نظر ڈالنے کی گزارش سے تنگ آ کے کہا تھا۔

اب جب ملاقات ہو گئی تھی، روبرو گفتگو بھی، تو وہ منہ بند کیے تھا۔ وہ ان لوگوں کو ہاں کہنے اور بات آگے بڑھانے سے قبل اس کا حتمی جواب چاہتی تھیں۔

"آپ کتنی ہی خواہش اور استطاعت رکھتے ہوں، کسی کو خوش رکھنے کی، جب وہ آپ کے ساتھ رہنے پر ہی راضی نہ ہو تو کیا فائدہ۔" وہ جانتا تھا وہ اسے خوش رکھ سکتا ہے، اس کے لیے کیا کچھ کر سکتا ہے، مگر جب اسے یہ سب اس کی طرف سے درکار نہیں تھا تو وہ بے بس تھا۔

"تمہارے بدلے وہ ایک مشکل زندگی کو ترجیح دیتی ہے۔" دماغ ایسی باتیں کر کے اسے غصے اور تنفر میں مبتلا کر کے ماں کی پسند کا فیصلہ کروانا چاہتا تھا۔

"مسترد!" اس نے تھکی سی سانس ہواؤں کے سپرد کی۔

"کیا میں تیسری بار پھر ریجیکٹ ہونے کی کوشش کروں؟" اس نے دونوں ہاتھ سر کے پیچھے رکھ کے گردن کرسی سے ٹکائی۔

"یا مجھے تم سے وجہ پوچھنی چاہیے؟ کیا فرق پڑتا ہے وجہ سے؟ جب اسے تمہارا ساتھ نہیں چاہیے تو بات ختم۔ لیکن کیوں نہیں چاہیے۔؟" دل ضدی ہو رہا تھا۔

ایک طویل وقت، جب وہ ماموں کے گھر تھی، اس نے ایسی ہی بے کلی اور بے بسی میں گزارا تھا۔ اس کے ہاتھوں کے زخم، اس کی نم آنکھیں، زبردستی



Scanned with CamScanner

سی مسکراہٹ، سہا دینا انداز۔ سب کچھ اسے سولی پر لٹکائے رکھتا تھا۔ جب وہ کنیز کے ہمراہ گھر چھوڑ کے واپس پرانے مکان میں آ گئی تو وہ بھی مطمئن ہو گیا تھا مگر اب پھر سے وہی کیفیت تھی۔

"تمہارے بغیر کیا ساری عمر مجھے یونہی بے چین رہتے گزارنا ہوگی؟" محبت مقدر میں تھی نہ راحت۔ وہ اب تک سمجھتا رہا تھا یہ محبت کے حصول سے مشروط نہیں، مگر اب جان پایا تھا کہ راحت دراصل محبت نہیں بلکہ اندر کا خالی پن چھین رہا تھا۔

وہ نہیں ویسی زندگی گزار رہی ہوتی، جس کی اسے چاہ تھی تو شاید وہ بھی مطمئن سا آگے بڑھ جاتا لیکن فی الوقت ایسا نہیں تھا اور اسے ماں کی خوشی کے لیے ہی سہی آگے بڑھنا ناممکن لگ رہا تھا۔

کام سے دل اچاٹ تھا اور مسلسل سوچوں نے اسے نڈھال کر دیا تھا۔ وہ جلد دفتر سے اٹھ کے گھر چلا آیا۔

"جلدی آ گئے۔" دروازہ کھولتے ہی مہروز نے کہا۔

"ہاں وہ مستری آ رہا ہے اس لیے۔" بروقت اسے یاد آ گیا۔ راستے میں اسے مستری کا فون موصول ہوا تھا کہ وہ مزدوروں کو لے کر آ رہا ہے تاکہ انہیں کام سمجھا سکے۔ اگلے دن سے صحن اور کچھ باہری دیواروں کی تزئین نو کی شروعات ہونا تھی۔ اندر بھی چھوٹے موٹے کام تھے۔ جس کے بعد رنگ ہونا تھا۔ مہروز کو گھر میں رہتے ہوئے ہی کام کروانا پسند تھا تاکہ اپنی نگرانی میں سب ہو۔ دن بھر تو اظفر اور اسلم باہر ہوتے تھے ایسے میں سب مزدوروں کے بھروسے چھوڑنا انہیں منظور نہ تھا۔

وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے ہال میں رک گیا کہ کچھ دیر میں مستری پہنچنے والا تھا۔ مہروز اس کے لیے پانی لے آئیں۔

"چائے لو گے۔"

"وہ آ جائیں تو ان کے ساتھ ہی دیجیے گا۔"

"بیٹا، اب تم مجھے صاف بتا دو نیرہ کے گھر والوں کو کیا جواب دوں؟" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد انہوں نے پوچھا۔ اس نے پہلو بدلا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم صاف صاف بات کیوں نہیں کرتے۔ اگر وہاں نہیں کرنی تو یہ ہی کہہ دو۔ مجھے وہ لڑکی، لوگ، ان کا گھر سب پسند آیا ہے لیکن اگر تم منع کر دو گے تو بھی ٹھیک ہے میں کہیں اور دیکھنا شروع کروں گی۔ اس طرح اظفر کہیں ناراض ہی نہ ہو جائے کہ میں تمہاری وجہ سے اسے بھی لٹکائے جا رہی ہوں۔" وہ سبھاؤ سے بات کر رہی تھیں۔

"امی!" وہ دن بھر اتنا سوچ چکا تھا کہ اب ہار گیا۔

"مجھے برسوں پہلے ایک لڑکی پسند تھی، میں نے اسے بتایا مگر اسے مجھ میں دلچسپی نہیں تھی۔ بات ختم ہو گئی۔ یا میں ختم سمجھتا رہا۔"

"ہیں!" مہروز حیرت سے بیٹے کو تک رہی تھیں۔

"اب جب شادی اور دوسری لڑکی زندگی کے اتنے قریب نظر آ رہے ہیں تو۔ میرا دل کچھ بھی قبول کرنے تیار نہیں ہو رہا ہے، نہ شادی نہ لڑکی۔"

"تو کیا تم ساری عمر کنوارے رہنے کا فیصلہ کر چکے؟" ان کی آواز میں صدمہ تھا۔

"میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا لیکن اب جب شادی کا وقت آیا ہے تو۔"

"تو کیا؟"

"امی! مجھے اس کے بعد آج تک پھر کوئی اچھا نہیں لگا۔ یہ نیرہ بھی نہیں۔"

وہ کب تک ماں سے جھوٹ کہتا، بہانے بناتا یا ٹال مٹول کرتا، آخر انہیں اصل وجہ بتانا ہی تھی۔

"کون ہے وہ لڑکی؟ کہاں رہتی ہے؟ کیا اس کی شادی ہو گئی؟ اگر نہیں تو اس کا ایڈریس دو، میں اس کے گھر جاتی ہوں۔" بڑی دیر بعد اس جھٹکے سے سنبھلتے ہوئے وہ بولیں۔

وہ دھیرے سے ہنسا۔



Scanned with CamScanner

"اس کا اور میرا ساتھ ممکن نہیں ہے امی۔"

"تو کیا تم ساری عمر ایسے ہی گزار دو گے؟"

بالکل نہیں۔" ان کا لہجہ آخر میں سخت ہو گیا۔

"سوچا تو میں نے بھی نہیں تھا۔ میرا خیال تھا میں نارمل زندگی گزاروں گا۔ شادی کروں گا۔ بچے ہوں گے، فیملی ہوگی۔ لیکن اب یہ سب خام خیالی لگتی ہے۔"

"میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دیتی کہ تم ایک لڑکی کے پیچھے اپنی زندگی برباد کرو۔" ان کے لہجے میں اس لڑکی کے لیے غصہ تھا۔

"میرا بھی ایسا کوئی ارادہ نہیں امی۔" وہ مسکرایا اور آگے آ کے ماں کا ہاتھ تھاما۔

"بس مجھے کوئی لڑکی پسند آ جانے دیں۔"

"ہٹو۔" انہوں نے خفگی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"ماں کی پسند سے بیاہ کر لو وہی پسند بھی آ جائے گی۔"

تب ہی داخلی دروازے کی گھنٹی بجی۔

باورچی خانے کی دیوار سے لگی مسرہ نے دوپٹے سے آنکھیں رگڑیں اور جلدی سے کاؤنٹر پر رکھا خالی ڈبہ اٹھایا۔ وہ مزدور اور مستری کے ساتھ مصروف ہوتا اتنی دیر میں اس سے بچتے ہوئے وہ نکل سکتی تھی۔

"خالہ میں نے۔" وہ بہ عجلت ہال میں داخل ہوئی اور سامنے صوفے پر اکرم کو دیکھ کر زبان رک گئی۔

دروازہ کھولنے وہ نہیں بلکہ مہروز گئی تھیں۔ چونکہ اکرم بھی تھا۔ اسے بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اس وقت گھر میں بلکہ دیوار کے اس جانب باورچی خانے میں موجود ہے۔ اکرم کے چہرے کی اداسی اور تھکن۔ پھر مسرہ کی آنکھیں بھرنے لگی تھیں اور وہ پھر اس کی بھیگی پلکوں میں الجھ گیا۔

"جاؤ دیکھو آ گیا ہے مستری۔" مہروز کی آمد اور خفا سی آواز نے دونوں کو بچا لیا۔

مسرہ وہ بیٹے سے ان کی ناراضی محسوس کر کے مزید چور بن گئی۔ کنیز نے کڑھی بنائی تھی اور اسے خاص طور پر ڈبہ دے کر بھیجا تھا کہ کچھ دن پہلے وہ یاد کر رہی تھیں۔ وہ ہمیشہ کوشش کرتی تھی اس وقت مہروز کی طرف آئے جب وہ دفتر میں ہو۔ آج بھی وہ دیکھ بھال کے آئی تھی مگر وہ جلدی آ گیا تھا۔

"تم کہاں جا رہی ہو بیٹھو۔ چائے بنا رہی ہوں ان کے لیے، تم بھی پی کر جاؤ۔" وہ اندر جانے لگی تو انہوں نے روکا۔

"آپ باہر دیکھیں۔ چائے میں بناتی ہوں۔" اس نے کچھ دیر کے لیے اپنے اکیلے رہنے کا سامان کیا۔

"چار لوگ ہیں وہ اور ہم تینوں۔" وہ اسے چائے کی مقدار کا اندازہ دیتی باہر چلی گئیں۔

اب ہوتا یہ تھا کہ کوئی خیال آتا نہ دماغ چلتا نہ دل دھڑکتا۔ بس آنسو رکنے سے انکاری ہو جاتے اور پورے وجود پر اداسی چھا جاتی تھی جو کوشش کے باوجود اس سے دور نہیں ہوتی تھی۔ اب بھی اس کی وہی کیفیت تھی۔

چائے بنا کر اس نے ہال سے مہروز کو آواز دی اور ٹرے میز پر رکھ دی۔ وہ سب کو لیے اندر آئیں تو وہ اپنا کپ لیے کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر بعد جب وہ سب واپسی کے لیے اٹھے تو کنیز کا فون آ گیا۔ ممانی کا فون تھا کہ بچے بہت تنگ کر رہے ہیں انہیں لے جاؤ۔

اس نے اندر جا کے مہروز کو بتایا کہ اسے اب ماموں کے گھر سے بچوں کو لیتے ہوئے جانا ہوگا۔

"تم رکو۔ انہیں اکرم ادھر لے آئے گا پھر یہاں سے ساتھ میں چلی جانا بلکہ اکرم ہی چھوڑ دے گا۔"

"نہیں خالہ۔" اس نے جلدی سے انکار کیا۔ وہاں ویسے ہی سب کو اکرم سے بیر تھا اور بچوں کو چھوڑنے بھی وہی گیا تھا۔ اس وقت تو جانے کس سوچ کے تحت اس نے بچوں کو اس کے ساتھ بھیج دیا

تھا مگر اب وہ پھر اسے اس گھر میں نہیں بھیجنا چاہتی تھی۔

تب ہی اکثم اندر آیا۔

"بیٹا! تم جعفر بھائی کے یہاں سے عباد اور عماد کو لے آؤ۔ میں کنیز سے کہتی ہوں وہ فون کر دے گی انہیں۔" مہروز انہیں فون لگا چکی تھیں۔ ماموں کا گھر یہاں سے پاس پڑتا تھا۔

اکثم کار کی چابی اٹھا کے باہر نکل گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے یہ سوچ کر انہیں بھیجا تھا کہ کچھ عرصہ ادھر ہی رہیں گے مگر ممانی انہیں چند دن بھی نہیں سنبھال سکیں۔

کچھ دیر بعد اکثم آیا تو انہوں نے ان تینوں کو کھانے کے لیے روکنا چاہا لیکن وہ کنیز کے تنہا ہونے کا جواز دے کر رکی نہیں۔

"اسے بھی ساتھ لے آتیں تو اچھا ہوتا۔" انہیں افسوس تھا۔

وہ ان دونوں کے ساتھ پیچھے بیٹھی تھی جنہیں ایک پل بھی سکون نہیں تھا۔ اکثم نے کبھی ان بچوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اس کا رویہ برا یا سرد تھا مگر کوئی اضافی سی نظر نہیں آئی تھی کہ وہ اس سے مانوس یا مرعوب ہو جائیں۔

وہ کھڑکی سے باہر دیکھتی رہی اور اکثم کی نظریں بار بار راستے سے ہٹ کے سامنے نئے سے شیشے کی جانب اٹھتی رہیں۔

وہ انہیں دروازے تک چھوڑ کے باہر سے ہی چلا گیا تھا۔

☆☆☆

عاکف گھر کا پہلا، لاڈلا سی قدر بگڑا بیٹا تھا۔ وہ زندگی کو اپنی مرضی سے جی رہا تھا، اس وقت تک جب ایک بائیک حادثے نے اسے وہیل چیئر تک محدود نہیں کیا تھا۔ ماموں کے پاس پیسہ تھا سو انہوں نے ہر ممکن کوشش کی لیکن وہ پھر چلنے پھرنے کے قابل نہ ہو سکا۔ بظاہر وہ زندگی کی طرف لوٹ چکا تھا۔ دفتر جاتا، کام کرتا، دل کرتا تو کسی تقریب میں بھی شرکت کر لیتا تھا لیکن اپنی معذوری اسے زہر لگتی تھی۔ اس کا زور گھر کے ملازموں اور اپنے ماتحتوں پر چلتا تھا اور سارا نزلہ بھی ان ہی پر گرتا تھا۔ ماموں ممانی نے اسے اس بات پر روکا ٹوکا نہ سمجھانے بجھانے کی کوشش کی بلکہ انہیں اس کا یہ رویہ ٹھیک لگتا تھا۔

"اچھا ہے اس طرح وہ اپنا فرسٹریشن نکال لیتا ہے، ہلکا ہو جاتا ہے۔" ماموں کہتے تھے۔

اسے اپنے غصے اور عتاب سے ڈرنے، کانپنے اور رونے والے نوکر اور ماتحت عجیب سا سکون دیتے تھے۔ اس کا احساس برتری جواں ہو جاتا تھا۔ اسے اپنی معذوری کا غم کچھ دیر کے لیے بھول جاتا جب ان لرزتے لوگوں پر اسے اپنی قوت کا احساس ہوتا۔ اس پل وہ خود کو طاقت ور محسوس کرتا جب وہ نظریں جھکائے، خوف سے پیلے پڑ رہے ہوتے۔

مسفرہ نے اسے یہ قوت کا احساس دیا نہ خود کو طاقت ور محسوس کرنے کا موقع۔ وہ اسے اول دن سے خائف دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر وہ نہ ڈر کے لرزتی کانپتی تھی نہ کبھی روئی گڑگڑائی۔ اس کے چیخنے چلانے کا بھی اس پر ویسا اثر نہیں ہوا جیسے دوسروں پر ہوتا تھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے میں اس وہیل چیئر سے اٹھ نہیں سکتا اس لیے تم محفوظ ہو؟" وہ اسے ڈرانے کی کوشش کرتا اور مسفرہ کو اس پر ترس آتا۔

وہ آدھی رات کو اسے کمرے سے نکال دیتا، وہ سوئی رہتی تو چیخ کے جگاتا اور کسی کام کا حکم دیتا، کھانے کی ٹرے الٹ دیتا مگر اس کو روتے کانپتے ڈرتے نہیں دیکھ سکا۔ اس کی آنکھوں کی بے خوفی اور چہرے کا سکون اس کی ضد بن گیا تھا کہ وہ اسے چھین کے رہے گا۔

جلد اس کی اس ضد نے اسے جارح بنا دیا۔ اب وہ چیزیں اس کے منہ پر مار دیتا، گرم چائے، کافی، کھانا اس کے ہاتھوں پیروں پر اچھال دیتا۔ ہر عمل اور حربے کے بعد اسے مسفرہ کی آنکھوں میں

اپنے لیے ترحم ہی دکھائی دیتا اور وہ آپے سے باہر ہو جاتا۔ چیخ چیخ کے سارا گھر سر پر اٹھا لیتا، جو ہاتھ آیا وہ سامان کمرے سے باہر پھینکتا، اس کا معمول بنتا گیا۔

"شادی اس لیے کی تھی کہ اس کی زندگی میں سکون اور ٹھہراؤ آئے گا مگر تم تو جانے کس بات کے بدلے لے رہی ہو میرے بیٹے سے۔" ممانی اٹھتے بیٹھتے سناتیں۔ ان کی اپنی مصروف سوشل لائف تھی۔ وہ کم ہی گھر میں ٹکتی تھیں۔ دن کا اچھا خاصا وقت کنیز اور وہ ہی گھر میں ہوتی تھیں۔

"تم ماں بیٹی کو تو فائیو اسٹار ہوٹل مل گیا مگر میرے بیٹے کو بیوی کا سکھ نہیں ملا۔"

ماموں اسے بٹھا کے سمجھاتے کہ اسے غصہ نہ دلایا کرو، اس کی ہر بات مان لیا کرو، اسے پیار اور توجہ دو۔ وہ سب کچھ سر جھکا کے خاموشی سے سن لیتی۔ اول اول اس نے کنیز سے سب چھپانے کی کوشش کی مگر ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے یہ ممکن نہیں تھا۔ اب جب وہ اسے کمرے سے نکال دیتا تو وہ دروازے کے باہر بیٹھے رہنے کے بجائے ماں کے کمرے میں جا کے سو جاتی۔ کنیز کی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ وہ مسفرہ کو دیکھ دیکھ کر کڑھتی رہتیں۔

ان سب کے بیچ ناظمہ اپنی زندگی میں مگن تھی۔ کبھی موقع ملتا بھی تو وہ ماں اور بہن کو سمجھانے بیٹھ جاتی۔ ان دونوں کا گھومنا پھرنا، موج مستی ہی ختم نہیں ہو رہی تھی۔ سال بھر بعد اس کی گود میں جڑواں بیٹے، عماد اور عباد آ گئے۔ ماموں ممانی صدقے واری جاتے۔ اب وہ ان کی پسندیدہ بہو ہو گئی تھی۔

مہروز ان سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ اکثر ان کے ساتھ اکرم بھی ہوتا۔

ایسے ہی ایک دن کنیز کے کمرے میں انہیں چائے دیتے ہوئے اس کی جلی کلائی اکرم نے دیکھ لی۔

"یہ کیسے جلا ہے؟" وہ کافی لمبا نشان تھا۔

"وہ گرم پانی گر گیا تھا۔" اس نے دھیرے سے کہتے ہوئے آستین کھینچ کے داغ چھپا لیا۔

یہ پہلا زخم تھا جو اس نے دیکھا۔ اس کے بعد ان کا شمار نہیں تھا۔

"امی، آپ سمجھاتیں کیوں نہیں خالہ کو۔ وہ انسان ساتھ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اب تو ناظمہ کے بچے ہیں، وہ دونوں واپس اپنے گھر آ جائیں تو بھی کچھ نہیں ہوگا۔"

"اتنا تو سمجھاتی ہوں ہر دفعہ لیکن وہ اکیلی عورت اب ڈرتی ہے کہ جوان بیٹی کو لے کر کیسے رہے گی جب کہ کوئی مضبوط سہارا بھی نہیں ہے۔ سب ہی نے آنکھیں پھیر لی ہیں۔" کنیز اب واہمی ہو گئی تھیں۔ وہ مسفرہ کو لے کر تنہا رہنے سے ڈرتی تھیں۔

اس نے خود مسفرہ سے بات کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے یہاں کوئی تکلیف نہیں ہے نہ کسی سے شکایت ہے، تم پریشان نہ ہو۔" اس نے بات ہی ختم کر دی۔

وہ اسے اپنی قسمت سمجھ کے قبول کر چکی تھی۔ ناظمہ، اکرم، آہ، بددعا، ٹھکرانا، سزا جیسے الفاظ بھولتی نہیں تھی۔ جب عاکف کی کوئی زیادتی، نیا زخم اس کے سامنے آتا وہ کہیں نہ کہیں سے یہ ذکر، یہ اشارہ نکال لیتی تھی۔ اور اسے وہ سب حساب برابر لگتے۔

وہ اکثر خود سے سوال کرتی۔

"کیا واقعی یہ اس کا دل توڑنے کی سزا ہے؟"

لیکن دل کبھی نہ مانا کہ اکرم نے اسے بددعا دی ہوگی۔

"دل سے نکلی آہ تو بددعا اور الفاظ کے بنا بھی لگ جاتی ہے۔" خیال آتا اور دل مان بھی جاتا کہ اس کی آہ لگی ہے۔

"لیکن میں غلط کہاں تھی؟ اس نے میری مرضی پوچھی تھی اور میں نے سچ کہا تھا۔"

اسے نہ وہ خود غلط لگتی نہ اکرم کی بددعا کا یقین آتا تھا پھر بھی جب جب وہ ناظمہ کی باتیں سنتی، اس کا یقین ڈول جاتا۔

اپنے غصے، ضد اور نفرت نے عاکف کو اسپتال



Scanned with CamScanner

پہنچا دیا۔ اس کا فشار الدم سنگین حد تک اوپر رہنے لگا تھا۔ ڈاکٹروں نے کئی احتیاطیں بتائیں، دوائیں دیں اور گھر بھیج دیا۔ گھر میں مسکرہ کا نیا امتحان تھا۔ اب ماموں ممانی بھی اس کے پیچھے ہوتے۔ عاکف کا بگڑا مزاج، اونچی آواز، غصہ، ان کے نزدیک ان سب کی وجہ وہ ہی ہوتی اور اسے شوہر کے بعد ان کی باتیں بھی سننا پڑتیں۔ کنیز اس کی طرف داری کرتیں تو بات تلخ کلامی پر ختم ہوتی اور کنیز کمرے میں آکر رونے لگتیں۔ وہ کوشش کرتی کہ کنیز اس معاملے میں بولیں ہی نہیں۔

اس کے بعد عاکف چند دن گھر میں رہتا اور پھر کئی دنوں کے لیے اسپتال میں داخل کرنا پڑتا۔ اس کے امراض اور پیچیدگیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ اسپتال کے قیام دنوں سے ہفتوں اور کبھی کبھی مہینوں میں ڈھل گئے۔ اسے پتا ہی نہیں چلا کس طرح چار سال گزر گئے، جن میں تین سال اس نے عاکف کے ساتھ اسپتال اور گھر کھیلتے ہوئے بتائے تھے۔

اس دوران ناظمہ کے بچے بڑے ہو گئے تھے۔ وہ زیادہ نانی کے پاس رہتے تھے۔ ناظمہ اور آصف کی الگ ہی دنیا تھی۔ ان کے معمول اور زندگی کا لطف لینے کی رفتار میں کوئی بات رکاوٹ نہیں بنی تھی۔ آصف نے جانے کیا شرط رکھی تھی کہ اب ماموں ممانی اسے کچھ نہیں کہتے تھے۔ کبھی وہ کوشش کرتے بھی تو آصف انہیں یاد دلاتا اور وہ چپ ہو جاتے۔

ڈاکٹر نے عاکف کے امراض کی پیچیدگیاں سمجھاتے ہوئے انہیں کسی بھی انہونی کے لیے تیار رہنے کہا تھا اور ایک دن وہ انہونی ہو ہی گئی۔

عاکف کی وفات کے بعد چوں کہ اب وہ "فارغ" تھی لہٰذا اس کی مصروفیت کے خیال سے ناظمہ نے بچوں کی مکمل ذمہ داری اسے سونپ دی۔ وہ بھی خالی بیٹھ کے بے زار ہو جاتی تھی اس لیے یہ مصروفیت اسے بری نہیں لگی۔ ممانی کا رویہ اس کے ساتھ یوں تھا گویا ان کے بیٹے کی قاتل وہی ہے۔

کنیز کو اب بھابھی کی باتیں برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ وہ بھی جواب دیتیں تو اچھی خاصی لڑائی ہو جاتی۔ ایسے میں جب ناظمہ آ کے انہیں ہی سمجھاتی تو وہ اور بگڑ جاتیں۔

اب غصہ بھی وہ الٹا سے انہیں کہنے لگی تھی کہ وہ مسکرہ کو لے کر گھر چلی جائیں۔ اس کی مجبوری یہ تھی کہ وہ آ نہیں سکتی تھی اور دور بیٹھ کے پریشان ہونے کے ساتھ ساتھ مشورے ہی دے سکتی تھی۔

ان کے اور بھابھی کے آئے دن کے جھگڑوں کے بعد مہروز کا اصرار بھی بڑھ گیا تھا۔ مسکرہ کو بھی اندازہ ہو گیا تھا کہ ممانی عاکف کے بعد انہیں گھر میں رکھنا نہیں چاہتیں، جب کہ ناظمہ کا مفاد ان کے وہیں رہنے میں تھا۔ گزرے وقت میں اس نے کافی گتھیاں سلجھائی تھیں۔ اسے ناظمہ کا مزاج سمجھ میں آیا تو اس کی اپنی کئی الجھی سوچیں، غلط خیال صحیح ہو گئے تھے لیکن اس کی ترجیح ماں تھی۔ ناظمہ کو پروا نہیں تھی اور جسے پروا تھی وہ پردیس میں تھی، واحد بچی وہ۔

جب سب جگہ سے ایک ساتھ کنیز پر ایک ہی بات کا دباؤ پڑا تو انہوں نے بھی مثبت سوچنا شروع کیا کہ وہ دو عورتیں بھی اپنے گھر میں محفوظ رہ سکتی ہیں۔ پھر بھی انہوں نے فیصلہ کرنے میں سال ڈیڑھ لگا دیا تھا۔

ناظمہ نے سنا تو انہیں لاکھ سمجھایا، قائل کرنے کی کوشش کی کہ ان کا ماموں کے ساتھ رہنا بہتر ہے مگر وہ نہیں مانیں۔ اکرم نے اتنے دن سے بند پڑا مکان کھول کر صاف صفائی کی۔ کچھ دن تک وہ اور مسکرہ گھر جا کے تھوڑا تھوڑا کام کر کے اسے رہنے لائق بناتی رہیں اور جب وہ تیار ہو گیا تو وہ اپنا سامان لیے ادھر منتقل ہو گئیں۔

اپنی آزادی اور خود مختاری حاصل ہوتے ہی دونوں کی زندگی اس معمول پر آ گئی تھی جس میں سکون تھا۔ ناظمہ اب بھی بچوں کو اس کے پاس چھوڑ جاتی تھی۔ بچے بھی کم عمری سے ماں باپ کے بنا رہنے



Scanned with CamScanner

کے عادی تھے۔ یہاں آنے کے بعد مہروز کے ساتھ اکرم کا آنا جانا اور ان کا آمنا سامنا اور کبھی کبھار کی بات چیت بھی بڑھ گئی تھی۔

ایک بار پھر ناظمہ بچوں کو لیے حاضر تھی۔ وہ اور آصف دبئی جا رہے تھے اور تب تک بچے اس کے پاس رہنے والے تھے۔

کنیز نے اس بار ناظمہ کو بھی آئینہ دکھانے کی کوشش کی۔

"امی، میری سسرال میں ہے ہی کون؟ ایک جیٹھانی وہ بھی یہاں ہے۔ ایسے وقت میں گھر والے نہیں تو کون کام آئے گا۔ ویسے بھی دادی کی بہ نسبت مائیں نانیوں پر زیادہ اعتبار کرتی ہیں۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کچھ دن رونق رہے گی گھر میں۔ مسفرہ کے اپنے بچے نہیں مگر میں اسے کچھ دن بھانجوں پر محبت لٹانے کا موقع تو دے سکتی ہوں نا۔" وہ اسے بھی اپنا احسان بتا گئی تھی۔

☆☆☆

بچوں کی لڑائیوں نے ان دونوں کو تنگ کر دیا تھا۔ وہ بھی پہلی بار اتنے دنوں تک والدین سے دور تھے اس لیے بھی چڑچڑے ہو رہے تھے مگر والدین کو اس کا خیال نہ تھا۔

مہروز کافی دن سے آئی نہیں تھیں کہ گھر میں کام چل رہا تھا جو اب اختتامی مراحل میں تھا۔ اس دن کے بعد سے اکرم بھی نہیں آیا تھا۔

آخر ناظمہ ایک دن آ ہی گئی۔ مسفرہ نے اس کے آنے کی خبر سنتے ہی بچوں کا سامان باندھ دیا تھا۔

"سنا ہے اکرم بھائی کی شادی ہو رہی ہے۔" وہ جانے کیوں بھولتی نہیں تھی۔ مسفرہ کی زندگی کا سب سے بڑا پچھتاوا اس سے یہ بات کہتا تھا۔

"خالہ دونوں بیٹوں کی ایک ساتھ کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں۔" کچھ دیر بعد اسے کہنا پڑا کہ وہ مسلسل اسے جواب طلب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ویسے تمہیں خیال تو آیا ہوگا نا کہ اب تم پھر اویلیبل ہو تو اکرم بھائی نے یہاں رشتہ کیوں نہیں بھیجا؟"

وہ جانے سوچتی بھی تھی یا بس یدھا بولتی ہی تھی۔ مسفرہ نے حیرت سے اسے دیکھا پھر سکون سے کہا۔

"نہیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا۔"

"ہاں وہ موو آن کر چکے اسی لیے تو شادی کر رہے ہیں یا شاید وہ اب تک اسی لیے رکے ہوئے تھے کہ صحیح وقت پر تمہیں دکھا سکیں۔"

"کیا مطلب؟"

"اب وہ تمہیں جلانے اور دکھانے کے لیے کر رہے ہیں نا۔ تم سے چھوٹی، زیادہ خوب صورت لڑکی سے شادی کر کے دیکھو تم مجھے ٹھکرا کے کہاں ہو اور میں کہاں!"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" مسفرہ نے بیزاری سے کہا۔

"تم ناس نا پک پر سوچنا بند کر دو۔" وہ گھما پھرا کے یہی سب سن سن کے اس قدر اکتا گئی تھی کہ اب غصہ بھی نہیں آتا تھا نہ اس کو جھٹلانے کا دل کرتا تھا۔

"ہاں میں بھی جانے کیوں بار بار یہ ذکر چھیڑ دیتی ہوں، چہ!" اس کا انداز خود کلامی سا تھا۔

"تمہیں تو خود ہی اپنے کیے کا خوب احساس ہے۔"

"اپنے کیے کا؟ کیا کیا میں نے؟" وہ بحث نہیں چاہتی تھی مگر ناظمہ کا انداز اس قدر اسے چبھا کہ وہ پوچھ بیٹھی۔

"اکرم بھائی کو انکار، ان کا جو دل توڑا تھا تم نے ان کی غریبی کی وجہ سے۔ اب تمہیں انہیں دیکھ کے افسوس ہوتا ہوگا اب تو ان کے حالات اس گھر سے کئی گنا بہتر ہیں۔ اتنی سزا بھی تو بھگت لی اس کی۔ تمہیں تو ہر لمحہ یاد آتا ہوگا نا کہ انہیں ہاں کہہ دیتیں تو یہ سب نہ ہوتا۔ نہ منگنی ٹوٹتی نہ، عاکف بھائی سے شادی ہوتی نہ اتنا سب سہنا پڑتا نہ آج تم بیوہ وہ بھی بے اولاد بیوہ ہوتیں۔" وہ بڑی سہولت سے عاکف سے شادی میں اپنا کردار حذف کر گئی تھی۔

اس نے ناظمہ کو ہمیشہ بہن اور وہ بھی چھوٹی، ناسمجھ، نادان بہن ہونے کا بہت مارجن دیا تھا۔ وہ اس کے رویے کی وجہ کافی پہلے جان گئی تھی مگر اندر کا لاوا اس وقت باہر ابلا تھا۔

"تمہیں پتا ہے مجھے کون سا خیال بار بار آتا ہے۔؟ اگر تم اپنی محبت کے پیچھے اندھی نہ ہوتیں، خودکشی کی کوشش نہ کرتیں میری اور امی کی زندگی ان سب پریشانیوں اور دکھوں سے پاک ہوتی جو ہم نے تمہاری سسرال میں جھیلے۔؟" ناظمہ تلملا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس نے منہ کھولا مگر مسفرہ نے اسے بولنے نہیں دیا۔

"میری زندگی سزا نہیں تھی، کسی کی بددعا بھی نہیں بلکہ یہ تمہاری خودغرضی کی نذر ہوگئی تھی۔ تم جتنا بھی مجھے گلٹی فیل کرانے کی کوشش کرو۔ میں جانتی ہوں میں نے کسی کے ساتھ غلط نہیں کیا ہے۔ جس کی سزا کے طور پر میری زندگی ایسی مشکل کردی جاتی۔

جو میرے ساتھ ہوا وہ سزا نہیں، یہ میری آزمائش تھی بلکہ یہ ہم دونوں کی آزمائش تھی کہ ہم اپنی ماں اور بہن کے لیے کیا کرتی ہیں۔ تم نے کیا کیا؟ ہماری بات مانی یا آصف کو منایا یا اپنی ضد چھوڑی؟ تم ہمارے لیے کچھ نہ کرتیں تو بھی اچھا تھا مگر تم نے اپنی خوشی کے لیے ہم دونوں سے ہماری خوشی اور مرضی والی زندگی چھین لی۔

میں بھی اس وقت اکثم سے شادی کرسکتی تھی، میں اکثم سے ایک لفظ کہتی اور وہ سب سنبھال لیتا، امی ممانی کو جواب دیتیں کہ میرا اور اکثم کا رشتہ تو کب سے طے ہے، اب شادی کی تاریخ بھی طے ہوچکی۔ لیکن اگر یہ سب ہوتا تو تم کیا کرتیں؟ تم سے کچھ بعید نہ تھا تم گھر سے بھاگ جاتیں، کورٹ میرج کرلیتیں، دوبارہ خودکشی کی کوشش کرتیں یا ایسا ہی کچھ جو پاپا کی، اس گھر کی عزت مٹی میں ملا دیتا، امی یہ سب دیکھ کے جیتے جی مر جاتیں کیونکہ تمہیں امی کا خیال تھا نہ میرا۔

جسے تم میری سزا بنانے پر تلی ہو وہ تمہارا امتحان تھا جس میں تم نے بے حسی اور خودغرضی سے پورے حق نمبر لے کر تا کام ہوئی ہو پھر بھی تم اپنا گلٹ مٹانے ہیشہ مجھے احساس جرم میں مبتلا کرتی رہی ہو تمہارے ہاتھ اکثم والی بات کیا لگی تم نے اسے۔"

"تم یہ سب۔" ناظمہ نے اس سے اونچی آواز میں کہنا چاہا تاکہ مسفرہ کی آواز دب جائے۔

"چپ! بالکل چپ رہو۔" مسفرہ نے اس کے پاس آکے چبا کے کہا۔

"آئندہ مجھے میری غلطیاں اور اکثم کی بددعائیں یاد دلانے کی بھول مت کرنا۔ ساری محبتیں تمہاری طرح نہیں ہوتیں۔ اکثم مجھے بھی بددعا نہیں دے سکتا اور اس کی وجہ ہی جذبہ ہے جس کا تمہیں دعویٰ ہے۔ مگر تمہارے اس جذبے نے میری زندگی میں عاکف کو دھکیلا، چار سال تماشا دیکھا، اپنی ماں کی طرف سے نظریں پھیر لیں، جب کہ اکثم۔

وہ آج بھی میری بھلائی، میری خوشی چاہتا ہے اور اس وقت میرا انکار اکثم کو کھلتا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ پیار محبت کا ڈرامہ کر کے، وعدے کر کے راستہ نہیں بدلا تھا میں نے۔ اس نے اپنی پسند کا اظہار کیا، میری مرضی جاننا چاہی اور میں نے اپنی پسند، اپنی مرضی کا اظہار کیا یہ دونوں کے لیے بات وہیں ختم ہوگئی تھی۔ اس نے رجیکشن کو میرا دشمن بننے یا مجھ سے انتقام کی وجہ نہیں بنایا مگر تم نے بنا دیا۔ وہ آج بھی ویسا ہے جیسا میرے انکار سے پہلے تھا لیکن اس بات کو ریزن بنا کے تم نے مجھے۔" وہ درست لفظ کی تلاش میں ذرا رک گئی۔

"مجھے ٹارچر کیا ہے، اپنی خودغرضی چھپانے کی کوشش کی ہے اور مجھے باور کراتی رہیں کہ میرے ساتھ جو ہو رہا ہے، اس انکار کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ مجھے میرے لالچ اور غرور کی سزا مل رہی ہے، میں یہی ڈیزرو کرتی ہوں۔

ہماری تکالیف ہمیشہ دوسروں کی آہوں



Scanned with CamScanner

بددعاؤں کا نتیجہ نہیں ہوتیں۔ ہمیں اس وقت اپنے اندر اپنے آس پاس دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ہمارے کردار اور حوصلے کی آزمائش کا وقت ہوتا ہے جو دوسروں کو الزام دینے میں، ہم گنوا دیتے ہیں۔"

اس نے مشکل سے خود کو مزید بولنے سے روکا اور پیچھے جا کے بیگ گھسیٹ کر اس کے سامنے کیے۔

"سامان لو اور جاؤ۔ آئندہ کہیں جاؤ تو عباد اور عماد کو بھی ساتھ لے جانا۔ ہمیں جب ان کی یاد آئے گی ملنے آجائیں گے یا خود ہی لینے پہنچ جائیں گے۔"

ناظمہ غصے میں منہ کھولے پیچ و تاب کھا رہی تھی۔ مسفرہ دروازے سے باہر نکلی اور ہال سے گزر کے کھلی ہوا میں سانس لینے کے لیے صحن میں آگئی۔

اس نے ایک ہاتھ کمر پر اور دوسرا سینے پر رکھ کے گہرے سانس لیے۔ وہ ناظمہ کا مزاج آج نہیں بہت پہلے جان گئی تھی۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا تھا جو ہمیشہ دوسروں کو کسی نہ کسی احساس جرم میں مبتلا کر کے تسکین حاصل کرتے ہیں۔ ایسا نہیں ہوتا کہ انہیں اپنی غلطیاں، خطائیں دکھائی نہیں دیتیں یا وہ سمجھتے نہیں ہیں، وہ سب جانتے ہیں اور کوئی انہیں اس کا احساس کروائے یا خود ان کا ضمیر ملامت کر کے جینا مشکل کر دے، اس سے قبل وہ دوسروں کو ان کی خود کی نظروں میں مجرم بنا دیتے ہیں۔

بچے نانی کے کمرے میں تھے۔ وہ انہیں باہر بلانے کے ارادے سے واپس جانے کو پلٹی اور پیر زنجیر ہو گئے۔ پیچھے کیاری کی دیوار پر اکرم بیٹھا تھا۔ وہی کیاری جو اس کے کمرے سے لگ کے تھی، جہاں اس کے کمرے کی کھڑکی کھلتی تھی۔ وہ یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے مڑنے کے بعد بھی اس نے نگاہ ہٹائی نہ اپنی جگہ چھوڑی۔ اسے لگ رہا تھا آج اس نے مسفرہ کو مکمل ڈی کوڈ کر لیا ہے۔ سارے گلے دم توڑ گئے تھے، ساری گرہیں کھل گئی تھیں۔

"تم کب آئے؟" آخر وہ ہی خود کو سنبھال کے ہوش میں آئی اور سرگوشی سی آواز میں پوچھا۔

"کافی وقت ہو گیا ہے مجھے آئے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ پر اعتماد تو وہ ہمیشہ تھا لیکن اس وقت مسفرہ کو اس میں کوئی نیا، الگ سا اعتماد، یقین، یا استحقاق محسوس ہو رہا تھا۔

وہ جاننا چاہتی تھی کہ اس نے کیا کچھ سنا ہے مگر کیسے پوچھتی۔

"یہاں۔ ادھر کیوں بیٹھے ہو، اندر آجاؤ۔ میں۔ میں امی کو بلاتی ہوں۔" وہ اپنی سٹپٹاہٹ اور گھبراہٹ پر قابو پاتی اندر چل دی۔

وہ امی کے کمرے میں جاتی اس سے پہلے ہی ناظمہ بچوں کو گھسیٹتے ہوئے ہال میں آ رہی تھی۔

"ارے ہوا کیا ہے؟ بتاؤ بھی، ذرا سکون سے بیٹھو تو۔ کھانا کھا کر جانا رات میں۔"

"میں نے اوبر بک کر لی ہے، آرہی ہے پانچ منٹ میں۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ اسی وقت اکرم نے اندر آ کر سلام کیا۔

"اکرم چھوڑ دے گا تمہیں۔" سلام کا جواب دے کر انہوں نے اکرم کو دیکھا۔

"نہیں، میں چلی جاؤں گی، اوبر آگئی ہے میری۔"

مسفرہ وہاں رکی نہیں، وہ اپنے کمرے میں آگئی تھی۔

اس کی باتوں کی وجہ سے وہ بھی اسے اپنی سزا سمجھ کر خود اذیتی کا شکار رہی تھی۔ عاکف کے ساتھ پہلا سال بہت مشکل تھا اور اس دوران وہ پوری طرح ناظمہ کی باتوں کی وجہ سے اپنی اس زندگی کو بطور سزا قبول کر چکی تھی۔

اکرم نے اس شادی سے قبل ہی اسے اس جہنم سے بچانے کی کوشش کی تھی۔ وجہ جو بھی تھی، اس کا خلوص اس وقت تو واقعی اس نے ٹھکرایا تھا۔ وہ خود کو ان سب کا مستحق سمجھ رہی تھی۔

اس کے ساتھ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ وہ خود سے یہ سوال کرتی تھی اور اس کا جواب دینے صرف ناظمہ موجود تھی۔

وہ اکرم کے سامنے بھی شرمندہ رہتی، اس سے



Scanned with CamScanner

نظریں نہیں ملاتی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس نے اکرم میں اپنے لیے فکر مندی دیکھی۔ اسے اس حال میں دیکھ کے ایک مطمئن سی جاتی مسکراہٹ بھی اس کے چہرے پر نہیں آئی تھی۔ وہ اکیلی، جوان لڑکی تھی جو شوہر کے مظالم کے ساتھ کسی بھی قسم کی جذباتی وابستگی اور ازدواجی زندگی کی آسودگیوں سے دور تھی۔

وہ اسے کئی طریقوں، حربوں سے استعمال کر سکتا تھا، کئی انداز سے اپنا انتقام لے سکتا تھا۔ لیکن اس نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ اس مشکل وقت میں اکرم کے رویے نے ہی آہستہ آہستہ اسے فاطمہ کا رویہ اور اپنے حالات سمجھنے میں مدد دی تھی۔

کنیز اس سے پوچھتی رہیں کہ فاطمہ کو کیا ہوا ہے جو اس طرح چلی گئی مگر اس نے 'پتا نہیں' کے علاوہ دوسرا جواب نہیں دیا۔

☆☆☆

اکرم پھر اسی دوراہے پر تھا۔ ایک بار پھر مہروز کو جواب دینے سے پہلے اسے مسفرہ سے جواب لینے کا دل کر رہا تھا۔

ان کے گھر کا کام ختم ہونے کے بعد اب کنیز کے مکان کا رنگ بھی مکمل ہونے والا تھا۔ وہ کئی بار وہاں گیا مگر کام کے علاوہ مسفرہ سے کوئی اور بات نہ ہو سکی تھی۔

مہروز نے اسے الٹی میٹم دے دیا تھا کہ اس لڑکی کا ایڈریس دو نہیں تو وہ ذنیرہ کے یہاں جا کے سیدھا شادی کی تاریخ طے کر آئیں گی۔

آخر اس نے فون اٹھایا۔ ایک بار مسفرہ سے بات کرنا ضروری تھا۔

وہ بہت دیر سوچتا رہا پھر لکھ کر مٹاتا رہا۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔"

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟"

"ہمیں ایک بار ایمان داری سے ایک دوسرے کو سننے کی ضرورت ہے۔"

"اگر تم تیسری بار ریجیکٹ نہ کرنے کا وعدہ کرو تو میں ایک بار پھر قسمت آزمانا چاہتا ہوں۔"

"کیا تم تیسری بار بھی ریجکٹ کر دو گی؟"

باہر سے مہروز نے اسے پکارا اور آخری لکھا جملہ ڈیلیٹ کے بجائے سینڈ ہو گیا۔

"ڈیم!" وہ گڑبڑا کے کھڑا ہو گیا۔ فوراً ہی بلیو ٹک ابھری اور اس کا دل تھمنے لگا۔ جس لمحے سے وہ خوف زدہ تھا وہ کسی بھی پل حقیقت میں ڈھلنے والا تھا۔

"اب چلو بھی، میں کب سے تیار بیٹھی ہوں۔"

ان کی جھنجلائی آواز کے ساتھ وہ بھی دروازے میں نمودار ہوئیں تو وہ فون جیب میں رکھتا کھڑا ہو گیا۔

"چلیں۔"

وہاں پہنچنے کے بعد وہ دونوں سہیلیاں ڈائریاں کھولے شادی کی تاریخ اور تیاریوں کا حساب کتاب کر رہی تھیں۔

وہ کچھ دیر ان کے ساتھ بیٹھا رہا پھر اٹھ کے باہر آ گیا۔

دیکھ لینے کے بعد بھی اس نے ابھی تک جواب نہیں دیا تھا۔

وہ اسے فون کرنے سے پہلے کیاری کی دیوار پر بیٹھا تو سارا ماضی آنکھوں کے سامنے گویا 'فاسٹ فارورڈ' میں گزر آ گیا۔

پتا نہیں کب وہ ہنستی مسکراتی شوخ سی لڑکی اسے اتنی عزیز ہو گئی تھی مگر پہلی خاموش محبت کا تجربہ بڑا دلنشین تھا۔ ملازمت ملتے ہی اسے پہلا خیال یہ ہی آیا کہ اب امی کو بتا دینا چاہیے۔ جانے کیوں اسے یقین تھا کہ سب کچھ ویسا ہی ہو گا جیسا وہ چاہتا ہے۔

اس کا جواب خلاف توقع تھا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔ اسے پہلے سن کر بھی یقین نہیں آیا۔ پھر اسے دکھ ہوا تھا۔

"وہ کئی دن دنیا سے بے زار رہا۔ اس کا دل کرتا نوکری چھوڑ دے، کچھ نہ کرے، ساری دنیا سے چھپ کے گھر بیٹھا رہے۔ پہلی محبت اور پہلے قدم پر ہی ناکامی، جھیلنا آسان نہیں تھا۔ اس کا دل اسے راہ پر لانے کو سمجھاتا رہتا۔



Scanned with CamScanner

"وہ تمہارا مذاق بھی بنا سکتی تھی، تمہیں تمہاری اوقات بھی یاد دلا سکتی تھی لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ تم نے اس کی مرضی جاننا چاہی اور اس نے وہی بتائی۔"

زندگی آسان نہیں تھی اور ذمہ داریاں بھاری تھیں۔ محبت میں ناکامی کی وجہ سے جب بے توجہی اور سستی کا خمیازہ دفتر کے کام میں سستی اور اعلیٰ حکام کی ڈانٹ کی صورت سامنے آیا تو جلد اسے کام پر توجہ دینی پڑی۔

وہ یہ ملازمت نہیں کھو سکتا تھا۔ اس کے پاس یہ دکھ منانے اور اسے روگ بنانے کی فرصت اور مراعات نہیں تھیں۔ جلد اس نے خود کو سمجھا لیا، مصروف کر لیا۔ مگر مسفرہ کی زندگی میں مشکلیں آتی گئیں۔

اس کے والد کی وفات کے بعد منگنی ختم ہو جانے پر دل نے اکسانے کی کوشش کی مگر جب وہ اس کے ساتھ زندگی گزارنا ہی نہیں چاہتی تھی تو پھر سے خود کو پیش کرنا اپنی بے وقعتی تھی۔ جب اس کا دل راضی نہیں تو وہ اسے کیسے حاصل کر سکتا تھا۔

اسے ایک غلط فیصلے سے بچانے کے لیے اس نے پھر خود کو آگے کیا کہ یہ صورت حال منگنی ختم ہو جانے سے مختلف تھی۔ اس دفعہ وجہ الگ تھی مگر جواب وہی تھا۔

سر جھٹک کے اس نے ان یادوں کو پیچھے دھکیلا اور ایک گہرا سانس لے کر فون روشن کیا۔ وقت سب کچھ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے تو پھر وہ بھی بدل سکتی ہے۔ اس کی خواہش، اس کی سوچ، اس کا دل بھی بدل سکتا ہے۔ وہ کال ملانے ہی لگا تھا کہ پیچھے کھڑکی سے مسفرہ کی دھیمی آواز آئی۔

"تم مجھے ناپسند تب بھی نہیں تھے۔" اثم تھم گیا۔

"میرے وہ خواب پورے نہیں ہوئے۔ جن میں تم نہیں تھے۔" وہ رک گئی۔

اثم یونہی بیٹھے بیٹھے پیچھے مڑا۔ کھڑکی کی آڑی سلاخوں کے پیچھے وہ کھڑی تھی۔ چہرہ سامنے تھا اور اس کی آنکھیں بھری تھیں۔ وہ اپنے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے بول رہی تھی۔

"دوبارہ خواب دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا مجھ میں مگر اب۔" اس نے پلکیں جھپکائیں اور آنسو گالوں پر پھسل پڑے جنہیں اس نے فوراً انگلیاں پھیر کے غائب کیا۔

"اور اب؟" اثم کی آواز بس اس نے سنی۔ وہ رونے لگی تھی۔ اس نے پھر آنسو پونچھے۔ آنکھیں اس کے قابو میں نہیں آ رہی تھیں۔

"تم اکیلے نہیں ہو جسے ریجیکٹ ہونے کا ڈر ہے۔" اس نے بڑی ہمت سے آخر کہہ دیا۔ جو تکلیف دو دفعہ اس نے اثم کو دی تھی، اس کا مداوا اس پر فرض تھا تو وہ کیوں ایک بار پھر اثم کو سوالی بننے دیتی!

"تم پوچھ کے تو دیکھو!" اثم کے چہرے پر خفیف سا تبسم ظاہر ہوا۔ جانے کتنے زمانوں بعد وہ دل سے مسکرایا تھا۔ مسفرہ نے اسے دیکھا۔

"اگر میں کہوں، مجھے کوئی اعتراض نہیں تو کیا تم اب بھی مہروز خالہ سے بات کرو گے؟" وہ پھر آٹھ سال پہلے کی طرح سرخ ہو گئی تھی مگر وجہ اس دفعہ نئی تھی، وہ خود نئی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف رخ کیے کھڑا ہو گیا۔

"ہاں مسفرہ۔" اس کی دھیمی آواز میں سکون تھا، قرار تھا۔

کتنا آسان تھا سب۔ مگر کس قدر مشکل کے بعد وہ اس مقام پر پہنچے تھے جہاں یہ آسانی ملی تھی۔

"اثم! کہاں چلے گئے؟" اندر سے مہروز کی آواز آئی۔

"تم بھی سننا چاہتی ہو تو آؤ۔" اس نے شرارت سے کہا اور ہال میں چلا گیا۔ وہ پھر ان کے جانے تک ہال میں نہیں گئی۔

لیکن اثم نے وہاں بات نہیں کی تھی۔ گھر آنے کے بعد مہروز کو بتایا۔ وہ حیران سی خاموش منہ کھولے اسے سن رہی تھیں۔



Scanned with CamScanner

آٹھ سال پہلے یہ بات آسان تھی۔ وہ سن کے بھولے نہ سہی مگر اس وقت وہ خود سمجھ نہیں پا رہی تھیں کہ کیا ردعمل دیں، یا انہیں یہ جان کر کیسا لگ رہا ہے۔

کئی بار ان کے دل میں بھی یہ بات آئی تھی لیکن وہ بیٹی کو مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھیں کہ ان میں فرق تھا اور لوگ بیٹیوں کے لیے ہمیشہ بہتر ہی دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ بھی سچ تھا کہ منگنی ٹوٹنے اور عاکف والے معاملے کے بعد پھر انہیں یہ خیال بھی نہیں آیا تھا۔

انہیں مسفرہ اپنے بچوں کی طرح عزیز تھی مگر وہ ان کے سفید پوشی کے دنوں میں، ان کے بیٹے کو ٹھکرا چکی ہے یہ بات تیر کی طرح ان کے دل کو لگی تھی۔

"عاکف سے شادی کے وقت بھی میں نے کہا تھا لیکن اس نے تب بھی منع کر دیا تھا۔"

"تب کیوں منع کیا؟"

"اس وقت شاید وہ ناظمہ سے خوف زدہ تھی کہ وہ خودکشی کے بعد کچھ ایسا نہ کر بیٹھے جو خالو کی عزت اور خاندان کا نام داغ دار کر دے اور جب تک ناظمہ کا معاملہ سیٹل نہیں ہوتا خالہ کی طبیعت بھی صحیح نہیں ہوتا تھی۔" تیر کا زخم کچھ مندمل ہونے لگا۔

انہیں عاکف کی زیادتیاں، ظلم، اس کے زخم اور داغ دار ہاتھ یاد آ گئے۔ دل پگھلنے لگا۔

☆☆☆

کنیز پر تو سنتے ہی شادیِ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ انہوں نے پہلی فرصت میں حفصہ کو فون لگایا۔ جو ان سے زیادہ خوش ہوئی۔ ناظمہ کا ردعمل طنزیہ تھا۔

"اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد تمہیں عقل آ ہی گئی۔ بے چارے اکرم بھائی!" وہ اب بھی باز نہیں آئی تھی۔

"تم اب ان کے ساتھ سمجھوتہ کر رہی ہو تو پہلے ہی کر لیتیں۔ کم از کم وہ بے چارے تب دل سے خوش تو ہو سکتے تھے۔"

مسفرہ اب اسے کوئی ردعمل نہیں دے رہی تھی۔ یہ اس کا مزاج اور عادت بن گئی تھی وہ اپنے سارے غلط اقدام شاید اسی طرح بھول جاتی تھی۔

حفصہ بھی شوہر اور بچوں کے ساتھ شادی میں شریک ہوئی تھی۔

وہ اس سے پہلے بھی دلہن بنی تھی مگر وہ خود کو پہلی دفعہ دلہن محسوس ہو رہی تھی۔ اکرم سے زیادہ خوش اور مطمئن آج کوئی نہیں تھا۔ عرصے بعد اس کے اندر قرار تھا۔ مسلسل رہنے والی بے چینی، بے کلی ندارد تھی۔ جتنا طویل اس نے تنہا سفر کیا تھا، اس نے اس کے اندر سے بے صبری ختم کر دی تھی۔ اظفر اور اس کی دلہنیں ان کی محبوبائیں تھیں مگر جو شوخی، بے قراری، بے صبری، بے خودی، اظفر کے انگ انگ سے چھلک رہی تھی وہ اکرم میں نہیں تھی۔ وہ بردبار، پروقار اور شانت سا دولہا تھا۔

"اکرم بھائی کو دیکھو! لگ رہا ہے یہ اپنی پہلی اور اتنے سال پرانی محبت پانے والا انسان ہے؟ انہیں بھی پتا ہے تم نے کمپرومائز کیا ہے۔" ناظمہ اس کے کان میں کہنے آئی تھی۔ اسے امید نہیں تھی مگر دلہن بنی مسفرہ نے اس کی کلائی اتنی مضبوطی سے پکڑی کہ چوڑیاں ٹوٹ گئیں۔

"آئندہ اکرم اور میرے پاسٹ کے بارے میں بلکہ ہمارے بارے میں تم سے ایک لفظ نہ سنوں ورنہ میں سب کو بتا دوں گی کہ تم نے صرف چند نیند کی گولیاں کھائی تھیں۔" اس کی گرفت سے زیادہ سخت اس کا لہجہ تھا۔

اسپتال میں 'اسٹمک واش' کے بعد جب ڈاکٹر نے اسے بتایا تو وہ بے جان ہوتی ٹانگوں کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔ حقیقتاً خودکشی کی کوشش سے بڑا صدمہ یہ تھا۔ اس کے نزدیک ان دونوں کی اہمیت بس اتنی تھی۔ اس طرح منصوبہ بند طریقے سے سوچ سمجھ کر حساب کتاب کے بعد خودکشی کا ڈرامہ بے حسی اور خود غرضی کی انتہا تھا۔ یہ سارے راستے بند ہونے کی مایوسی نہیں بلکہ اپنی منزل پانے کا راستہ تھا۔ وہ جان



Scanned with CamScanner

گئی تھی کہ وہ ہر حال میں شادی کر کے رہے گی اور ممانی بنا شرط کے مانیں گی نہیں اور تب اپنی ماں کی صحت، زندگی اور مرحوم باپ کی عزت بچانے کی ذمہ داری اس نے اپنے سر لے لی تھی۔

"تم میں تو محبت کے لیے جان دینے کی ہمت ہی نہیں ہے۔ تم نے ہمیشہ دوسروں کی کمزوریوں اور محبت کو اپنے فائدے کے لیے ایکسپلائٹ کیا ہے۔ اب بھی میرے ساتھ گلٹ ٹرپنگ کی کوشش مت کرنا۔ کمپرومائز میں ممانی کی شرط کے وقت کر سکتی تھی، اب نہیں۔ میں نے اکثم سے شادی کی ہے کہ آئی لو ہم!"

مسرہ نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ناظمہ ہکا بکا سی کچھ دیر اسے گھورتی رہی پھر بنا کچھ کہے چلی گئی۔

☆☆☆

"اتنے سال ہم خاموش ہی تو تھے!" جب وہ چپ چاپ سا، کچھ بولے بنا اسے دیکھتا رہا تو، مسرہ کو یاد دلانا پڑا۔

"اور میں نے ایک بار بھی تمہیں جی بھر کے دیکھا نہیں تھا۔" اس نے بھی ایک یاد دہانی کرائی۔

"اب تو ساری عمر دیکھ سکتے ہو۔"

"اور تم پہلے دن ہی گھبرا گئیں۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"میں نے سوچا تھا تم پہلی فرصت میں مجھ سے بہت سے سوال کرو گے۔"

"سوال؟ کون سے سوال؟" وہ متعجب ہوا۔

"تمہارے پاس ہوں گے نا میرے لیے۔"

"نہیں۔ میرے پاس کوئی سوال نہیں، میرے پاس اور قسم کی باتیں ہیں۔" اکثم نے اس کا رخسار چھوا۔ نظر جھکائے کھڑی مسرہ کے چہرے پر اس کی شوخی اور وارفتگی کے مقابلے سنجیدگی تھی۔

"تم مجھے کچھ کہنا، بتانا چاہتی ہو۔" اس نے مسرہ کا چہرہ اوپر کیا۔ وہ ٹھیک سمجھا تھا۔

وہ انگلیاں مروڑتے ہوئے سوچنے لگی کہ کہاں سے آغاز کرے۔ اس کے چہرے پر الٹی فکرمندی اور جھجک در آئی تھی۔

"مسرہ!" اکثم نے اس کے الجھے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کے اپنا ارادہ بدلا۔

"میں بھی تمہارے رویے اور ریزن کو مکمل سمجھ نہیں پایا تھا۔ دکھ اور مایوسی کے باوجود تمہارے لیے میرے اندر کوئی نگیٹو فیلنگ یا خیال نہیں تھا کہ محبت اسی کو کہتے ہیں۔ مگر اس دن ایکسیڈنٹلی سنی گئیں ناظمہ اور تمہاری باتوں نے میری ساری الجھنیں دور کر دی تھیں۔

مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ مجھے کسی وضاحت اور صفائی کی ضرورت نہیں ہے لیکن تم اپنے سکون کے لیے جو بھی کہنا چاہتی ہو کہو، ایک بار ہی سب کہہ دو اور اس بوجھ سے آزاد ہو جاؤ۔ ویسے میرا ماننا ہے ماضی کو جتنا ڈسکس کریں گے یہ اتنا پھیلتا جاتا ہے اس لیے صحیح وقت پر اسے سمیٹ کے، لپیٹ کے کسی صندوق میں بند کر دینا چاہیے۔"

وہ اس لیے اپنی بات کہنا چاہتی تھی کہ اکثم کے دل میں کوئی گرہ نہ رہ جائے لیکن اس کی نسبت اکثم جس سادہ اور آسان انداز میں بیان کر رہا تھا اس سے واضح تھا کہ اس کے پاس کوئی الجھن تھی نہ کہیں ضرورت تھی کہ کچھ کہا جائے۔

"میرا خیال تھا، سب اتنا کمپلیکیٹڈ ہے کہ ہمیں اسے سلجھانے کے لیے آپس میں کئی سیشن کرنا پڑیں گے۔" اس کے دل کا بوجھ یک لخت ہوا ہو گیا تھا۔

"ہاں ہمیں سیشنز کی ضرورت تو ہے۔" اس نے ہاں کو لمبا کھینچتے ہوئے مسرہ کے شانے کے پیچھے بازو پھیلا کے اسے خود سے قریب کیا۔

"لیکن اس والے۔"

☆☆☆

اب ہوتا یہ تھا کہ کبھی کنیز بیٹی کے پاس رہ آتیں تو کچھ دن میروز بیگی کے پاس ٹھہر جاتیں۔ جب مسرہ ادھر آتی تو اکثم بھی ماں اور بیوی کے ساتھ ہوتا تھا۔



Scanned with CamScanner

"تم دونوں کبھی ہم سہیلیوں کو اکیلا بھی چھوڑ دیا کرو۔" مہروز نے مسفرہ کی تجویز کا جواب دیا۔

اکرم رات کے کھانے کے لیے باہر لے کے جا رہا تھا اور وہ ان دونوں کے سر پر کھڑی تھی کہ آپ بھی چلیں۔

مسفرہ نے ان کے جملے پر در آئی حیرت کو قابو کرتے ہوئے اکرم کو دیکھا کہ وہ مدد کو میدان میں آئے گا مگر وہ شانوں کو حرکت دے کر اپنی بے بسی کا اظہار کرتا چپ رہا۔

"تو میں سب کا ہی کھانا بنا لیتی ہوں۔"

"نہیں بھئی۔ ہمیں پکانا آتا ہے، تم جاؤ، تیاری کرو جانے کی۔" کنیز نے منع کیا۔ وہ ان تینوں کو دیکھتی چلی گئی۔

اب وہ آٹھ سال قبل والی مسفرہ کی طرح خود پر، اپنی زیبائش اور اپنی پسند، اپنے شوق پر دھیان دینے لگی تھی۔ خاصا وقت لے کر جب وہ تیار ہو کے باہر آئی تو اکرم ہال میں نہیں تھا۔

"باہر ہوگا، دیکھو۔" مہروز نے صحن کی جانب اشارہ کیا۔

دونوں نے دل ہی دل میں چشم بددور کہا تھا۔

"واپسی کی جلدی مت کرنا۔" پیچھے سے کنیز کی آواز آئی، وہ مسکرا دی۔

اکرم ہال کے سامنے اسی کیاری کی دیوار پر بیٹھا تھا۔ وہ دروازے میں ہی رک گئی۔ آج وہ پورے استحقاق سے اسے دیکھ رہی تھی۔ نظروں کا احساس ہوتے ہی اس کی آنکھیں بھی ہال کے دروازے کی سمت اٹھیں۔ نظر ملتے ہی دونوں اپنی اپنی جگہ مسکرائے۔

"میں سوچ رہا تھا اگر یہ کیاری اور اس کی اتنی اونچی دیوار نہ ہوتی تو؟"

"اب تمہاری ٹانگیں اتنی بھی نازک نہیں، کچھ دیر تو تم کھڑے رہ ہی سکتے تھے۔" وہ دروازہ چھوڑ کے آگے آئی۔

"یقین کرو، مجھے کھڑے رہنا، اسپیشلی انتظار کرتے ہوئے کھڑے رہنا بالکل پسند نہیں۔" اس نے انکشاف کیا۔

"اف! میں تمہیں فرش پر بیٹھا تصور بھی نہیں کر سکتی۔" اس کے پاس پہنچ کے اس نے آنکھیں میچ کے کھولیں۔ وہ ہنس دیا۔

"کیاری نہ ہوتی۔ تب شاید تم کچھ رومانی سا سوچتے اور کوئی پیارا سا سیٹ اپ کر کے مجھے پرپوز کرتے۔" وہ بھی اس کے بازو میں دیوار پر ٹک گئی۔ پیچھے کیاری پھولوں سے بھری تھی۔

"آہا!" اس نے خوش گوار حیرت سے گردن موڑ کے اسے دیکھا۔ ایک شرمیلا تبسم اس کے چہرے میں پھیل گیا۔

"لیکن کیا فائدہ تم نے تو انکار ہی کرنا تھا۔ شکر ہے میں نے وہ فضول خرچی نہیں کی تھی۔" اس کی آواز میں شرارت تھی۔

"ہو سکتا تھا کہ اس انفرٹ سے متاثر ہو کے میں ہاں ہی کر دیتی۔" وہ اسے چھیڑتے ہوئے گویا ہوئی۔

"ڈیم!" اس نے افسوس سے سر پیچھے گرا کے زور سے آنکھیں بند کیں۔ پھر وہ کھڑا ہوا اور ہاتھ پکڑ کے مسفرہ کو بھی کھڑا کیا۔

"چلو! آج تمہاری یہ خواہش بھی پوری کرتے ہیں۔"

اچانک وہ مشکوک ہو گئی۔ مہروز اور کنیز کا ساتھ چلنے سے انکار، اکرم کا اصرار سے انکار اور اب یہ بات۔

"کیا؟" اس کے بدلے تاثر پر اکرم نے پوچھا۔

"تمہیں پتا ہے نا مجھے سر عام اظہار محبت یعنی پی ڈی اے بالکل نہیں پسند۔"

اکرم زور سے ہنسا۔

"تم تو ابھی سے ڈر گئیں۔ چلو خود دیکھ لینا۔ ویسے میں نے تمہارے رومانی، خوب صورت سیٹ اپ میں اپنی طرف سے کچھ اور بھی شامل کر لیا تھا۔"

وہ اس کا ہاتھ کھینچتا دروازے کی طرف بڑھا اور وہ آنے والے خوب صورت، رومانی اور 'کچھ اور' لمحوں کے تصور سے ہی مسکرانے لگی تھی۔

☆☆



Scanned with CamScanner

معانیہ شہباز

# کوئی آسکے ہو کا جواب

ہاتھ میں مڑے تڑے نوٹوں کو مٹھی میں بھینچ کر دور کسی نقطے پہ دیکھ رہی تھی۔

"نوشابہ جلال! تم فکر مند نہ ہونا، میں کبھی رہوں نہ رہوں یہاں تمہیں گھر جیسی پناہ ہی نصیب ہو گی۔"

جلال احمد نے بہت محبت سے نوشابہ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"ماما، ماما روشی نے مجھے مارا اور اس کی ماما نے کہا کب جان چھوٹے گی میرے بچوں کی۔" ارسل نے آکر ماما کو روکا۔ "کوئی بات نہیں کھیل میں لڑائی تو ہو جاتی ہے۔"

اس نے پیار سے اپنے بچے کے گال کو چھوا اور ساتھ لگایا جبکہ خاموش آنسو اس کے دل پر گر رہے تھے اور وہ سوچ رہی تھی کہ شاید محبت کے بھی زور ہے ہوتے ہیں اور دنیا دار تو شاید اس کا ایک درجہ بھی پاٹ نہیں سکتے کیونکہ جلال احمد کے بھائی انتظار احمد نے یہ ثابت کر دیا تھا۔

☆☆☆

نوشابہ جلال صدیقی صاحب کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی داؤد صدیقی نوشابہ صدیقی ریحانہ اور رضوانہ صدیقی اونچے کے بچے تھے اور نوشابہ کو اپنے گھر سدھارنے کے بعد خود ملک عدم سدھار گئے، راحیلہ صدیقی نے اس صدمے کو بڑے دل سے جھیلا تھا، داؤد باپ کی ایمان داری کی وجہ سے اسی کمپنی میں فائز کر لیا گیا مگر اچانک سے دو بچوں کے بعد نوشابہ کے شوہر داغ مفارقت دے گئے۔

جلال احمد اور انتظار احمد دو بھائی تھے ماں باپ بہت پہلے ہی رخصت ہو چکے تھے پھر دونوں بھائیوں نے ایک فیکٹری شروع کی شروع میں نقصان ہوا لیکن پھر چاندی ہی چاندی ہو گئی۔ بہت ترقی ہوئی انتظار کے چار بچے تھے جبکہ جلال کے دو۔ جب ترقی کو دیکھنے اور خوش ہونے کا وقت آیا تو اس کا وقت ختم ہو گیا وہ جوان بیوہ کو سسکتا چھوڑ گیا تھا۔

☆☆☆

"چار ماہ دس دن، چار سال محسوس ہو رہے ہیں۔" نوشابہ نے پہلی دفعہ اپنی عزیز از جان سہیلی عالیہ سے گھریلو حالات کا ذکر کیا۔ "میں سارا دن برتن دھوتی ہوں، کپڑے کھانا پکانا سب، کا میرے ذمے ہے مگر جب کوئی گھر میں آئے تو مجھے کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے کہ میں عدت میں ہوں۔"

اس نے خاموشی سے آنسو پونچھے۔ اتنی دیر میں لاریب بھابھی پانی لے آئیں۔

"ارے ہم تو اسے کہتے ہیں جو ہوا قبول کر لو لیکن اس کے آنسو تھمتے ہی نہیں۔ ارے باہر نکلے کوئی کام وام کرے، اس کا دل لگے سارا دن ارسل اور ماہین کو سنبھالنا پڑتا ہے تم ہی سمجھاؤ اسے۔" وہ تو تقریر جھاڑ کر یہ جا وہ جا عالیہ پھیکی ہنسی ہنس کر رہ گئی۔

"تمہیں ایک بات کہوں تین ماہ ہوں یا تین سال یہ رویے ایسے ہی رہیں گے۔ فیصلہ کرو میکے جاؤ اور اپنے بچوں کا مستقبل محفوظ کرو اگر برتن ہی دھونے ہیں تو ماں کے گھر دھو لو۔"

اس نے دھیرے سے اسے سمجھایا۔

"طرح طرح کی باتیں میرے بچوں کا ذہن خراب کرنے لگی ہیں وہ احساس کمتری کا شکار ہونے لگے ہیں۔ ذہین ہونے کے باوجود ان کی کمپلین ہی ختم نہیں ہو رہی اسکول سے۔"

"تو پھر فیصلہ کرنے میں دیر مت کرو تو شاید بات کو سمجھو۔" اس نے اس کی بے چین پتلیوں کو دیکھا کرب سے تڑپتے دل کو سنبھالا دیا اور سر کو جنبش دی۔"

شام کو اس نے فیصلہ سنایا کہ وہ باقی عدت میکے میں گزارنا چاہتی ہے سب خاموش تھے کسی نے تکلفاً بھی اسے نہیں روکا تھا بلکہ انتظار بھائی کو جو میکے کا

خرچہ دینا پڑتا تھا اس سے جان چھوٹی، کتنی تکلیف دہ باتوں کے بعد چند نوٹ اس کی مٹھی میں آئے تھے۔

"ارے جیسے تم مناسب سمجھو وقار اچھی کو صبح چھوڑ آنا نوشابہ پردے کا دھیان رکھنا۔" یہ کہہ کر وہ صوفے سے اٹھ گئی۔

"چلیں انتظار آپ کی چائے کمرے میں رکھ آئی ہوں۔" ایک ایک کر کے سب جا چکے تھے وہ زندگی کے صحرا کی طرح کمرے میں اکیلی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

میکے پہنچ کر اس کی یہ غلط فہمی بھی دور ہو چکی تھی کہ اکلوتے بھائی کے لیے وہ بوجھ نہیں، آتے ہی بھابھی کا بجھا چہرہ دیکھ کر اسے فاش غلطی کا احساس ہو چکا تھا لیکن وہاں بھی بچی کچھ تھا سارا دن کام کرتی چھوٹے کھلونوں کے لیے بھابھی کے دونوں بیٹے بچوں کو پیٹ ڈالتے، اسے خاموش رہنا پڑتا ایک دفعہ کہا تھا تو مقدمہ داؤد کی عدالت تک پہنچ گیا تھا سو وہ خاموش رہتی اور بچوں کی تربیت بھی ایسے ہی کر رہی تھی اس خاموشی کو بھی ڈرامہ، مسنا نہیں اور دکھاوا سمجھ کر خوب درگت بنائی جاتی اماں خاموشی سے سب کچھ ہوتا دیکھتیں لیکن خاموش رہتیں۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا اس کے ساتھ بنائے بغیر گزارہ نہیں تھا نوشابہ بھی ماں کی مجبوری سمجھ گئی تھی۔

واپڈا اچھا خاصا بیٹھا تھا لیکن ہر وقت مہنگائی کا رونا، بل کا رونا، بجلی گیس کا رونا وہ خود میں چوری بن جاتی اور یہ نہ کہہ پاتی اے سی لگاتار چل رہا ہے ہر دوسرے دن آپ کے لیے کھانا باہر سے آتا ہے آن لائن برینڈڈ ڈلیوری کے لیے آدمی تیسرے دن دروازے پر ہوتا ہے۔ لیکن کہتا کون؟

عدت ختم ہونے کو تھی عالیہ نے ایک دو دفعہ چکر لگایا تھا، اس کے پاس اب اس کے بیٹے آفر تھی، ان کے آفس کی کمپیوٹر آپریٹر کی شادی تھی اس سے پہلے کہ کوئی اور آتا عالیہ نے نوشابہ کا نام لے دیا اور جلدی تھی کہ وہ کام کرنے اور اپنے پاؤں پہ کھڑی ہو پچیس ہزار سیلری اسٹارٹ اور اگریمنٹ ہوتا رہے گا شام کے کھانے پہ اس نے ڈرتے ڈرتے بھائی سے جاب کا ذکر کیا۔

"ارے اس سے اچھی بات اور کیا ہو سکتی تم اپنے بچوں کا خرچ نکال سکتی ہو، آخر کس دن پڑھائی کام آئے گی۔" زینت بھابھی نے بھائی سے تائید چاہی۔

"کیوں داؤد"

"ہاں ٹھیک ہے گھر بیٹھ کے بھی کیا ہوگا اچھا ہے۔" پتا نہیں بھائی راضی تھا یا نہیں اس نے تائیدی سر ہلا دیا تھا۔

"پک اینڈ ڈراپ کا کیا سین ہے۔"

"آ آ" اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ بھابھی بول پڑیں۔

"ارے عالیہ کے آفس میں جاب ہے تو وہ خود بھی کر رہی ہے اسے بھی لے جایا کرے گی کیوں نوشابہ۔"

"ہاں میں اسے کہہ دوں گی۔" کمرے میں وہ خوب روئی وہ اس کشمکش میں تھی کہ کیسے کیسے عالیہ کو یا خدا جس گھر سے وہ کتنے سکھ چین لے چکی تھی اسی چوکھٹ کی دہلیز سے دکھ جھیلنا کتنا دشوار تھا باپ سے لے کر بھائی کی چھت بننے تک بیٹیاں کتنی بے اماں ہو جاتی ہیں اس نے ارسل اور ماہین کو سوتے دیکھا اور ایک دفعہ پھر خود کو جوڑنے لگی۔

☆☆☆

بچوں کو بھی اس نے ساتھ ہی تیار کر لیا ناشتہ تو پہلے بھی وہی بناتی تھی صد شکر کہ بغیر کہے ہی عالیہ اسے پک کرنے آ گئی سارے راستے سوچتی رہی کہ کیسے لوگ ہوں گے ماحول کیسا ہوگا۔

"نوشابہ میں اپنے بچوں کو خوب پڑھاؤں گا تاکہ کل یہ دونوں بہترین زندگی گزاریں میری طرح نہیں اور سب سے بڑھ کر میں خوش ہوں کہ مجھے تم جیسی بیوی کا ساتھ ملا۔"

گاڑی ایک جھٹکے سے رک گئی وہ حال میں آ گئی، اسٹاف اچھا تھا وہ خوب ڈٹ کے محنت کر رہی



Scanned with CamScanner

تھی۔ بچوں کو جاتے ہوئے ساتھ لے جاتی اور آتے ہوئے لے آتی سب سے اچھی بات اس کا کام دو ڈھائی بجے تک ختم ہو جاتا اور وہ شام کو ٹیوشن کے اور اپنے بچوں کو ٹائم دیتی دوپہر کا کھانا شام کا کھانا جائے ہر چیز اس کے ذمے تھی۔ بھی بھی وہ سوچتی کہ جس وجود کو محفوظ رکھنے کے لیے عورت چھت ڈھونڈتی ہے چھت ملنے تک وہ وجود ہی ختم ہو چکا ہوتا ہے۔

☆☆☆

"ارے آج بہت مزہ آیا ہمارے برینڈڈ کپڑے لیے ہیں بچوں کے۔ پچاس ہزار کے لگ بھگ لگ گیا۔"

بھابھی اپنے کسی رشتے دار یا شاید ماں کو بتا رہی تھیں نوشابہ جو کوئی بات کرنے آ رہی تھی اس کے قدم رکے تھے۔

"ارے اماں کا بھی، یہاں آتا ہے گلی میں کپڑے کی پھیری لگانے۔ اچھا سوٹ ہے۔ سفید دوپٹا اماں کے پاس ہے، کافی ہے اور نوشابہ" مزید اس کے اندر مزید سننے کی ہمت نہیں تھی اس نے اونچی آواز میں بھابھی کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

"اچھا باقی باتیں بعد میں۔" انہوں نے جھٹ بچوں کے ہاتھ سے شاپنگ بیگ لیے اور بیڈ کے نیچے رکھ دیے۔

"آؤ آؤ نوشابہ" نوشابہ کے ہاتھ میں پکڑے پیسے دیکھ کر ان کا موڈ خوش گوار ہوا۔

"بھابھی! یہ دس ہزار بل کے لیے۔" بھابھی ہر مہینے بل کے لیے، راشن کے لیے، اماں کی دوائیوں کے لیے کچھ نہ کچھ پیسے بٹورتی ہی رہتیں۔

"وہ نوشابہ اس دفعہ شادی کا فنکشن ہے تو اماں کی دوائی پہ بڑا خرچا اٹھ گیا ہے اگر پانچ ہزار اور مل جاتے۔" انہوں نے نوشابہ کی مٹھی میں پکڑی رقم دیکھ کر کہا۔

"بھابھی آپ کو پتا تو ہے پھر مہینہ میرے لیے۔"

"اچھا اچھا پتا چل گیا ہے مجھے مہینہ کیا اگر بچی رہنے کا کہیں رہنے دیتیں، کھانے کا بل تب بھی تو تم گزارہ کر لی ناں بس بھائی کو کوئی سہولت نہ مل جائے۔" بھابھی بات سنتے ہی غصے سے اکڑ گئیں وہ خاموشی سے پانچ ہزار دے کر کمرے میں آ گئی جہاں بچے پڑھنے میں مصروف تھے۔ اس نے عالیہ کو فون کر کے ساری سچویشن بتائی حالانکہ وہ اتنی سخت جان ہو گئی تھی کہ ہر بے عزتی کھلے دل سے سن لیتی لیکن آج دل بہت اداس تھا آج اس کی ویڈنگ اینی ورسری تھی۔

"یار جو آفر میں نے تمہیں دی ہے اس پہ سوچو اللہ بہتر راہ نکالے گا جو لوگ صرف یہ سوچتے ہیں کہ انہیں صرف کپڑا کھانا پینا اور چھت چاہیے وہ بھی باوقار نہیں بن سکتے کیونکہ ان کا اپنا وقار اپنی نظر میں بوجھ ہوتا ہے۔" وہ کتنی دیر اس کی برین واشنگ کرتی رہی، اس کا نتیجہ یہ تھا وہ شام کے کھانے پر بھائی سے بات کر رہی تھی۔

"بھائی آن لائن فوڈ ڈیلیوری کا کام ہے مجھے صرف ان کو کھانا بنا کر دینا ہے تین بجے سے پانچ بجے تک سیلری بھی ٹھیک ہے۔ بچے میرے ساتھ ادھر ہی رہیں گے۔"

"مگر بیٹا" راحیلہ بیگم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔

"واؤ! یہ تو بہت اچھا ہے شام کو پکا پکایا کھانا ملے گا اور نوشابہ کو گھر کے کاموں سے فرار حاصل ہو گا۔"

"بہو"

"آپ تو رہنے ہی دیں گے۔" کبھی کبھی اسے لگتا بھائی چابی والا کھلونا ہے اور چابی بھابھی کے ہاتھ میں ہے۔

"سیلری کیا ہے۔"

"اٹھارہ سے بیس ہزار دیں گے۔" وہ تاسف سے جواب دے رہی تھی۔

"ٹھیک ہے کوشش کرنا کہ ہمارے ایریا کے قریب ہو کیونکہ میں نے سنا ہے آخری گاڑی چھ ساڑھے چھ کے بعد نہیں ملتی۔" داؤد نے ٹشو سے منہ صاف کیا اور اٹھ گیا۔ رات دیر تک روتی رہی اسے تھوڑی سی امید تھی کہ بھائی اسے کہے۔ کیا ضرورت ہے دو دو نوکریاں کرنے کی میں جو ہوں۔" اسے آج اپنے پاپا بے تحاشا یاد آئے روتے روتے کب سو گئی صبح ہو گئی اسے پتا نہ چلا اس کی سوجی آنکھیں عالیہ سے اوجھل نہیں رہی تھیں مگر وہ خاموش رہنا چاہتی تھی صبح سے شام تک کام کرتی وہیں بچوں کو پڑھاتی شام کو گھر آتی کبھی کھانا ہوتا کبھی نہ ہوتا بچوں کے لیے کبھی نوڈلز کبھی جوس لے آتی تاکہ وہ بھوکے نہ سوئیں دن بدن مشقت اسے مضبوط کرتی جا رہی تھی اب بات بات پہ رونا، بھابھی کا رزنا، بھائی کی بے حسی وہ ہر چیز نظر انداز کرنا سیکھ گئی تھی۔ کبھی کبھی اماں کو چند پیسے تھما دیتی اب اس کے لیے بڑے سے بڑا چیلنج چھوٹا ہو چکا تھا کرائے بچانے لیے سفر پیدل طے کرتی اس کے پاؤں سخت ہو چکے تھے اور یہ سختی اس کے دل تک آ چکی تھی جب اس نے ایک فیصلہ کیا۔

☆☆☆

"بھائی!" وہ حال میں امی بھائی اور بھابھی کے پاس بیٹھی تھی آج اس کے اندر اعتماد بول رہا تھا دو سال سے زائد ہو گئے تھے دھکے کھاتے، گھر کے کام، بچوں کی ذمہ داری اٹھائے۔

"بھائی مجھے آپ سے بات کرنی تھی۔"

"ہاں کرو۔" داؤد شام کا اخبار الٹ پلٹ کر دیکھ رہا تھا۔

"وہ بھائی مجھے اس مکان میں میرا حصہ چاہیے۔"

"لو جی کر لو ہمدردیاں، بہن سے مل گیا صلہ اسے حصہ چاہیے اب یہ ہمارا گھر بکوائے گی۔" بھابھی ریموٹ پھینک کر نیچے جھاڑ کر پیچھے پڑ گئیں۔ "ہائے یہ نیکی کا صلہ دیا ہے کیا نہیں کیا بھائی نے۔"

"تمہیں پتا ہے تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"ہاں اور یہ میرا قانونی شرعی حق ہے۔"

"ارے بی بی یہ حق ان کے باپ کے وارثوں سے نکلواؤ ہم سے نہیں۔"

بھابھی ہاتھ نچا نچا کر بات کر رہی تھیں۔ "ان سے بھی نکلواؤں گی وہ میرے بچوں کا حق ہے۔"

"کیا زمانہ آ گیا کیا کیا کچھ نہیں کیا تیرے۔"

"کیا کیا ہے۔" بھابھی کی بات منہ میں ہی رہ گئی۔

"جب آپ کی شادی ہوئی آپ جانتی ہیں بھائی پر کوئی ذمہ داری نہیں تھی میرے باپ نے میری شادی کی تھی اور جب ان پر ذمہ داری آئی تو آپ کے لیے تو ایک مہینے کا خرچ پہاڑ بن گیا تھا میری عدت ختم ہونے کے بعد میں نے اپنا اور اپنے بچوں کا بوجھ اٹھایا ہے آپ ہر مہینے دس سے پندرہ ہزار اور کبھی کبھی بیس ہزار کسی نہ کسی طرح لے رہی ہیں۔"

بھابھی چور نظروں سے اماں اور بھائی کو دیکھنے لگیں۔

"گھر کے کام سے لے کر خرچ تک میں نے خود بوجھ ڈھویا ہے اب نہیں۔" اس کے اندر بلا کا اعتماد تھا۔

"جہاں میں کھانا پکاتی ہوں وہ باس انگلینڈ جا رہے ہیں انہوں نے اقساط پر مجھے یہ کام دینے کا کہا ہے مگر جو نیچے دکان ہے اس کے لیے مجھے پیسے چاہئیں پندرہ دن کے اندر۔" بھابھی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھائی کو دیکھ رہی تھیں۔

"ارے کچھ بولتے کیوں نہیں۔"

"آج تک بولے ہیں جو آج بولیں گے مجھے پیسوں کا بندوبست کر دیں نہیں تو قانونی راستے بہت ہیں۔"

"ارے ارے ارے یہ کیا بک رہی ہے ارے کیا بنے گا ہم تو پہلے ہی بڑے مجبور ہیں جبھی تو بھائیوں پر جان وارتی ہیں کیسی بہن ہے لوٹ رہی ہے۔" دونوں ہاتھوں ملتے بین ڈالنے لگی تھیں اور سینہ پیٹنے لگیں۔



Scanned with CamScanner

☆☆☆

اماں جا چکی تھیں جبکہ داؤد کو چپ لگ گئی۔

"جہاں کھانا بنائی ہوں وہ پورا اپارٹمنٹ ہے اور مجھے تب ملے گا جب کوئی بزرگ میرے ساتھ ہوگا۔" نوالہ منہ میں ڈالتے اس نے کہا آج اس نے ناشتہ بھی نہیں بنایا تھا۔

"تو امی میرے ساتھ جا رہی ہیں۔" اس نے بغیر بھائی کو دیکھے بات کی۔ بھابھی کو یہ بات کچھ دل کو لگی تھی ورنہ تو دو دن سے وہ قیامت کی نشانیاں بھائیوں پر قربان ہونے والی بہن خون سفید اور پتا نہیں کیا کیا اماں کو اٹھتے بیٹھتے سنا رہی تھیں۔

"اچھا بی بی تم جاؤ ہم تمہیں سوچ کر بتا دیں گے۔"

"چار مرلے کے گھر میں چار ہی حصے دار ایک اماں بھی پانچویں حصہ دار تھیں داؤد مہینے کا لاکھ روپیہ کما رہا تھا نوشابہ کے حصے میں کتنے پیسے آسکتے تھے پتا نہیں انہوں نے بھائی کو کیا اور کس طرح سمجھایا کہ تین دن میں بھابھی کا مثبت جواب مل چکا تھا اور وہ یہ سوچ رہی تھی کہ یہ کیسا معاشرہ ہے۔ وہ حقوق جو اللہ نے انہیں ودیعت کیے ہیں ان پر انہیں جج کیا جاتا ہے بہن حصہ مانگ لے، عورت خلع کا حق مانگے ماں وراثت میں حصہ مانگے، یا عورت ضرورت کے تحت دوسری شادی کرلے اس نے سر جھٹک دیا اور پیکنگ کرنے لگی۔

اماں کی بھی اور اپنی بھی اماں نے تشکر بھری نظروں سے بیٹی کو دیکھا اور ساتھ لگا لیا۔ باس سے سارے معاملات طے کرنے کے بعد وہ اپارٹمنٹ لے چکی تھی باقی پے منٹ بعد میں دینا طے پائی۔

وہ دکان جہاں پیچھے بیٹھ کر مرد حضرات کھانا بھی کھاتے تھے خالی کروائی اب وہ سارا وقت اسی آن لائن کام کو دے رہی تھی جس میں اب اس کی ماں کی مدد بھی شامل تھی کام بڑھ رہا تھا اب بہترین اسکولوں میں اس کے دونوں بچے پڑھ سکتے تھے۔ اسے دو سال ہو گئے تھے محنت کرتے وہ کافی اماؤنٹ جوڑ چکی تھی مگر اب بھی دکان کے ساتھ والی دکان خریدنا ضروری تھا کیونکہ وہ پھر بھی ایک عورت تھی۔

اس نے شوہر کی وراثت میں اپنا اور بچوں کے حق کا دعویٰ دائر کیا جسے ہر ہر طریقے سے ناکام بنایا جاتا رہا۔ مگر اس نے ہمت نہ ہاری۔ عالیہ نے اس کی بہت مدد کی اور اس کے وکیل بھائی نے آخر کار سال بعد اس ملک کے گندے قانون سے جنگ جیت لی تھی۔

ان پیسوں سے وہ ساتھ والی دکان خرید چکی تھی درمیان کی دیوار نکال کر اسے فرنشڈ کیا گیا اسے اچھے خاصے ریسٹورنٹ کی شکل دے دی گئی۔ آن لائن کام اب بھی جاری تھا ریسٹورنٹ کے باہر فیملی ریسٹورنٹ کا بورڈ آویزاں کیا گیا، سوائے کالج کی لڑکیوں خواتین اور فیملی کے سب کی انٹری ممنوع تھی۔

کھڑکیوں پر دبیز پردے ریسپشن پہ خوب صورت لڑکیاں، کھانا پکانے کے لیے اب وہ ورکر رکھ چکی تھی بس اماں کی نگرانی میں وہ کام کرتی تھیں۔

خوب صورت بلیک گاؤن گولڈن پلازو شرٹ کے ساتھ بلیک دوپٹے میں وہ بہت پر وقار لگ رہی تھی کیونکہ اس کی کمٹ منٹ یہی تھی کہ اگر پانچ سال میں یا زیادہ سے زیادہ سات سال پیسے جمع نہ کرسکی تو یہ خریدنے کی حق دار نہیں ہوسکتی اب وہ اسے حاصل کرسکتی ہے آج اپنے کلائنٹ سے یہ پوچھتے ہوئے کہ انہیں کوئی کمپلین تو نہیں وہ سب سے مل رہی تھی سب اس کی کہانی جانتے تھے بعض لڑکیاں تو اسے اپنا رول ماڈل مانتی تھیں۔

آج وہ سوچ رہی تھی کہ اگر یہی انرجی اور طاقت وہ صرف بھابھی سے یا اپنے سسرال والوں سے لڑنے میں ضائع کردیتی تو کتنی قابل رحم حالت میں ہوتی ہاں سوچ کی ایک دنیا بدلنے والی طاقت ہوتی ہے مجبور اور مظلوم میرے جیسی عورتیں جب صرف بے چاری کا لفظ سننے کے لیے روتی چلی جاتی ہیں وہ اپنا نقصان تو کرتی ہیں اپنی نسل کو بھی باوقار مستقبل نہیں دے پاتیں آپ کا کیا خیال ہے؟

☆☆



Scanned with CamScanner

مکمل ناول

# تم میری دنیا ہو

ماں کی بات پہ اس نے اپنی آنکھوں میں جہاں بھر کی حیرت کو سمویا اور ان کے چہرے کی طرف دیکھا، جن کا چہرہ نہ جانے کیوں آج اسے دمکتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ خوش تھیں اور یہ بات ان کے ہر ہر انداز سے عیاں تھی۔ ان کا لہجہ برسوں کے بعد خوشی سے کھنکیا رہا تھا، اور اب اس کی خاموشی اس کی ماں کو بہت بری لگ رہی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی؟ میں تم سے بات کر رہی ہوں اور تم اس پر کوئی بھی ری ایکٹ کرنے کے بجائے بس میرے منہ کی طرف دیکھے جا رہے ہو؟"

اس کی ماں نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا اور اس کی پلیٹ میں اتنی ناراضی دکھانے کے باوجود کباب رکھا، پھر دوبارہ اپنی سوالیہ نظریں اس کے چہرے کی سمت مرکوز کیں، اس کے چہرے پر اب بھی کوئی تاثرات نہیں تھے، یہاں تک کہ غصے اور خفگی کے بھی نہیں۔

"میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں؟"

اس کی ماں کے لہجے میں غصہ در آیا تھا۔

"جو آپ کہہ رہی ہیں وہ میں سن رہا ہوں، لیکن آپ کے کہے کا مطلب سمجھ نہیں پا رہا......" اس نے بے نیازی سے اپنے کندھوں کو ہولے سے جھٹکا۔

"میں نے کون سی ایسی مشکل زبان استعمال کی ہے جس میں کہی میری بات تمہیں سمجھ میں نہیں آ رہی؟ آسان لفظوں میں بتا رہی ہوں۔ بھائی اور بھابھی نے مجھے خود بلایا تھا اور۔۔"

"آپ نے رضیہ سے کہہ کر میرا روم صاف کروا دیا تھا......"

اس نے ماں کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اپنی بات کر ڈالی۔

"میں تم سے بہت سیریس اور اہم بات کر رہی ہوں"

اس کی ماں اس بار سچ میں ناراض ہو گئی تھیں، اور اس کا اظہار انہوں نے اپنے سامنے پلیٹ کو پرے سرکاتے ہوئے کیا۔

"میں آپ کی بات سننا ہی نہیں چاہتا اور مجھے تو حیرانی ہو رہی ہے۔ آپ خود ہی اس بات سے انکار کر کے اس بات کو ختم کر دیتیں، الٹا آپ اس فضول بات کو مجھ سے ڈسکس کر رہی ہیں۔ کیا آپ میرے جواب سے واقف نہیں ہیں؟"

اس نے رک کر ماں کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"اتنی جلدی فیصلہ مت کرو۔"

اس کی ماں نے اسے ٹوکا۔ تو اس کے چہرے پر استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس بار انہوں نے بیٹے سے کوئی بات کرنے کے بجائے اس سے کل بات کرنے کا سوچا اور اٹھ کر ٹیبل پر پڑے برتنوں کو سنک میں رکھنے لگیں۔

"میں تمہیں چائے بنا کر دے جاؤں گی، تم اپنے روم میں جا کر پڑھ لو، اور ہاں، میں نے رضیہ سے تمہارے روم کی صفائی کروا دی تھی۔" انہوں نے معروف سے لہجے میں کہا۔

اس نے اتنی جلدی بات ختم ہو جانے پر حیرانی سے ماں کی پشت کو دیکھا، پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھا اور اپنے کمرے کی طرف



Scanned with CamScanner

بڑھ گیا۔

اس کی ماں نے پلٹ کر کچن سے نکلتے بیٹے کی طرف دیکھا اور اس سے بعد میں بات کرنے کا سوچ کر اپنی توجہ برتنوں کی سمت مرکوز کر دی۔

برتن دھونے کے بعد انہوں نے چائے بنائی اور اس کے کمرے میں دینے کے لیے آ گئیں۔ وہ بیڈ پر اپنے سامنے کتابیں پھیلائے بیٹھا ہوا تھا۔

اس کے فائنل ایگزامز ہونے والے تھے، ان دنوں وہ اپنی تیاری میں مصروف تھا۔ کبھی کبھار اسٹڈی کے لیے دوست کے گھر چلا جاتا، تو کبھی اسے اپنے گھر بلا لیتا۔ آج اس کا ارادہ اکیلے بیٹھ کر پڑھنے کا تھا۔

اس نے سر اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا، مسکراہٹ نے اس کے لبوں کو چھو لیا۔ اس کی ماں ہی اس دنیا میں واحد ہستی تھی جسے دیکھ کر وہ مسکراتا تھا، جس کے لیے وہ جیتا تھا۔ اس کی زندگی کے دو ہی محور تھے، ایک اس کی ماں اور دوسرا۔

اس نے گہری سانس لی، پھر سر جھٹک کر اپنی توجہ دوبارہ اسٹڈی کی طرف مرکوز کرنا چاہی تھی لیکن وہ پھر ایسا نہیں کر سکا تھا۔ اس نے کتاب کو بند کیا اور گردن گھما کر دائیں جانب دیوار پر لگی تصویر پر اپنی نظریں مرکوز کر لیں۔

تصویر میں نظر آتا چہرہ اس انسان کا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتا تھا، شاید اپنی ماں سے بھی زیادہ، یا پھر شاید خود سے بھی زیادہ۔ اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

حقیقت تو کچھ اور کہتی تھی، لیکن ہمیشہ سے ہی اس کا دل اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس نے کبھی نہیں مانا تھا اور نہ وہ کبھی اس سچ کو ماننا چاہتا تھا۔

اس کا دل یکدم ہر چیز سے اچاٹ ہو گیا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر کتابوں کو پرے کیا اور لیٹنے کی جگہ بناتے ہوئے اپنے بیڈ پر دراز ہو گیا۔ سوچوں کی جانے کون سی وادی میں اترتا چلا جا رہا تھا۔ جہاں وہ تھا، اور اس سے آگے اس کے لیے حیرت تھی، خواہش تھی اور بہت ساری امید بھی۔

سوچتے سوچتے جانے وہ کب نیند کی وادی میں اترا تھا، اسے خود بھی خبر نہیں ہوئی تھی۔ سائیڈ ٹیبل پر پڑی اس کی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔

☆☆☆

صبح جس وقت اس کی آنکھ کھلی تو اس کی نظر سب سے پہلے سائیڈ ٹیبل پر رکھے چائے کے کپ پر پڑی۔ "ارے! رات میں نے چائے بھی نہیں پی اور ایسے ہی سو گیا۔"

جویز نے بڑبڑاتے ہوئے خود سے کہا۔

پھر اپنے گھنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا، بیڈ چھوڑ کر اٹیچ باتھ کی سمت بڑھ گیا۔ شاور لینے کے بعد وہ تولیے سے اپنے گھنے بالوں کو رگڑتا ہوا آئینے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں اپنے شیڈول کو ترتیب دیا، پھر آئینے کے سامنے سے ہٹ کر اپنی وارڈروب کی سمت بڑھ گیا۔

تیار ہونے کے بعد جب وہ اپنے کمرے سے نکلا تو خالی لاؤنج نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے پہلے کمرے میں، پھر کچن میں جھانک کر دیکھا، وہاں بھی طاہرہ بیگم موجود نہیں تھیں۔ جویز نے گہری سانس بھری اور کچن سے نکل کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

جب وہ انیکسی کے برآمدے کو عبور کر کے دو سیڑھیاں اترتا، لان کے درمیان بنے سرخ اینٹوں کے راستے پر چلتا ہوا مین گیٹ کی طرف بڑھ رہا تھا، تو راستے میں گاڑی کے پاس کھڑی ایمن پر اس کی نگاہ پڑی۔ جینز کے اوپر شارٹ ٹاپ پہنے، بالوں میں ہائی پونی بنائے، منہ میں ببل گم ڈالے، وہ غصے سے ڈرائیور پر برس رہی تھی۔

"اس غریب نے صبح صبح اس کی شان میں کیا گستاخی کر دی ہے؟"

حویز نے بے زاری سے سوچا۔
اس نے سر جھٹکا اور ایمن کے پاس سے گزرتے ہوئے جیسے ہی آگے کی سمت بڑھا۔
اس کے عقب میں کھڑی ایمن نے اسے آواز دی۔ اس نے ان سنی کر دی۔ ایمن خود ہی چل کر اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ حویز کے لب ابھی تک بھینچے ہوئے، اور پیشانی پر لکیریں بھی نمودار ہو چکی تھیں، جو اس بات کی غماز تھیں کہ اسے ایمن کا روکنا بہت برا لگا تھا۔ اس کا یہ انداز اور رویہ، تک چڑھی ایمن کو بھی محسوس ہوا تھا۔
''کچھ نہیں۔'' اس نے ادائے بے نیازی سے سر جھٹکا، اس کی پونی بھی ہل گئی۔
حویز کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کے فون کی بیل بجی اور وہ فوراً ہی اپنے فون کی سمت متوجہ ہوا۔ ایزل کال کر رہی تھی۔
اسکرین پر چمکتے ہوئے نام کو دیکھ کر حویز کے بھینچے ہوئے لب خود بخود نارمل انداز میں پھیل گئے۔
اس نے کال ریسیو کر لی۔
''ہاں ایزل، بولو۔''
وہ ایمن کو نظر انداز کرتا ہوا آگے کی سمت بڑھا۔
ایمن نے گردن گھما کر، دور جاتے حویز کی طرف دیکھا، جو پورچ میں کھڑی اپنی بائیک اسٹارٹ کر رہا تھا۔
حویز کے منظر سے ہٹتے ہی ایمن ایک بار پھر بری طرح ڈرائیور پر بھڑک اٹھی تھی۔ ''اتم ابھی تک یہیں کھڑے ہو؟ آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔''
ایمن نے اپنی کلائی میں بندھی قیمتی گھڑی کا ڈائل ڈرائیور کی طرف کیا۔
وہ بے چارا گھبرا کر جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ ایمن بھی بڑبڑاتے ہوئے گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھی گئی۔
''ایزل!''
ایمن کے لبوں سے یہ نام نکلا، پھر وہ سر جھٹک کر اپنے نئے ماڈل کے فون کی طرف متوجہ ہو گئی۔
☆☆☆
حویز نے ایزل سے کہا تھا کہ وہ یونی ورسٹی ہی آ رہا ہے، اور ابھی تک وہ یونی ورسٹی نہیں پہنچا تھا۔ اسی لیے ایزل نے جھنجلا کر ایک بار پھر حویز کے نمبر پر کال کی۔ دوسری بیل پر اس کا فون ریسیو ہو گیا۔
''میری بات سنو، حویز علی! کال کرنے کے پیسے لگتے ہیں، اور میں اتنی امیر نہیں ہوں کہ تمہیں کال کر کے اپنا کریڈٹ ختم کر دوں۔
پتا بھی ہے نا آج کتنا اہم پیریڈ ہے؟ اس کے باوجود تم ابھی تک یونی ورسٹی نہیں پہنچے۔
ایزل نے غصے سے اپنے گھنگھریالے بالوں کی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا۔
''آ رہا ہوں۔''
حویز نے آہستگی سے کہا۔
''تم ہو کہاں؟ بس مجھے یہ بتا دو۔''
ایزل نے یونی ورسٹی کے مین گیٹ کی طرف دیکھا۔ اسے لگا حویز اسے تنگ کر رہا ہے۔
''میں یونی ورسٹی کے گیٹ پر تو کیا، یونیورسٹی کے راستے پر بھی نہیں ہوں۔''
حویز کے کہنے پر ایزل نے جلدی سے فون کان سے ہٹا کر اسکرین کو گھورا، پھر دوبارہ کان سے لگا لیا۔ ''تمہیں کیسے پتا کہ میں۔''
ایزل نے حیران ہوتے ہوئے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔
''مل کر بتاؤں گا۔ اب کیا پولیس اسٹیشن میں بیٹھ کر تمہیں یہ بتاؤں کہ مجھے کیسے پتا ہے؟''
حویز کی آواز ایزل کے کانوں سے ٹکرائی۔
''تم وہاں چلے گئے؟'' ایزل ذرا رکی۔
''ہاں، یہاں آ گیا ہوں۔ مجھے ملنا ہے، پوچھنا ہے۔''
حویز نے دھیرے سے کہا۔
''اچھا، تم جلدی آ جاؤ۔ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں، سر عمران کا پیریڈ اٹینڈ کر کے ہوں۔ اس



Scanned with CamScanner

کے بعد تمہیں نوٹس دے دوں گی۔" ایزل نے کہتے ہوئے کال منقطع کردی۔

گہرا سانس لے کر وہ پنجوں کے بل گھومی۔ جانے کیوں کلاس روم تک جاتے جاتے وہ رک گئی۔ دل کا بوجھل پن بڑھا تھا، اور آنکھیں دھندزدہ ہوگئی تھیں۔

"تم پھر بھی خوش قسمت ہو، حویز۔ امید کا جگنو تو ہے نا تمہارے پاس، اور میرے پاس۔"

ایزل نے دل گرفتگی سے سوچا اور اپنی گلابی ہتھیلیاں اپنے سامنے پھیلادیں۔

"کچھ ہاتھ، ہمیشہ خالی ہی رہتے ہیں... بالکل خالی۔ بالکل میری طرح۔" وہ کلاس کے باہر برآمدے میں ایک بینچ کے کنارے آبیٹھی تھی۔ وہ کلاس اٹینڈ کرنا چاہتی تھی، لیکن اس نے ایک بھی کلاس اٹینڈ نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ ایک گھنٹے کے بعد حویز اس کے سامنے موجود تھا۔ جانے کیوں اس کے چہرے پر تھکن کے اثرات ہویدا تھے۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر بھنچے ہوئے لبوں کے ساتھ اس کے ساتھ بینچ کے دوسرے کنارے آبیٹھا تھا۔

وہ دونوں اپنے اپنے خیالوں میں گم رہے، یہاں تک کہ چوتھے پیریڈ کے ختم ہونے کا وقت بھی مکمل ہوچکا تھا۔

حویز نے سر اٹھا کر اپنے سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ایزل کو پکارا، جو اب اپنا سر اس کی طرف کیے استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"کینٹین چلیں؟ میں نے صبح ناشتہ نہیں کیا، اس وقت بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

حویز اس سے پوچھ رہا تھا۔ جواب میں ایزل نے سر کو اثبات میں ہلایا، اپنی جگہ سے اٹھی، اور پھر وہ دونوں اٹھ کر کینٹین کی سمت بڑھ چکے تھے۔ ایزل کینٹین میں سب سے آخری گوشے میں آبیٹھی تھی۔ حویز کچھ ہی دیر میں برگر اور کولڈ ڈرنک لے آیا تھا۔

"تم کیوں اداس ہو؟"

حویز نے کینٹین کی کھڑکی سے باہر دیکھتی ایزل سے پوچھا۔

ایزل نے باہر گراؤنڈ میں موجود اسٹوڈنٹس سے اپنی نظریں ہٹائیں اور حویز کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے سر کو ہولے سے نفی میں ہلادیا۔

"لیکن میں بہت اداس ہوں۔" حویز نے کہتے ہوئے برگر سے ٹماٹر کے ٹکڑے الگ کیے اور برگر کا لقمہ لیا۔

"تم کیوں لاحاصل کے پیچھے بھاگتے ہو؟ جو گم ہوجائے انہیں ڈھونڈا جاسکتا ہے لیکن جو......"

"وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ میں جانتا ہوں — کبھی ایسا نہیں کرسکتے۔ حقیقت کے پیچھے چھپی، حقیقت کو کبھی کسی نے تلاشنے کی کوشش نہیں کی۔ میں اپنی اس کوشش کو کبھی ختم نہیں کرسکتا۔" حویز کے لہجے میں عزم تھا۔ جانے کیوں اتنے سال گزرنے کے بعد بھی اس کا عزم اور یقین ویسا ہی تھا جیسا روز اول تھا۔ ایزل مسکرادی۔ اسے مسکراتا دیکھ کر حویز نے اپنی آنکھوں کو سکیڑا۔

"میرا مذاق اُڑا رہی ہو؟" اس نے مصنوعی غصے سے ایزل کو گھورا۔

"ہاں، اُڑا رہی ہوں۔" ایزل نے کہا۔

اس کی ہنسی کو ہولے سے قہقہے میں بدلتے دیکھ کر حویز کا مصنوعی غصہ، جانے کہاں گم ہوگیا اور وہ خود بھی ایزل کے ساتھ ہنسنے لگا۔

حویز علی ہنس بھی سکتا ہے۔ اگر اس کے خاندان کا کوئی بھی فرد اسے یوں ایزل سے بات کرتے اور ہنستے دیکھ لیتا تو شاید حیرت کے جھٹکے سے بے ہوش ہوجاتا۔

حویز نے برگر کھانے کے بعد اس کے ریپر کو گول مول کیا اور ٹیبل پر رکھے ایزل کے بیگ کے اوپری پاکٹ میں رکھ دیا۔

"حویز کے بچے!"

ایزل نے جلدی سے اپنے ہاتھ میں موجود برگر کو پلیٹ میں رکھا اور اپنے بیگ سے ریپر نکال کر جیسے ہی حویز کی طرف پھینکنا چاہا، تب تک حویز اپنی



Scanned with CamScanner

جگہ چھوڑ کر خاصے فاصلے پر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ "شرم تو نہیں آتی، ایسے بچوں کی طرح حرکت کرتے ہوئے؟"

ایزل نے کہتے ہوئے وہ کاغذ کی بنی ہوئی گیند اس کی طرف اچھال دی۔

وہ حویز کو لگنے کے بجائے سامنے سے آتے اسٹوڈنٹس میں سے ایک کے سر پر جا لگی۔

ایزل نے شرمندگی سے فوراً اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

"ہیلو مس! یہ کیا بدتمیزی ہے؟" وہ لڑکا اب اسی میز کے پاس آکر اس سے استفسار کر رہا تھا۔

"وہ... میں" ایزل اٹک گئی۔

"کیا؟"

اس لڑکے نے غصے سے ایزل کو آنکھیں دکھائیں۔ "سوری، وہ مجھے مار رہی تھی، غلطی سے تمہیں لگ گیا۔"

عقب میں کھڑا حویز کہتے ہوئے آگے بڑھا۔

اس لڑکے سے کہنے کے بعد اس نے ایزل کو بازو سے پکڑا اور اپنے ساتھ کینٹین سے باہر لے آیا۔

"کیا کرتی ہو تم۔ ایک دم سے یوں ڈر کر کھڑی ہو جاتی ہو، جیسے کوئی تیسری کلاس کی طالبہ ہو۔ جواب کیوں نہیں دیتیں؟"

حویز آگے چلتے ہوئے غصے سے اسے ڈانٹتا جا رہا تھا۔

"کیا ہے؟ سارا غصہ، ناراضی، لڑائی تمہیں مجھ سے ہی کرنی آتی ہے۔ بی کنفیڈنٹ، ایزل! یہ زندگی ہے۔ اس میں ہمیں بہت دور تک چلنا ہے۔ اگر ڈر کر چلیں گے تو لوگ ہمیں ڈراتے جائیں گے۔ ہمیں ڈرنا نہیں ہے، سمجھی تم؟"

وہ اپنی انگلی اٹھائے اسے سمجھا رہا تھا، اور جواب میں ایزل نے ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"گڈ۔ چلو آؤ، اب آخری پیریڈ تو اٹینڈ کر لیں۔"

حویز نے کہا تو ایزل مسکرا دی۔

یونی ورسٹی کے بعد حویز اپنے دوستوں کے ہمراہ کمبائن اسٹڈی کے لیے ہاشم کے گھر آگیا تھا۔ یہ وہی سب دوست تھے جو اس کے ساتھ اکیڈمی میں پڑھا کرتے تھے۔ یونیورسٹی کے بعد حویز اپنا وقت ضائع کرنے کے بجائے ان کے ہاں پڑھنے کے لیے آجایا کرتا تھا۔

اس وقت بھی وہ سب اپنے نوٹس مکمل کر کے فارغ ہوئے تو رات کے آٹھ بج چکے تھے۔

حویز نے اپنی چیزیں سمیٹ کر بیگ میں ڈالیں اور اجازت طلب نظروں سے ہاشم کی طرف دیکھا۔ "میں تو کہہ رہا ہوں آج یہیں رک جاؤ، ہم سب نے ایک پلان بنایا ہوا ہے۔"

ہاشم نے حویز کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی۔ "نہیں، ماما میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

حویز نے کہتے ہوئے کچھ یاد آنے پر اپنی جیب سے فون نکالا اور اسکرین کی طرف دیکھا، جہاں طاہرہ بیگم کی چار مسڈ کالز شو ہو رہی تھیں۔

اسٹڈی کے ٹائم پر چونکہ وہ فون سائلنٹ پر لگا دیتا تھا، اس لیے اسے ماں کی کالز کا پتا نہیں چلا تھا۔

"اچھا، میں اب چلتا ہوں" اس نے کہہ کر ہاشم سے ہاتھ ملایا اور سب کی طرف ہاتھ اٹھا کر خدا حافظ کہا، اور ہاشم کے گھر سے نکل آیا۔

وہ ذہن میں اپنی ماں کی ڈانٹ اور ان کی ناراضی سے بچنے کے لیے تمام ممکنہ جوابات سوچتا ہوا ہاشمی ہاؤس میں داخل ہوا۔

جہاں کا ماحول معمول سے کچھ الگ لگ رہا تھا۔

حویز نے ایک نظر گھر کی مین عمارت کی طرف ڈالی، پھر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا دائیں جانب بنی اس انیکسی کی سمت بڑھ گیا، جہاں وہ اور اس کی ماں پچھلے تیرہ سال سے رہ رہے تھے۔

وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ لاؤنج روشن تو تھا، لیکن صبح کی طرح اس وقت بھی کسی ذی روح

کے وجود سے خالی تھا۔ اس نے ماں کے کمرے اور کچن میں دیکھا، وہاں بھی اس کی ماں موجود نہیں تھیں۔

حویز نے گہری سانس لے کر کھلے دروازے کے سامنے بنی اس عمارت کی طرف دیکھا، جہاں اس وقت اس کی ماں موجود تھیں۔

سر جھٹکتے ہوئے اپنے اعصاب کو ڈھیلا چھوڑا اور اپنے کمرے کی سمت بڑھ گیا۔

شاور لینے کے بعد جب وہ تولیے سے اپنے بال رگڑتا ہوا کمرے میں واپس آیا تو اس کا فون بج رہا تھا۔ حویز نے آگے بڑھ کر ٹیبل پر پڑا فون اٹھایا۔ ماں کی کال تھی۔ اس نے فون کان سے لگا لیا۔ "تم گھر آ گئے ہو؟"

اس کی ماں فکرمندی سے پوچھ رہی تھیں۔ "جی، ممّا گھر میں ہوں۔ آپ کہاں ہیں؟ میں نے آپ سے کتنی بار کہا ہے، جب میرے گھر آنے کا ٹائم ہوا کرے، آپ وہاں مت جایا کریں۔"

وہ جانے کیوں ماں سے ناراض ہو رہا تھا۔

"اچھا، اب غصہ مت کرنے لگ جانا۔ تم ایسا کرو، جلدی سے یہاں آ جاؤ۔"

انہوں نے حکم صادر کیا۔

"پھوپھو، حویز سے بات کر رہی ہیں؟"

ایمن کی آواز ایئر پیس سے ابھر کر اس کے کانوں سے ٹکرائی، اور وہ جی بھر کر بدمزہ ہو گیا۔

"میں نہیں آ رہا۔ میں کھانا کھا کر سونے لگا ہوں۔"

وہ ماں سے کہتے ہوتے ہوئے فون بند کر گیا۔

اور اس سے پہلے کہ وہ اپنے کمرے سے نکل کر کچن کی طرف بڑھتا، اس کا فون دوبارہ بجنے لگا۔ اس نے پلٹ کر فون اٹھایا۔

"ماما، مجھے کھانا چاہیے، بہت بھوک لگ رہی ہے مجھے، آپ گھر واپس آ جائیں۔"

اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم بولتیں، ایمن بول پڑی تھی۔

"میں ابھی آپ کو کھانا بھجوا دیتی ہوں۔"

ایمن کی آواز جیسے ہی حویز کے کانوں سے ٹکرائی، بھوک سے برا حال ہونے کے باوجود اس نے بنا کچھ کہے فون بند کر کے اپنا فون بیڈ کی سمت اچھال دیا۔

"پتا نہیں میری ماں کو کیوں ان لوگوں میں گھسنے کا شوق ہے۔"

حویز بڑبڑایا تھا۔ پھر پیٹ میں دوڑتے چوہوں کی ریس کے آگے ہار کر وہ کچن کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

طاہرہ بیگم کی عادت تھی کہ وہ فریج میں ہمیشہ دو تین سالن بنا کر رکھتی تھیں، تاکہ اگر انہیں ایمرجنسی میں کہیں جانا پڑ جائے تو حویز بھوکا نہ رہے۔ اس وقت بھی فریج میں دو سالن موجود تھے۔ اس نے اپنی پسند کی جلفریزی کا ڈونگا فریج سے نکالا اور اوون میں رکھ کر ٹائمر سیٹ کر دیا۔

وہ اب کچن میں موجود ٹیبل پر پڑے ہاٹ پاٹ کی طرف بڑھا، جس میں کچھ دیر پہلے ہی طاہرہ بیگم اس کے لیے روٹیاں بنا کر رکھ گئی تھیں۔

کچن کے دروازے پر کوئی آ کر رکا تھا۔

حویز نے روٹی ہاٹ پاٹ سے نکال کر پلیٹ میں رکھی اور گرم کرنے کے لیے اوون کی طرف بڑھا۔ دروازے پر موجود وجود مسکراتا ہوا آگے بڑھا اور ہاتھ میں موجود ٹرے کو ٹیبل پر رکھ دیا۔ کھٹکے کی آواز پر حویز چونکا اور پلٹا۔

اپنے سامنے موجود ایمن کو دیکھ کر اس کی پیشانی پر کئی لکیریں ایک ساتھ نمودار ہو گئیں۔

"ماما یہاں نہیں تو تم یہاں کیوں آئی ہو؟" وہ تپش زدہ لہجے میں ایمن کو گھور رہا تھا۔

لمحے بھر کے لیے ایمن کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا، لیکن اگلے ہی لمحے اس نے خود کو سنبھال لیا۔

"خود ہی تو کہہ رہے تھے کہ بھوک لگ رہی ہے، تو میں۔"



Scanned with CamScanner

"وہ میں اپنی ماں سے کہہ رہا تھا۔"
لہجے کی تپش اب آنکھوں میں بھی آ چکی تھی۔
ماں کی کل رات کی کہی گئی بات ایک جھٹکے سے حویز کے کانوں میں گونجی تو اس کا موڈ اور بھی بری طرح بگڑ گیا۔
"یہ ٹرے اٹھاؤ اور یہاں سے جاؤ۔"
وہ حکمیہ انداز میں کہتا ایمن کو گھور رہا تھا۔
"کھانا ہی ہے، کھالو۔"
اس وقت جانے کیوں ایمن روہانسی ہو گئی تھی۔
"جو میں نے کہا ہے وہ سنو۔"
حویز بے لچک لہجے میں کہتا ہوا پلٹا تھا۔
ایمن اس وقت اسے بہت کچھ سنانا چاہتی تھی، لیکن زندگی میں پہلی بار وہ بنا کچھ کہے پلٹ گئی۔
"اپنی ٹرے بھی اٹھا کر لے جاؤ۔"
اس کے لہجے میں کسی قسم کی رعایت نہیں تھی۔
وہ اب آرام سے بیٹھا کھانا کھا رہا تھا، جو اس نے اپنے لیے گرم کیا تھا۔ ایمن غصے سے آگے بڑھی، ٹیبل پر رکھی ٹرے اٹھائی اور اپنے پورشن میں آ کر اسے کچن کی شیلف پر رکھ دیا۔ پھر وہ واپس لاؤنج میں بیٹھی طاہرہ بیگم کے پاس آئی اور ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔
"ایمن، میری جان! کیا ہوا؟" طاہرہ بیگم اس کے رونے پر خاصی گھبرا گئی تھیں۔ وہ اس کے آنسو صاف کرتی، محبت سے اسے پچکارتی پوچھ رہی تھیں۔
"حویز نے ڈانٹا ہے۔ میں تو اس کے لیے کھانا لے کر گئی تھی۔"
"اور وہ......" سوں سوں کرتی شکایت لگانے لگی۔
"اچھا پلیز، تم رونا بند کرو۔ میں خود اس سے بات کرتی ہوں، بلکہ اسے ڈانٹتی ہوں کہ اس نے تمہیں کیوں ڈانٹا۔ دیکھو، ابھی سب ایئرپورٹ سے پہنچنے ہی والے ہیں۔ بھائی، بھابھی کے ساتھ ساتھ امریکہ سے چھوٹی پھپھو بھی اپنی فیملی کے ہمراہ آ رہی ہیں۔ سب تمہارا موڈ آف دیکھیں گے تو ان کا موڈ بھی آف ہو جائے گا۔ میری پیاری بچی ہو نا، جا کر فیس واش کرو۔ میں حویز کو خوب ڈانٹوں گی کہ اس نے میری لاڈو کو کیوں ڈانٹا۔"
طاہرہ بیگم نے محبت سے ایمن کو پچکارا۔
ایمن نے خلاف عادت ان کی بات مان لی۔
وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔
عقب میں بیٹھی طاہرہ بیگم نے سکون کا سانس لیا اور دل ہی دل میں حویز کو خوب صلواتوں سے نوازا تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق، دس پندرہ منٹ میں ہی سب درانی ہاؤس میں وارد ہونے والے تھے، چھوٹی یمن، اس کا شوہر اور دونوں بچے پورے بارہ سال کے بعد پاکستان واپس آئے تھے۔ طاہرہ والہانہ انداز میں امینہ سے ملی تھیں اور بار بار مشعل اور فیضان کو اپنے ساتھ لگا کر پیار کر رہی تھیں۔
"ماشاء اللہ، دونوں اتنے بڑے ہو گئے ہیں، جب گئے تھے تب بارہ اور دس سال کے تھے اور اب..." طاہرہ بیگم نے کہا اور مسکرا کر بھانجی کو ایک بار پھر اپنے ساتھ لگا لیا۔
"اس رات درانی ہاؤس میں خوشیاں اتری ہوئی تھیں۔ سب کھانا کھانے کے بعد باتوں میں مصروف تھے کہ جب کوئی تیسری چوتھی بار امینہ نے حویز کے بارے میں پوچھا تھا "کہیں باہر گیا ہوا ہے؟"
طاہرہ بیگم کی خاموشی سے امینہ نے خود ہی اندازہ لگایا، "نہیں، باہر تو نہیں گیا ہوا، یہیں ہے، لیکن تھکا ہوا ہے، تو جلدی سو گیا۔"
طاہرہ بیگم جانتی تھیں حویز ان کے لاکھ کہنے کے باوجود ان کے بیچ آ کر نہیں بیٹھے گا، اسی لیے انہوں نے جلدی سے بہانہ گھڑا تھا۔
"لیکن پھر بھی،" "ایسی بھی کیا...؟"
اس سے پہلے کہ امینہ اپنی بات پہ اڑی رہتیں، تنزیلہ بھابی نے سویٹ ڈش اٹھا کر ان کے سامنے



Scanned with CamScanner

بڑھائی: "یہ ٹیسٹ کرکے بتاؤ، کیسی بنی ہے؟ میں نے اسپیشل آپ لوگوں کے لیے تیار کروائی ہے۔" تنزیلہ بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم نے ایسے ہی تکلف کیا، تنزیلہ، ہم لوگوں کا ارادہ سیدھا اپنے گھر جانے کا تھا۔" شہزاد صاحب، تنزیلہ کے سگے بھائی بھی تھے اور اس کی نند کے شوہر بھی۔ انہوں نے ہنستے ہوئے بہن سے شکوہ کیا۔

"میں نے کب آپ کو گھر جانے سے منع کیا؟ چند دن سکون سے یہاں رہیں۔ اتنے سالوں سے تو گھر بند پڑا ہے، بہت سی چیزیں خراب ہو چکی ہوں گی۔ آپ لوگوں کے جانے کے بعد پہلے کچھ عرصہ تو میں آتی جاتی رہی تھی، اپنی نگرانی میں صفائی وغیرہ بھی کروا دیتی تھی، لیکن پھر آپ کو پتا ہے مصروفیت ایسی ہوتی ہے کہ ٹائم نکالنے پہ بھی ٹائم نہیں ہوتا۔ زیادہ تر مدثر کے ٹورز بھی مجھے مصروف رکھتے ہیں، آسٹریا جاتا ہے، وہاں سے دبئی، دبئی سے شارجہ... بس اسی میں ان کی اور میری زندگی گزر گئی۔" تنزیلہ نے ہنستے ہوئے کہا تو باقی سب نے تائیدی انداز میں سر ہلا دیا تھا۔

یہ دولت، یہ شان و شوکت، ہمیشہ سے درانی ہاؤس کا حصہ نہیں رہی تھی۔ یہ تو چند برسوں پہلے کی بات تھی جب شہزاد صاحب نے امریکہ جانے اور مدثر درانی نے اپنے خاندانی کاروبار کو چھوڑ کر لیدر کا ایکسپورٹ امپورٹ کا بزنس اسٹارٹ کیا تھا پھر اس کے بعد انہوں نے کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔ تسخیر کرنے کو اور بھی آسمان ہیں کے مصداق وہ ہر روز اپنی پرواز کو بڑھاتے جا رہے تھے۔ پیسہ، دولت، وافر مقدار میں میسر آ جائیں تو پھر وقت کی کمی اسی طرح ہو جاتی ہے۔

لیکن آج تو بات الگ تھی۔ امینہ اور شہزاد پچھلے سال سے ہی پاکستان آنے کا پروگرام بناتے ہوئے تھے اور ان کی آمد کے انتظار کی ہی وجہ سے مدثر صاحب نے دبئی کی میٹنگ کینسل کر دی تھی۔

"آج اماں ابا زندہ ہوتے ہیں تو کتنے خوش ہوتے۔ ہے نا..." امینہ کو اپنے والدین کی یاد ستا گئی تھی اور یہ اسی یاد کا اثر تھا کہ اس رات تھکاوٹ کے باوجود ان تینوں بھائی بہنوں نے اپنے بچپن کے دن اور اپنے والدین کو یاد کرتے ہوئے گزار دی تھی۔

تنزیلہ اور شہزاد کچھ دیر تو ان کے ساتھ بیٹھے رہے، لیکن پھر شہزاد نے معذرت کرتے ہوئے بہن کی طرف دیکھا۔ تنزیلہ بیگم نے بھائی اور بھابی کے لیے تیار کروائے ہوئے بیڈ روم کی طرف اشارہ کیا۔

مشعل اور فیضان تو پہلے ہی وہاں سے اٹھ کر ایمن کے ساتھ اس کے کمرے میں جا چکے تھے۔

صبح کی اذان کے ساتھ ہی ان کی یہ محفل برخاست ہوئی تھی۔ طاہرہ بیگم اپنے گھٹنوں پہ دباؤ ڈال کر اٹھیں اور آہستہ قدموں سے لاؤنج کے دروازے کی سمت بڑھ رہی تھیں۔ "باجی پتا نہیں کیوں آپ نے یہاں رہنے کے بجائے اکیڈمی میں رہنے کو ترجیح دی۔ رک جائیں نا، یہیں سو جائیں!" امینہ نے بہن سے شکوہ کرتے ہوئے انہیں روکنے کی کوشش کی۔

"تم بھی آرام کرو، حویز وہاں اکیلا ہے۔" طاہرہ بیگم کے لہجے میں بیٹے کے لیے محبت چھلک رہی تھی۔ "حویز کوئی چھوٹا بچہ تو نہیں ہے، جو اکیلا نہیں سو پائے گا۔" امینہ نے ہنستے ہوئے کہا، اس بار طاہرہ بیگم نے کچھ بھی کہنے کے بجائے مسکرا کر بہن کی طرف دیکھا اور لاؤنج کا دروازہ پار کر گئیں۔

انہوں نے شام سے بیٹے کو نہیں دیکھا تھا اور اس وقت حویز کو دیکھنے کے بعد نماز فجر کی ادائیگی میں مصروف ہونے والی تھیں۔

☆☆☆

صبح جب حویز یونی ورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا، اس نے ماں کے کمرے میں جھانک کر دیکھا۔ سامنے بیڈ پر طاہرہ بیگم گہری نیند سو رہی تھیں۔ حویز آگے بڑھا، ماں کے ہاتھ پہ بوسہ دے کر مسکرا کر ماں کے چہرے کو دیکھا۔ پھر آہستہ سے

کمرے کا دروازہ بند کیا اور تیز ہو کر یونی ورسٹی کے لیے نکل آیا۔ آج وہ ایزل سے پہلے یونی ورسٹی پہنچ چکا تھا اور یونی ورسٹی کے مین گیٹ کے پاس ہی کھڑا ایزل کا انتظار کرنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد ایزل یونی ورسٹی کے مین دروازے سے مسکراتی ہوئی داخل ہوئی اور حویز کے پاس آ کر رکی۔

"تمہارا یہ آنے کا۔۔۔ ٹائم ہے؟" حویز نے کہا۔ "میرا تو یہی ٹائم ہے۔" ایزل نے اپنی شہد رنگ۔۔ آنکھوں کو حویز کی طرف اٹھا کر کہا۔

"بتاؤ، بھی لیٹ کیوں آئی ہو؟" حویز نے اس کے کندھے پہ لٹکتے بیگ کو ہاتھ سے نیچے کیا۔ بیگ ایزل کے کندھے سے سرک کر ایزل کے ہاتھ میں آ چکا تھا۔ "ایک ضروری کام تھا، وہاں گئی تھی۔" ایزل نے بیگ کو واپس کندھے پر لٹکاتے ہوئے کہا اور قدم کلاس روم کی طرف بڑھا دیے۔

"بات سنو" حویز بھاگتے ہوئے، ایزل کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنے لگا۔ جو اب اپنے پاس سے گزرتے۔۔ اسٹوڈنٹ کو گڈ مارننگ کا جواب دیتی۔ کسی کو ہاتھ ہلاتی آگے بڑھ رہی تھی۔

"مجھے تمہاری یہ عادت سخت زہر لگتی ہے۔" حویز نے دو قدم آگے بڑھاتے ہوئے ایزل کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"ہیلو!" قریب سے گزرتے لڑکے نے ہاتھ ہلا کر ایزل سے ہیلو کہا۔ ایزل نے ہاتھ اٹھا کر اپنی دو انگلیوں کو ہلایا اور ابرو اچکا کر حویز کی طرف دیکھا۔

"کچھ نہیں۔" حویز جیسے اس سے ناراض ہو کر اس کے سامنے سے ہٹ گیا۔

"حویز تم بھی نا!" ایزل اس کے عقب میں لپکی تھی، لیکن وہ اس کے تیز قدموں کا مقابلہ نہیں کر سکی۔ دور جاتے حویز کی پشت کو دیکھ رہی تھی، جو اب دائیں طرف کی راہداری کی سمت مڑ چکا تھا۔ "یہ حویز، بھی نا۔ منٹ میں ناراض ہو جاتا ہے تو ٹھیک ہے، میں بھی اب اس سے۔۔ بات نہیں کروں گی۔"

ایزل منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ اپنے چہرے پر آتی لٹ کو کان کے پیچھے اڑسا اور اپنے قدم کلاس روم کی طرف بڑھا دیے۔

کلاس میں پہنچنے کے بعد، ایزل نے حویز کے ساتھ موجود خالی جگہ پہ بیٹھنے کے بجائے کسی اور جگہ بیٹھنا پسند کیا۔ دونوں کے درمیان طویل ناراضی کا اشارہ تھا جو اب کئی دنوں تک محیط ہونے والی تھی، لیکن جب حویز کو پرواہ نہیں تھی، تو پھر میں بھی کیوں اس کی پرواہ کروں۔ ایزل نے سوچا اور پھر سر کو جھٹک کر کلاس میں داخل ہونے والے سر عرفان کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

حویز یونی سے چھٹی کے بعد یونہی ادھر ادھر سڑکوں پہ بائیک دوڑاتا پھرتا رہا۔ جانے کیوں اس کا آج گھر جانے کو دل نہیں کر رہا تھا۔ یہ نومبر کے شروع کے دن تھے۔ صبح کا سورج، طلوع ہونے کے کچھ دیر بعد ہی اونگھنے لگا۔

وہ اس وقت بھی سڑک کے کنارے بائیک کو روکے، اس کے ساتھ ٹیک لگا کر اپنے دونوں بازو سینے پہ باندھے، اپنے سامنے سے گزرتے لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے لوگوں سے بات کرنا نہیں، بس ان کے چہرے دیکھنا اچھا لگتا تھا، خاص طور پر بچوں کے معصوم چہرے۔ ان کی معصوم باتیں سن کر وہ دل سے مسکراتا تھا۔

ورنہ تو اس کے لیے مسکرانا اتنا آسان نہیں تھا۔ اسے دنیا کا سب سے مشکل کام مسکرانا لگتا تھا، اور اس سے بھی زیادہ مشکل کام خوش رہنا۔ وہ یہ دونوں کام کر ہی نہیں سکتا تھا، کیونکہ خوشی تو دل سے ہوتی ہے۔

اس کا دل۔۔۔۔۔ حویز نے گہری سانس بھری۔ اور چونک کر اپنے سے کچھ فاصلے پر موجود بچے کی آواز پر متوجہ ہوا۔ وہ کوئی آٹھ نو سال کا بچہ ہوگا، جو باپ کا ہاتھ تھامے، اس سے دور جاتے ہوئے غبارہ بیچنے والے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔



Scanned with CamScanner

"پاپا، وہ لینا ہے! پاپا، مجھے وہ لینا ہے!" بچہ اپنے بازو کو سامنے کی طرف پھیلا کر باپ سے کہہ رہا تھا۔ "اچھا بیٹا، تم یہیں رکو، میں لے کر آتا ہوں۔" اس شخص نے کہا اور بچے کا ہاتھ چھوڑ کر غبارے والے کی سمت بھاگا۔

حویز کا شدت سے جی چاہا کہ وہ اس آدمی سے کہے، "ایسے تھوڑی اپنے بچوں کا ہاتھ چھوڑا کرتے ہیں! ہاتھوں کو مضبوطی سے تھاما جاتا ہے کہ کہیں بھیڑ میں وہ ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں نہ چلا جائے۔"

اس کا ہاتھ بھی تو چھوٹا تھا، اور پھر وہ کبھی ان ہاتھوں کو واپس نہیں پا سکا تھا، وہ ہاتھ جسے تھامنے کی تمنا کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ گزرتا وقت اس کے اندر کی شدت کو کم کرنے کے بجائے بڑھا رہا تھا۔

"یہ لو، تمہارا غبارہ۔" وہ شخص لائٹنگ والے دو غبارے لے کر واپس آیا۔ اس نے ان میں سے ایک غبارہ بچے کی طرف بڑھایا۔

"ایک میرا، اور یہ والا؟" بچے نے غبارہ پکڑتے ہوئے اپنے باپ سے سوال کیا۔ "تمہاری بہن کے لیے۔"

بیٹی کے ذکر پر اس آدمی کا چہرہ جگمگا گیا، لبوں کی مسکراہٹ گہری ہوئی۔ "ایک میرا اور ایک چھوٹی بہنا کا۔" بچے نے کہہ کر باپ کی طرف دیکھا، تو اس نے سر ہلا دیا۔

زندگی کا ایک مکمل منظر اس کے عین سامنے تھا۔ وہ بھی تو اپنے بابا کے ساتھ ہاتھ پکڑ کر جاتا تھا، کبھی پارک میں جھولے لینے، کبھی اسکول کی چیزیں خریدنے۔ اس لیے سب سے زیادہ اچھا اسے اپنے بابا کا ہاتھ پکڑ کر چلنا لگتا تھا، لیکن وہ ہاتھ یوں چپکے سے اس کے ہاتھ سے نکل گیا کہ وہ پھر کبھی ان ہاتھوں کو تھام نہ سکا۔

وہ ان ہاتھوں کو کبھی اپنے ہاتھوں سے جدا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ ان کے ہاتھوں کو پکڑ کر دور تک چلنا چاہتا تھا، یہاں تک کہ چھوٹے چھوٹے ہاتھ طاقت سے بھر جاتے اور وہ اپنے مضبوط ہاتھوں میں ان کا نحیف ہاتھ تھام کر دنیا کی رنگینیاں دکھانے کے لیے گھر سے باہر لے جایا کرتا۔ ہاں وہ ایسا ہی کرتا اور ایسا ہی کرنا چاہتا تھا، لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ وہ تو اس کے جوان ہونے سے پہلے ہی جدا ہو گئے، بچھڑ گئے، اور وہ ابھی اس ہجر کو ذہنی طور پر قبول نہیں کر پایا۔

جانے اسے کیوں لگتا تھا کہ یہ جدائی وقتی ہے، وہ ان سے ضرور ملے گا۔ بس اسے یہ نہیں پتا تھا کب؟ حویز کی آنکھیں نم ہوئی تھیں اور وہ اپنی آنکھوں کی نمی کو دوسروں سے چھپا کر اپنی بائیک اسٹارٹ کرنے لگا۔ اسے ابھی بھی گھر جانے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی وہ گھر جانے والے راستے کی جانب بڑھا تھا۔

"یہ کوئی تمہارے گھر آنے کا ٹائم ہے؟" طاہرہ بیگم نے دیوار گیر گھڑی کی طرف نگاہ کی، جہاں ساڑھے نو بج رہے تھے۔ "امینہ کو آئے دو دن ہو گئے، دن میں کتنی ہی بار وہ مجھ سے تمہارے بارے میں پوچھتی ہے، اور تو اور مشعل اور فیضی بھی، آج تو شہزاد بھی تمہارے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"ایسی بھی کیا مصروفیت ہے کہ تم اپنی اکلوتی خالہ سے ملنے کا وقت نہیں نکال پاتے؟"

طاہرہ بیگم خاصے غصے میں حویز سے پوچھتی — اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھی تھیں۔

حویز نے مسکراتے ہوئے اپنی بریانی کی خالی پلیٹ ٹرے میں رکھی اور ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"ویسے ایک بات بتاؤں؟ آپ غصے میں اور بھی زیادہ اچھی لگتی ہیں، یہ بات کبھی بابا نے آپ کو بتائی تھی کیا؟" حویز نے ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے ماں کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"شرم کیا کرو! دوست نہیں ہوں، میں تمہاری ماں ہوں!" طاہرہ بیگم نے حویز کے کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ مارا اور غصے سے گھورا۔

"میں تم سے کچھ کہہ رہی ہوں، حویز!" طاہرہ

بیگم کے لہجے میں اب یاسیت بھی ابھر آئی تھی۔

"مل لوں گا، ماما!" حویز نے ماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"رشتے بہت اہم ہوتے ہیں، حویز، اور ہمارے پاس پہلے ہی بہت کم رشتے ہیں۔ جو رشتے ہیں، ان سے تعلق گہرا کرنے کی ضرورت ہے۔ نہ کہ ان رشتوں کو کمزور کرنے کی۔ میں چاہتی ہوں تم اپنے رشتوں کے ساتھ بیٹھو، ہنسو، بالکل ویسے ہی اپنے کزنز کے ساتھ تعلق رکھو جیسے۔"

"میں نے کہا ہے، نا ماما۔ میں مل لوں گا۔" حویز نے ماں کی بات کو کاٹتے ہوئے آہستگی سے کہا، اور اٹھ کر بیڈ کی دوسری طرف پڑے لیپ ٹاپ کو اٹھا کر اپنے سامنے رکھا اور آن کرنے لگا۔

یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ وہ اب مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔ طاہرہ بیگم نے گہرا سانس لے کر بیٹے کی طرف دیکھا اور ایک طرف پڑی کھانے کی ٹرے اٹھا کر کمرے سے باہر جانے کے لیے دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

حویز نے لیپ ٹاپ سے سر اٹھا کر کمرے سے باہر جاتی ماں کی پشت کو دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر لیپ ٹاپ بند کر دیا۔ اس نے خود کو پشت کے بل بیڈ پر گرایا اور چھت پر لگے پنکھے کی طرف دیکھنے لگا۔

اس سے پہلے کہ وہ خود کو ماضی کی یادوں کے سمندر میں ڈوبتا ہوا دیکھتا، کمرے میں موجود فون کی بیل شدت سے بج اٹھی۔

ایزل کی کال تھی! حویز کو یاد آیا وہ یونہی میں اس سے ناراض ہوا تھا، اس کے لبوں پہ خود بخود مسکراہٹ بکھر گئی۔

اس نے کال کو ریسیو کرتے ہوئے فون کو اپنے کان سے لگا لیا۔ "میں نے تمہیں یہ بتانے کے لیے کال کی ہے کہ میں تم سے ناراض ہوں۔" ایزل کی آواز حویز کے کانوں سے ٹکرائی اور اس سے پہلے کہ حویز اسے کوئی جواب دیتا، ایزل کال منقطع کر چکی تھی۔ "چہ چہ یہ لڑکی بھی کتنی ضدی ہو سکتی ہے!" حویز نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

وہ ابھی ایزل کو کال بیک کرنے ہی والا تھا کہ اس کے فون کی اسکرین پر ایزل کا میسج شو ہونے لگا۔

حویز نے میسج اوپن کیا اور پڑھنے لگا۔ "مجھے پتا ہے تم سوری کہنے کے لیے مجھے کال بیک کرو گے، اس کی ضرورت نہیں ہے، تم ایسا کرو مجھے ایسے ہی سوری کر لو، میرا مطلب ہے میسج میں سوری کر لو۔ میں تو سونے لگی تھی پھر سوچا ایزل اتنا ظلم کرنا اچھی بات نہیں، تم تو آرام سے سو جاؤ گی۔ اور بے چارا حویز پریشان ہو کر کبھی تمہیں میسج کرے گا تو کبھی کال، میں نے ٹھیک سوچا نا؟"

میسج پڑھتے ہی حویز کے لبوں پر مسکراہٹ قہقہے میں بدل گئی تھی۔ اس نے فوراً جواب ٹائپ کیا۔

"ہاں، ٹھیک سوچا، بلکہ بہت اچھا سوچا۔"

"دیکھا میں ہوں جینئس!" ایزل کا میسج ملا اور ساتھ میں اس نے مسکراتا ہوا ایموجی بھی سینڈ کیا تھا۔

"ہاں بہت جینئس ہو، اس میں تو کوئی شک نہیں۔" حویز نے میسج کیا۔

"یہ تعریف ہے یا انسلٹ؟" ساتھ میں سوچتا ہوا ایموجی بھی موصول ہوا تھا۔ حویز ہلکا سا ہنسا۔ "آف کورس تعریف میں کہہ رہا ہوں۔ میری اتنی مجال کہ تمہاری شان میں کوئی گستاخی کروں؟ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتا۔"

اور پھر یونہی باتیں کرتے کرتے کب گھڑی کی سوئیاں بارہ بجا گئیں، دونوں کو احساس ہی نہیں ہوا۔

"اب مجھے سچ میں نیند آ رہی ہے، گڈ نائٹ!" ایزل نے جمائی لیتے ہوئے میسج کیا اور فون رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ ایزل کے گڈ نائٹ کے بعد حویز نے بھی موبائل ایک طرف رکھا اور سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔

آسمان پر چمکتے چاند کی چاندنی اس لمحے جانے کیوں اور بھی تیز ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے چاند محبت سے انجان دو لوگوں کی محبت کو محسوس کر رہا ہو، محبت کی خوشبو کو اپنے اردگرد پھیلا ہوا محسوس کر رہا

تھا۔
اور اس سب سے پرے کوئی اور بھی تھا، جو محبت کی لپیٹ میں اپنے دھڑکتے دل کی دھڑکن کو محسوس کر کے مغرور سا ہو رہا تھا۔

مانو اسے یہ محبت اپنے ہاتھ بڑھانے جتنی دور محسوس ہو رہی تھی۔ محبت کر کے اسے پانا اسے قطعاً مشکل نہیں لگ رہا تھا۔

اس کے لبوں پر مسکراہٹ ابھری اور لمحہ بہ لمحہ گہری ہوتی چلی گئی۔

چاند کی چاندنی کھڑکی سے نظر آتی اس لڑکی کو دیکھ کر مدھم ہوئی، اور اگلے ہی لمحے چاند نے خود کو بادل کے ٹکڑے کی اوٹ میں چھپا لینا ہی مناسب سمجھا تھا۔

☆☆☆

حویز چونکہ رات دیر سے سویا تھا، اور ویک اینڈ ہونے کی وجہ سے دیر سے ہی جاگا تھا۔ شاور لینے کے بعد فریش ہو کر اپنے کمرے سے باہر آیا تو کچن سے آتی آوازوں کی سمت بڑھ گیا، جہاں طاہرہ بیگم رضیہ کو ٹھیک سے کام کرنے کی ہدایات دے رہی تھیں۔

"جاگ گئے تم؟" طاہرہ بیگم نے بیٹے کی طرف مڑ کر کہا، جو فریج سے پانی کی بوتل نکال کر کھول رہا تھا۔

"ماما، آپ بھی نا! ظاہری بات ہے، آپ کے سامنے کھڑا ہوں تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ میں جاگ گیا ہوں!" حویز نے خوش گوار انداز میں ماں کو چھیڑا اور پلٹ کر ریک سے گلاس اٹھانے کے لیے آگے بڑھا۔

حویز کے ذرا سا دور جانے پر رضیہ فوراً طاہرہ بیگم کے قریب کھسکی تھی۔

"آج کل حویز صاحب کچھ زیادہ ہی خوش رہنے لگے ہیں، کہیں انھیں کوئی لڑکی تو پسند نہیں آ گئی؟" رضیہ نے سرگوشیانہ انداز میں طاہرہ بیگم سے پوچھا۔

"مجھے جب بھی کوئی لڑکی اچھی لگے گی تو سب سے پہلے میں ماما کو بتاؤں گا رضیہ خالہ، اور ہمیشہ کی طرح ماما آپ کو سب سے پہلے بتائیں گی، آپ فکر مت کریں۔" حویز نے گلاس سے پانی اپنے حلق سے اتارتے ہوئے رضیہ کو چھیڑا، جس کی آواز کم ہونے کے باوجود بھی اتنی کم نہیں تھی کہ وہ ان کی بات سن نہ پاتا۔

"نہیں، وہ تو میں ایسے ہی۔" رضیہ گڑبڑائی اور پھر خود ہی کھسیانی ہنسی ہنس پڑی۔

حویز کو تھوڑی دیر کے لیے لائبریری جانا تھا، اسے کتابیں چاہیے تھیں، اسی لیے وہ ناشتہ کرنے کے بعد لائبریری چلا آیا تھا۔ پروگرام تھا کہ وہ گھنٹہ دو گھنٹے لائبریری میں گزارنے کے بعد گھر واپس آ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وجہ اس کے فون پر آنے والی کال تھی۔

چوتھی بار فون کال آنے پر اس نے ایمن کی کال اٹینڈ کی۔

"بولو۔" حویز کے لہجے میں جہاں بھر کی سنجیدگی در آئی تھی۔

"آج تو ویک اینڈ ہے نا، تم کہاں ہو؟" ایمن کا اتنی بے تکلفی سے کیا گیا سوال حویز کو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔

"عجیب سوال ہے!" حویز کا لہجہ اکھڑا ہوا تھا، اور اس کا یہ انداز ایمن کو اچھا خاصا روکھا کر گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ ایمن اس سے کوئی اور سوال کرتی، حویز اس کی کال ڈس کنیکٹ کر چکا تھا۔

حویز کو ایمن کی بے تکلفی بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود اس نے سالوں سے کبھی ایمن کو بلانے یا مخاطب کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی، اس دن کے بعد تو بالکل بھی نہیں، جس دن...... سامنے رکھی کتاب کے لفظ آپس میں گڈمڈ ہونے لگے تھے۔

حویز نے اپنے سر کو جھٹک کر دھیان ہٹانے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ اس وقت جیسے یادوں کے سامنے بے بس سا ہو گیا تھا۔ اس نے بے کلی اور بے



Scanned with CamScanner

چھٹی سے اپنے سامنے کھلی ہوئی کتاب کو بند کیا اور لائبریری سے اٹھ کر سڑکوں پر اپنی بائیک دوڑاتا چلا گیا۔

اسے خود نہیں پتا تھا کہ اس کی بائیک اس عمارت کے سامنے کیوں اور کیسے آکر رکی تھی۔ اس نے سر اٹھا کر عمارت کے باہر لگے بورڈ کو دیکھا، جس پر "پولیس اسٹیشن" بڑے بڑے حروف میں لکھا ہوا تھا۔

وہ جب یہاں آ ہی گیا تھا تو واپس کیوں جاتا۔

وہ بائیک سے اترا، بائیک پارک کرنے کے بعد پولیس اسٹیشن کے اندرونی حصے کی طرف بڑھتا چلا گیا، جہاں موجود کانسٹیبل اسے دیکھتے ہی جز بز ہو کر اپنا پہلو بدل رہا تھا۔

"یار، تو چھٹی کے دن بھی آ گیا، چھٹی کے دن تو انجوائے کر لیا کر!" کانسٹیبل اختر نے اپنی بڑی سی توند پر خارش کرتے ہوئے منہ بنا کر حویز سے کہا۔

"مجھے انسپکٹر صاحب سے ملنا ہے۔" اپنے دونوں ہاتھ ٹیبل پر رکھ کر ذرا سا جھکتے ہوئے حویز نے کہا۔

"یار، بعد میں آنا، انسپکٹر فضل کا ٹرانسفر ہو گیا ہے، اور پرانے والے ایس ایچ صاحب بھی ٹرانسفر ہو کر دور چلے گئے ہیں۔"

"تو پھر جو بھی ہیں، مجھے ان سے بات کرنی ہے۔" حویز کے لہجے میں ضد نمایاں تھی۔

"دیکھ، ضد کرنے کی کوئی بات نہیں، جیسے ہی پتا چلا ہم تمہیں فوراً بتا دیں گے، تمہارا نمبر ہمارے پاس ہے، تم فکر مت کرو۔"

کانسٹیبل اختر نے اسے تسلی دی۔

"کب پتا چلے گا؟ اتنے سال تو ہو گئے، ڈھونڈو پلیز!" حویز کہتا ہوا کانسٹیبل کے سامنے پڑی کرسی پر آ بیٹھا۔ "تمہیں ایک بات سمجھنے کی ضرورت ہے، اور وہ بات یہ ہے کہ ڈھونڈا تو اسے جاتا ہے جو گم ہو جائے، اب جب بندہ خود چھپ کر بیٹھ جائے، ایسے بندے کو ڈھونڈنا ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔"

کانسٹیبل نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں چھپ کر بیٹھیں گے؟ ایسی کوئی وجہ نہیں ہے، اور نہ ایسی کوئی وجہ تھی جو انہیں ایسا کرنا پڑتا۔"

"کبھی کبھی نا مجھے تم پر بہت پیار آتا ہے، اور سچ کہوں تو کبھی کبھی مجھے تم پر غصہ بھی بہت آتا ہے، وہ اس لیے کہ وجہ تو صاف ہی ہے، اور وہ وجہ تھی پیسہ۔ پچاس لاکھ کوئی چھوٹی رقم نہیں ہوتی پیارے، اتنی بڑی رقم کو دیکھ کر بڑے بڑوں کا ایمان ڈول جاتا ہے چند سالوں کے بعد تمہاری تلاش ختم ہو جائے، ہو سکتا ہے تمہارا ہی خیال کر کے وہ لوٹنے پہ مجبور ہو جائیں۔ دیکھو، یہاں کا چکر کاٹنے سے کچھ نہیں ہونے والا، دعا کرو شاید تب کچھ ہو جائے۔ اب تم جاؤ گے تو پھر میں اپنا کام شروع کروں گا۔"

کانسٹیبل نے اپنی کہنیوں کو ٹیبل پہ رکھا اور اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر حویز کی طرف دیکھا۔

"میں ایس ایچ او صاحب سے ملے بنا نہیں جاؤں گا۔" حویز کے لہجے میں ضد تھی۔

"چل بیٹا، تو پھر یہیں بیٹھا رہ، کیونکہ ایس ایچ او صاحب تو راؤنڈ پہ گئے ہوئے ہیں۔ آنے کو تو ہو سکتا ہے وہ ابھی آ جائیں، اور نہ آنے کو ہو سکتا ہے وہ تین چار گھنٹے میں بھی نہ آئیں۔ میں تو تمہارے بیٹھنے کا عادی ہو چکا ہوں، سکون سے بیٹھو۔ اگر چائے پانی پینے کا موڈ ہوا تو کہہ دینا، تمہارے لیے بھی منگوا لیں گے۔" کانسٹیبل اختر نے کہا اور اپنے سامنے پڑی فائل کو کھول لیا۔

حویز کرسی سے اٹھ کر سامنے بینچ پہ جا بیٹھا۔ بالآخر چار گھنٹے بعد ایس ایچ او صاحب تشریف لائے۔

"سر مجھے آپ سے بات کرنی ہے!" حویز نے پاس سے گزر کر اندر جانے والے ایس ایچ او کو آواز لگائی۔

"ارے کیا کر رہے ہو؟ صاحب ابھی تھک کر



Scanned with CamScanner

آئے ہیں اور تم انہیں روک رہے ہو۔" عقب میں کھڑے پولیس والے نے حویز سے کہا۔ "میں یہاں پچھلے چار گھنٹے سے بیٹھا ہوا انتظار کر رہا ہوں!" حویز نے تیز لہجے میں کہا۔

ایس ایچ او نے پلٹ کر حویز کی طرف دیکھا اور اپنے ساتھ آنے کا کہہ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔ "تم کچھ بھی کر لو، تمہارے کیس میں کوئی دم نہیں۔" کانسٹیبل اختر نے حویز کے عقب میں ہانک لگائی، جسے حویز نے نظر انداز کیا اور آفس کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

"باجی، ایسی بھی کیا مصروفیت ہے جو حویز کے پاس اپنی خالہ سے ملنے کے لیے وقت بھی نہیں؟ مجھے آئے چار دن ہو گئے ہیں اور میں جب بھی اس کے بارے میں پوچھتی ہوں، سننے کو یہی ملتا ہے، وہ کبھی کمبائن اسٹڈی کے لیے گیا ہوا ہے تو کبھی دوستوں کے ساتھ باہر۔ یہ کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔" امینہ نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ میں موجود کپ کو ہونٹوں سے لگایا، ایک شکوہ بھری نظر طاہرہ بیگم کی طرف ڈالی۔

"ارے تم کیوں طاہرہ باجی کو کچھ کہہ رہی ہو؟ جانتی تو ہو، حویز شروع سے ہی ایسا ہے۔ وہ کب کبھی ہم میں گھلا ملا ہے؟ اس کی تو بس اپنی ہی دنیا ہے جس میں وہ خود کے ساتھ خوش رہتا ہے یا پھر اس کی خوشی آوارہ گردی ہے۔" تنزیلہ بیگم نے ناک چڑھا کر کہا۔

طاہرہ بیگم نے بے چینی سے اپنے پہلو کو بدلا۔ اکلوتے بیٹے کے بارے میں بھابھی کی رائے اور لہجہ دونوں ہی انہیں اچھے نہیں لگے تھے، اسی لیے وہ خود کو بولنے سے روک نہیں سکی تھیں۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے، حویز آوارہ گردی نہیں کرتا، بلکہ وہ تو ....."

"اب چاہے وہ تھانے بیٹھا رہتا ہے یا پھر اسٹڈی کے نام پہ دوستوں کے ساتھ محفل سجائے، گھر سے تو باہر ہی رہتا ہے نا!" مدثر صاحب نے قدرے ناراضی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم پھر سے بیٹے کی صفائی میں کچھ کہتیں، حویز بائیک کو کھینچتا ہوا گیٹ پار کر کے اندر آ چکا تھا۔ اس نے اپنی بائیک کو پورچ میں کھڑی قیمتی گاڑیوں کے پاس کھڑا کیا اور سیدھا انیکسی میں جانے کے بجائے لان میں جمی محفل کی طرف بڑھ آیا تھا۔ حویز کا دل تو یہ چاہ رہا تھا کہ وہ سیدھا انیکسی کی طرف بڑھ جائے، لیکن وہ اب ماں کو اس سے زیادہ ناراض نہیں کر سکتا تھا، اسی لیے بادل ناخواستہ ہی سہی وہ لان میں پڑی کرسیوں کے پاس آیا۔

"السلام علیکم۔" حویز نے سب کو مشترکہ سلام کیا۔ وہ الگ بات تھی کہ اس کے لہجے میں کسی بھی قسم کی گرمجوشی مفقود تھی پھر بھی امینہ خالہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور اپنے سے اونچے بھانجے کے لیے اپنے دونوں بازو پھیلا دیے۔

"ماشاء اللہ باجی، حویز تو بہت خوب صورت جوان نکلا ہے۔ میں جب امریکہ گئی تھی تب تو اس کی داڑھی مونچھ بھی نہیں نکلی تھی، اور اب---" امینہ خالہ ستائشی نظروں سے بھانجے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ انہوں نے اس کے چوڑے سینے پہ ہاتھ رکھا اور محبت سے اسے دیکھا۔

امینہ خالہ سے ملنے کے بعد حویز، شہزاد انکل کی سمت مڑا اور سب سے ہاتھ ملایا۔

"ینگ مین، کیسے ہو؟" شہزاد انکل نے پوچھا۔ "میں ٹھیک ہوں" حویز نے مختصر جواب دیا اور ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

"ارے اب ماں کا چہرہ کیا دیکھ رہے ہو؟ آرام سے ہمارے پاس بیٹھ جاؤ، میں تمہارے لیے چائے منگواتی ہوں۔" تنزیلہ ممانی نے کہا۔

بغیر کچھ کہے حویز وہاں موجود خالی کرسی پہ آ بیٹھا۔ وہ ان سب کی طرف متوجہ ہونے کے بجائے اپنے فون کی طرف متوجہ تھا اور یونہی اسکرولنگ کر رہا تھا۔ تنزیلہ ممانی نے اس کے لیے چائے منگوائی اور



Scanned with CamScanner

چینی کے بارے میں پوچھا۔

''مجھے چائے نہیں پینی، آتے ہوئے پی کر آیا ہوں۔'' جویریہ نے سر اٹھا کر کہا اور ساتھ ہی خود بھی کھڑا ہو گیا۔ ''مجھے تھوڑا سا کام ہے۔''

اس سے پہلے کہ امینہ اسے زبردستی روکتیں، وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا اینکسی کی طرف بڑھ گیا۔

تنزیلہ بیگم نے ایک جتاتی ہوئی نظر اپنے شریکِ حیات کی سمت ڈالی، جو جانے کیوں اور کیسے جویریہ کو اپنی اکلوتی بیٹی کے لیے پسند کر رہے تھے۔ بھلا ان کے بھتیجے میں کیا کمی تھی؟ پڑھا لکھا تھا۔ خوب صورت تھا، اور سب سے بڑھ کر امریکن نیشنلٹی ہولڈر تھا۔ اور کیا چاہیے تھا؟ لیکن اس لمحے مدثر صاحب کو سمجھانے کے بجائے بس ایک جتاتی ہوئی نگاہ سے نوازنے کی ضرورت تھی اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔

شریکِ حیات کی وہ نظر محسوس کر کے مدثر صاحب نے شکوہ بھری نگاہ، طاہرہ بیگم کی طرف ڈالی اور پھر شہزاد صاحب کی سمت کی طرف متوجہ ہو گئے۔

طاہرہ بیگم کو جویریہ پہ شدید غصہ آیا، یہ ان کے غصے کا ہی اثر تھا اینکسی میں واپس آنے کے باوجود نہ انہوں نے اس سے کھانے کا پوچھا اور نہ چائے کا۔ ''ماما، اٹس ناٹ فیئر!'' لاؤنج میں بیٹھے جویریہ نے منہ بنا کر کہا۔

طاہرہ بیگم کے ضبط کا الاؤ جیسے پھٹ چکا تھا۔ ''کیا ضروری ہے ہر بار مجھے دوسروں کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے؟ پہلے ہی زندگی میں کاش کم نہیں ہیں جو تم چاہتے ہو ایک اور کاش کی گرہ اپنے دوپٹے کے پلو میں لگا لوں؟ کہاں کمی چھوڑی ہے میں نے تمہاری تربیت کرنے میں، تمہیں اچھا انسان بنانے میں۔ اچھی ویلیوز دینے میں؟''

طاہرہ بیگم روہانسی ہو گئیں۔

صوفے پہ بیٹھا جویریہ جلدی سے نیچے اتر کر ماں کے پاس فرش پہ آ بیٹھا۔

''ماما۔''

''رہنے دو، جویریہ!'' طاہرہ بیگم نے اپنے گھٹنوں پہ رکھے اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا۔ ''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

انہوں نے آنکھوں سے بہتے آنسو دوپٹے کے پلو سے صاف کیے، مگر اگلے ہی لمحے آنکھیں پھر نمکین پانی سے بھر گئیں۔ ''میں نے کیا کیا ہے؟'' جویریہ نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

کیا کیا ہے تم نے؟ تم نے مجھے سب کے سامنے شرمندہ کروا دیا! ہر کسی کے ایک دوسرے کے ساتھ بہت سارے اختلافات ہو سکتے ہیں، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان اختلافات کو ہمیشہ کے لیے دل میں چھپا کر رکھ لو۔ میں نے تمہیں کتنا سمجھایا ہے، جویریہ...... ''تب بھی سمجھایا تھا، لیکن تم۔''

طاہرہ بیگم کے آنسوؤں میں شدت آنے لگی تھی۔

''ماما۔''

جویریہ بے چین ہوا ماں کے ہاتھ کو پکڑا اور نرمی سے دبایا، طاہرہ بیگم نے اگلے ہی لمحے جھٹک دیا تھا۔

''جو کچھ ہوا تھا اس میں کسی کا کوئی قصور نہیں تھا، تو پھر تم سب سے اس ناکردہ گناہ کا حساب کیوں لینا چاہتے ہو۔ جس میں کوئی ملوث نہیں تھا؟ دغا بازی اور بے ایمانی تو......''

''وہ ہمارے ساتھ بے ایمانی نہیں کر سکتے، وہ کبھی بے ایمانی نہیں کر سکتے ماما!'' جویریہ نے تیزی سے کہا، پھر خود ہی اپنے لہجے کی تندی محسوس کر کے اس نے خاموش ہو جانا مناسب سمجھا۔

''اور میں کسی سے کوئی حساب نہیں لے رہا ہوں۔ میں سب سے اتنا ہی مل سکتا ہوں اور مل لیتا ہوں نا ہاں، اگر آپ یہ چاہتی ہیں کہ میں ان لوگوں کے بیچ میں بیٹھوں، باتیں کروں، ہنسوں، قہقہے لگاؤں، تو یہ نہیں ہو سکتا۔ میں یہ سب نہیں کر سکتا۔'' جویریہ کا لہجہ دوٹوک تھا۔

''ایسے مت کرو، جویریہ۔ مدثر نے مجھ سے خود



Scanned with CamScanner

تمہارے اور ایمن کے لیے بات کی ہے، حالانکہ تنزیلہ بھابھی اس بات سے بالکل بھی خوش نہیں ہیں۔''

اس سے پہلے کہ طاہرہ بیگم اپنی بات مکمل کرتیں، خاموش بیٹھا حویز بول پڑا، ''اچھی بات ہے، تنزیلہ ممانی اس بات پر راضی نہیں اور میں خود بھی اس معاملے میں اُن کے ساتھ ہوں۔ اس لیے آپ بھی ایسا کچھ سوچنا چھوڑ دیں۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا......''

حویز کہتا ہوا اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟''

جانے کب سے کھڑی ایمن ان دونوں ماں بیٹے کی باتیں سن رہی تھی۔ حویز کے صاف انکار پر وہ دروازے سے نکل کر عین اُس کے سامنے آ کر رک گئی۔ اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

''تم کون ہوتی ہو میری اور میری ماں کی باتیں سننے والی؟'' حویز بگڑا۔

طاہرہ بیگم فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ''کیا ہو گیا ہے تمہیں، حویز؟ آرام سے بات نہیں کر سکتے؟'' انہوں نے بیٹے کے بازو پر ہاتھ رکھ کر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ ''میں نے پھپھو کی صرف یہی بات سنی ہے، میں آپ لوگوں کی باتیں نہیں سن رہی تھی۔'' ایمن نے ناک چڑھا کر کہا۔

''میں جانتی ہوں میری جان! یہ حویز تو بس ایسے ہی۔'' طاہرہ بیگم نے محبت سے بھتیجی کو پچکارا۔

ایمن نے اُن کی طرف سے رخ موڑ کر حویز کی طرف دیکھا۔ حویز نے بے زاری سے بھری نظر اُس کے چہرے پر ڈالی اور وہاں سے جانے کے لیے چند قدم آگے بڑھا، مگر ایمن تیزی سے اس کے سامنے آ کر رک گئی۔

''مجھے یہ ڈھٹائی بالکل پسند نہیں ہے!'' ایمن کے انداز پر حویز تپش زدہ لہجے میں بولا، ''راستہ چھوڑو۔''

ایمن کے لبوں پر مسکراہٹ پھیلی، اور یہ مسکراہٹ اس وقت حویز کو زہر سے بھی زیادہ بری لگی تھی۔

''اپنے بھائی کو صاف انکار کر دیں ماما، مجھے ان کی بیٹی میں رتی بھر بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے!'' حویز نے اُکتاہٹ بھرے لہجے میں کہتے ہوئے ایمن کے لبوں سے مسکراہٹ غائب کی تھی۔

''تو تمہیں کون پسند ہے؟''

اس سوال کا جواب دینا حویز نے مناسب نہیں سمجھا۔ وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھا، لیکن اپنے عقب سے ابھرتی آواز پر ایڑیوں کے بل گھوما۔

''آج کل تم اُس ایزل نامی لڑکی کے ساتھ بہت پھر رہے ہو۔ ہاں وہی ایزل جو تمہیں۔''

''میرے پرسنلو میں انٹرفیئر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!'' حویز نے ناراضی بھری نظر ماں کی طرف ڈالی۔

''تم دونوں......'' طاہرہ بیگم کچھ کہنا چاہتی تھیں، مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتیں، حویز اپنے روم میں جانے کے بجائے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

''ایمن کی باتوں سے زیادہ اُس کے انداز نے حویز کو شدید غصہ دلایا تھا۔''

''اُس کی جرأت کیسے ہوئی مجھ سے اس طرح بات کرنے کی؟ اور ایزل کے بارے میں اُسے کیسے پتا ہے؟''

سوچتے ہوئے اس نے پیشانی کو انگلیوں سے مسلا۔

حویز یونہی سڑکوں پر بائیک دوڑاتا پھرتا رہا۔ وہ مضطرب تھا، اور سچ تو یہ تھا کہ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کی ماں کو تو چاہیے تھا کہ بھائی کے منہ سے یہ بات سنتے ہی صاف انکار کر دیتیں، لیکن بھائی کو انکار کرنے کے بجائے وہ اس سے اس موضوع پر بات کر رہی تھیں۔ حویز کو بہت شدید دکھ ہو رہا تھا۔ بھلا اس کی ماں وہ سب کیسے بھول سکتی ہیں؟

وہ سوچتا ہوا ساحلِ سمندر کے کنارے پڑے



Scanned with CamScanner

اپنے مخصوص پتھر پر آ بیٹھا، جہاں وہ پہلے بھی کئی کئی گھنٹے بیٹھا رہتا تھا۔ یہ پتھر، سامنے بہتا ہوا پانی، دھیرے دھیرے چلتی ہوا، سب اس کے ہمراز تھے۔ ان باتوں کے ہمراز جو حویز بھی کسی سے کہہ نہیں پایا تھا، یہاں تک کہ اپنی ماں سے بھی نہیں۔

یہ پتھر، یہ ہوا، یہ پانی اسے بہت پیارے لگتے تھے، کیونکہ وہ ان کا ہاتھ تھام کر اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے وہ ریت کے گھروندے بناتا تھا اور پھر خود ہی پاؤں کی ایک ٹھوکر سے انہیں توڑ دیا کرتا تھا۔ اسے آج بھی اپنے لبوں سے نکلنے والی ہنسی کی کھنک یاد تھی۔ ہاں، اسے یاد ہے، اس کی ہنسی کے ساتھ ایک اور ہنسی بھی شامل ہو جایا کرتی تھی۔

منظر مکمل تھے، رنگین تھے، خوش رنگ تھے۔ تو پھر ایسا کیا ہوا تھا کہ منظر ویران ہو گئے تھے؟ دل اداس ہو گئے تھے؟ لبوں پر ہنسی بھی دل سے سجی ہی نہیں تھی۔ کبھی ہنسی آئی بھی تو بس یونہی، دل کی خوشی تو اس میں شامل ہی نہیں تھی۔

اسے یاد تھا، اس دن اس نے ہنستے ہوئے ایک فرمائش کی تھی۔ اس دن۔

☆☆☆

وہ خوب صورت چمکیلی صبح تھی۔ جب وہ اپنے بابا کے ساتھ ناشتہ کر رہا تھا اور ساتھ ہی اس کا فرمائشی پروگرام جہانگیر صاحب کے ساتھ جاری تھا۔

"بابا، آج مجھے پہلے آپ کے ساتھ مارکیٹ جانا ہے اور اپنا بیٹ خرید کر لانا ہے۔ آپ کو پتا ہے نا، لاسٹ ٹائم میرا بیٹ ٹوٹ گیا تھا اور اسی لیے میں میچ کھیلنے گراؤنڈ بھی نہیں گیا۔" خستہ پراٹھے کا نوالہ انڈے کے ساتھ منہ میں رکھتے ہوئے حویز نے اپنے بابا کو یاد دلایا تھا۔

"حویز، بری بات ہے بیٹا۔" کچن سے نکلتی طاہرہ بیگم نے خفگی سے ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "پتا بھی ہے بابا کے پاؤں میں چوٹ لگی ہے، پھر بھی۔"

"طاہرہ، میرے اور میرے بیٹے کے معاملے میں مت بولا کرو۔ بھئی آخر میرا بیٹا مجھ سے فرمائش نہیں کرے گا تو اور کس سے کرے گا۔"

جہانگیر صاحب نے ہاتھ بڑھا کر پراٹھے کی پلیٹ تھامی اور محبت بھری نظروں سے حویز کی طرف دیکھا۔ "آپ زیادہ سر مت چڑھایا کریں اسے۔"

طاہرہ بیگم نے کہنا چاہا، لیکن اس سے پہلے ہی جہانگیر صاحب بول پڑے۔ "ہم کون سا تمہیں اپنے ساتھ چلنے سے منع کر رہے ہیں؟ تم بھی ہمارے ساتھ چل سکتی ہو۔ ہم پہلے مارکیٹ جائیں گے، اس کے بعد پارک جائیں گے۔" واپسی پر آتے ہوئے آئس کریم کھائیں گے۔"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنا ہاتھ بیٹے کے سامنے پھیلایا، دس سالہ حویز نے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر مارا تھا۔

"میں آپ اور آپ کے بیٹے کے پروگرام کے درمیان نہیں آ رہی، میں تو بس اتنا کہہ رہی ہوں کہ اس سب کے بیچ میں اپنا پاؤں بھی ڈاکٹر سے چیک کروا لیجیے۔"

چند دن پہلے ہی دکان میں کام کرتے ہوئے لڑکے سے گرما گرم چائے ان کے پاؤں پر گری تھی جس سے جہانگیر صاحب کے پاؤں پر چھالے بن گئے تھے۔

جلن کی شدت اور چھالے بننے کی وجہ سے جہانگیر صاحب پچھلے ایک ہفتے سے گھر پہ ہی تھے، اور —— اپنی گلی کے کونے پہ بنی ڈسپنسری سے مرہم پٹی — کروا رہے تھے۔ زخم پوری طرح تو ٹھیک نہیں ہوئے تھے، لیکن کافی حد تک مندمل ضرور ہو گئے تھے۔ بابا کے پاؤں کی وجہ سے ہی حویز نے پورا ایک ہفتہ بیتنے کا انتظار کیا تھا، اور اسی لیے اس نے آج صبح ہی سارا پروگرام نہ صرف سیٹ کیا، بلکہ اس پہ عمل بھی کیا تھا۔ بابا کا ہاتھ تھامے وہ اپنی ماما کے ہمراہ پہلے مارکیٹ آیا۔

سامان کو گھر چھوڑنے کے بعد پارک آ گیا تھا۔ جہانگیر صاحب نے اسے ہر جھولے پہ خوب



Scanned with CamScanner

چھلایا تھا۔ حویز کو اس کی پسند کی آئس کریم بھی کھلائی تھی۔

"بس کریں اب، کیا حویز کو بیمار کرنے کا ارادہ ہے؟" طاہرہ بیگم نے ناراضی سے شوہر سے کہا۔

یہ نومبر کے آخری شام تھی، دسمبر شروع ہونے والا تھا، سردی تو آ ہی چکی تھی، اسی لیے طاہرہ بیگم نے حویز کو گھورتے ہوئے شوہر کو روکا۔

"ارے بھئی بیگم، تم کیوں ہم سے جیلس ہو رہی ہو؟ تمہیں بھی آئس کریم اور کھانی ہے تو کھالو، اور اگر تمہیں بیمار پڑنے کا اتنا ہی خطرہ ہے تو پلیز اس خطرے کو اپنے تک رکھو، اور سکون سے مجھے اور میرے بیٹے کو آئس کریم کھانے دو۔" جہانگیر صاحب نے شرارتی انداز میں، بظاہر سنجیدہ لہجہ بنا کر طاہرہ بیگم سے کہا تھا۔

"پتا نہیں وہ کون شوہر ہوتے ہیں جو بیوی کی ایک گھوری سے ڈر جاتے ہیں، آپ تو کبھی میرے روکنے سے نہیں رکے، ڈرنا تو دور کی بات ہے۔" طاہرہ بیگم نے اپنے لہجے میں جہاں بھر کی حسرت کو سموتے ہوئے کہا۔

جواب میں جہانگیر صاحب ہولے سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑے تھے، اور انہیں ہنستا دیکھ کر طاہرہ بیگم بھی اپنے لبوں پہ بکھرنے والی ہنسی کو روک نہیں سکی تھیں۔

یہ منظر آج بھی حویز کے ذہن میں اسی طرح نقش تھا۔ باپ کی ہنسی آج بھی اسے یوں ہی اپنی سماعتوں میں سنائی دیتی تھی۔ جیسے جہانگیر صاحب ابھی اس کے پاس کھڑے ہنس رہے ہوں۔ اس کی ماں کے لبوں پہ مسکراہٹ کائنات کی سب سے مکمل مسکراہٹوں میں سے ایک تھی۔ وہ مسکراہٹ بھی پوری جزئیات کے ساتھ حویز کو یاد تھی، کیونکہ وہ دن، وہ آخری دن تھا جب وہ آؤٹنگ پہ گئے تھے۔ وہ آخری دن تھا جب حویز نے اپنے ماں باپ کو ایک ساتھ ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔

اور اس کے بعد تو...... ایک آہ حویز کے لبوں سے برآمد ہوئی تھی۔ کافی شاپ سے نکلنے کے بعد وہ یادوں کے ساتھ چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ اس نے بائیک کو سڑک کے کنارے روکا۔ ڈھلتی ہوئی رات میں دور تک جاتی سرمئی سڑک اس وقت خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے۔ بس اس خاموشی میں دور سے آنے والے کتوں کی آواز اس چادر کو چند لمحوں کے لیے چیرتی، اور پھر سے ماحول میں گہرا سناٹا چھا جاتا۔

حویز بائیک سے اتر کر الیکٹرک پول کے نیچے فٹ پاتھ پہ آ بیٹھا تھا۔ یہ یادیں اسے ہمیشہ تکلیف دیتی تھیں، اتنی کہ وہ تڑپ جاتا تھا۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود بھی وہ ابھی تک اس درد کے دریا کو پار نہیں کر پایا تھا۔

آخر اسے اس درد کی دوا ملتی بھی تو کیسے؟ اسے ان سوالوں کے جواب ملتے بھی تو کیسے، جن کو حل کرنے کے لیے اس نے ابھی تک ہمت نہیں ہاری تھی۔ لیکن اب ہر گزرتا لمحہ اسے مایوسی کی طرف دھکیل رہا تھا۔ وہ مایوس نہیں ہونا چاہتا تھا، وہ ہمت بھی نہیں ہارنا چاہتا تھا، لیکن۔۔۔۔۔۔ وہ پھر اسی لفظ "لیکن" پہ آ کر اٹک جاتا تھا۔

اس نے ایک بار پھر اس دن کو یاد کرنے کی کوشش کی، جب یہ "لیکن" اس کی زندگی میں سوالیہ نشان بن کر داخل ہوا تھا۔ اس دن بھرپور وقت گزارنے کے بعد وہ تینوں ہنستے مسکراتے گھر واپس لوٹے تھے، مطمئن، بے خبر، کہ زندگی اگلے ہی موڑ پر ان کے لیے کیا فیصلہ لکھ چکی ہے۔

وہ آخری رات تھی جب وہ تینوں افراد پرسکون نیند سوئے تھے، اگلی نمودار ہونے والی صبح بھی خوب چمکیلی تھی، معمول کا دن تھا۔ حویز اپنے بابا کے ساتھ اسکول جانے کے لیے تیار بیٹھا ہوا تھا۔ راستہ طے کرنے کے بعد جہانگیر صاحب نے اپنے ہاتھ کو بیٹے کی سمت بڑھایا، جسے حویز نے مضبوطی سے تھام لیا تھا۔ اپنے بابا کے ساتھ گھر کے بیرونی گیٹ کو پار کر کے وہ ان کے ساتھ بائیک پہ بیٹھا اور اسکول کی

Scanned with CamScanner

سمت بڑھ گیا تھا۔

"لو یو، بابا!" بائیک سے اترنے کے بعد حویز نے جہانگیر صاحب کے گال پہ پیار کرتے ہوئے کہا۔ "لو یو ٹو، جانِ!" جہانگیر صاحب کے لہجے میں کائنات کی ساری محبت کی مٹھاس اتری تھی۔ "بائے" حویز نے اپنا ہاتھ ہلایا اور اسکول کے گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔ گیٹ پار کرنے سے پہلے پلٹ کر دیکھا، اس کے بابا ابھی تک وہیں بائیک پہ بیٹھے حویز کی سمت ہی دیکھ رہے تھے۔ اگر اسے خبر ہوتی کہ نگاہیں اسے آخری بار دیکھ رہی ہیں تو وہ کبھی اپنے بابا کو جانے نہ دیتا، ان سے لپٹ جاتا۔ لیکن کیا خبر تھی کہ......

وہ اسکول سے واپس آ گیا، کھانا کھانے کے بعد ٹیوشن پڑھنے کے لیے گیا، وہاں سے بھی واپس آ چکا تھا، اور جس وقت وہ ٹیوشن سے گھر واپس آیا، لاؤنج میں طاہرہ بیگم ہمسائی کے ساتھ بیٹھی باتوں میں مصروف تھیں۔ ماں کو باتوں میں مصروف دیکھ کر اس نے اپنے کمرے سے بیٹ اور بال اٹھائی اور دبے قدموں گھر سے نکل کر قریبی گراؤنڈ میں چلا گیا، جہاں وہ مغرب کے وقت تک اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلتا رہا۔

جیسے ہی مغرب کی اذان کی آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی، اس نے اپنے بیٹ اور بال کو سنبھالا اور اپنے دوستوں کے پاس آ کر رکا۔

"میں گھر جا رہا ہوں، اس سے زیادہ دیر میں گیا تو ماما مجھے ڈانٹیں گی۔"

"رک جاؤ نا یار، تھوڑی دیر اور کھیل لیتے ہیں!" عاصم نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"نہیں باقی کل کھیلیں گے۔"

حویز نے اپنے سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے کہا اور پھر بیٹ کو ہوا میں لہراتے ہوئے گراؤنڈ سے باہر جانے والے راستے کی طرف بڑھ گیا۔

گھر لوٹنے کے بعد اسے طاہرہ بیگم سے ڈانٹ پڑی کہ وہ انہیں بتائے بغیر کیوں گراؤنڈ گیا تھا۔

"آج تمہارے بابا آجائیں، میں انہیں بتاؤں گی!" طاہرہ بیگم نے اسے دھمکی دی۔

لیکن پریشان ہونے کے بجائے دس سالہ حویز کے چہرے پہ مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔

"بابا تو میرے ساتھ ہی ہوں گے، وہ کبھی مجھے نہیں ڈانٹیں گے۔"

حویز دل ہی دل میں سوچتا ہوا ماں کی معصومیت پہ ہنسا۔

کارٹون دیکھنے کے بعد اس نے تھوڑی دیر اسکول کا کام کیا اور بستر پہ جا کر سو گیا۔ اسے سوئے ہوئے کتنے دیر گزری، اسے یاد نہیں تھا، لیکن اسے یہ ضرور یاد تھا کہ اس کی آنکھیں اپنی ماں کی آواز پر کھلی تھیں جو روتے ہوئے مدثر ماموں سے بات کر رہی تھیں۔

"ڈیڑھ بجنے والا ہے، جہانگیر ابھی تک گھر نہیں آئے!" اس کی ماں کی بھیگی آواز حویز کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ آنکھیں ملتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ "اس میں رونے والی کون سی بات ہے؟ کسی کام میں یا پھر کسی دوست کے ساتھ بیٹھا ہو گا۔ تمہیں بھی پریشان ہونے کی عادت ہے طاہرہ۔"

مدثر ماموں نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اگر کسی کام یا دوست کے ساتھ گپ شپ لگانے کے لیے بیٹھے بھی، تو کم سے کم ایک فون کال تو کر سکتے تھے۔ میں کب سے ان کا فون ٹرائی کر رہی ہوں، ان کا فون بند آ رہا ہے!" طاہرہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔

حویز ماں کو یوں روتا ہوا دیکھ کر سہم گیا، اور ان کے قریب کھسکا۔ طاہرہ نے بیٹے کو سینے سے لگایا۔ اور دوسری سمت سے آنے والی آواز کو غور سے سننے لگیں۔

"جی ٹھیک ہے۔" طاہرہ بیگم نے کہا اور کال بند کر کے حویز کو اور بھی شدت سے اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ "ماما، بابا!" حویز نے اپنے سر کو اٹھا کر ماں کے بھیگے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

’’تمہارے بابا آ جائیں گے۔ میں نے مدثر ماموں کو کال کی ہے نا؟ وہ آپ کے بابا کو لے کر ہی آئیں گے۔‘‘

طاہرہ بیگم نے کہتے ہوئے حویز کے بالوں میں بوسہ دیا اور پھر اپنی نظروں کو فون پہ جما دیا، جو اگلے دس منٹ تک خاموش ہی رہا تھا۔

فون کی بیل بجی تھی۔ طاہرہ بیگم نے کال اٹینڈ کی ’’ٹھیک ہے۔‘‘ دو لفظی جواب دینے کے بعد طاہرہ بیگم نے فون بند کر دیا اور اپنے ساتھ لپٹے حویز کو جانے کیوں عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی تھیں۔

اس رات مدثر ماموں اپنی بیگم اور بیٹی کے ساتھ ان کے گھر آئے۔ پریشانی سے بار بار جہانگیر صاحب کے فون پہ کالز کرتے، کبھی ان کے دوستوں کے ساتھ رابطہ کرتے، لیکن وہ سب ہی لاعلمی کا اظہار کرتے۔

’’آپ جہانگیر کے اونر کو کال کریں نا!‘‘ طاہرہ بیگم نے رندھے ہوئے لہجے میں بھائی سے کہا۔ ’’میں انہیں بھی فون کر رہا ہوں، لیکن ان کا فون بند آ رہا ہے۔ کہیں وہ اور جہانگیر ایک ساتھ ہی تو نہیں کہیں چلے گئے؟‘‘ طاہرہ بیگم نے کہا۔

’’ہاں ہو سکتا ہے۔‘‘ مدثر نے اپنے سر کو اثبات میں ہلا دیا تھا، ’’لگ تو مجھے بھی یہی رہا ہے، لیکن ان دونوں میں سے کوئی ایک فون تو اٹھائے!‘‘ مدثر ماموں نے پریشانی سے کہا۔

پھر صبح ہونے پر جہانگیر صاحب کے اونر سے مدثر صاحب کا رابطہ ہو گیا۔ ’’جہانگیر رات بھر گھر نہیں آیا، یہ کیسے ہو سکتا ہے — وہ تو مجھے آخری بار فون پہ یہی کہہ کر نکلا تھا کہ وہ گھر جا رہا ہے۔

میں یہاں کراچی میں نہیں ہوں، پرسوں ہی لاہور آیا ہوں۔ آج شام میں واپس کراچی آ جاؤں گا۔ لیکن جہانگیر کہاں ہے؟‘‘ امیر خان نے حیرت سے مدثر صاحب سے استفسار کیا۔

’’ہمیں نہیں معلوم، ہم تو رات سے اس کا انتظار کر رہے ہیں۔‘‘

’’معلوم نہیں۔ ایسے کیسے معلوم نہیں اس کے پاس میرے پچاس لاکھ روپے ہیں۔‘‘

’’پچاس لاکھ؟!‘‘ مدثر صاحب نے حیرت سے ان کے لفظوں کو دہرایا۔

’’ہاں، پچاس لاکھ! میں نے اپنے دوست سے پچاس لاکھ کی رقم لینی تھی، جو کہ کیش کی صورت تھی۔ میں نے جہانگیر سے کہا تھا۔ وہ رقم اس سے لے کر میری دکان کے لاکر میں رکھ دے، کیونکہ مجھے بھی آنے کے فوراً بعد کسی کو پے منٹ کرنی تھی اور وہ پے منٹ میں خود اپنے ہاتھ سے کرنا چاہتا تھا۔ کل — شام جہانگیر سے میری فائنل بات ہوئی تھی۔ اور آپ کہہ رہے ہیں وہ گھر ہی نہیں آیا؟‘‘ امیر خان کے لہجے میں پریشانی ہی پریشانی تھی۔ مدثر صاحب نے فون بند کرنے کے بعد طاہرہ بیگم کو بتایا، ’’لیکن جہانگیر تو گھر ہی نہیں آئے۔‘‘

طاہرہ بیگم رونے لگی تھیں اور وہ دن بھی شام میں ڈھلنے کے لیے بے تاب ہو چکا تھا۔ جب مدثر صاحب حویز کا ہاتھ تھامے، جہانگیر ہاشمی کی گمشدگی کی رپورٹ کروانے آئے تھے، جہاں ان سے پہلے ہی امیر خان جو کہ پہلی فلائٹ سے واپس کراچی آ چکا تھے۔ جہانگیر پہ دھوکہ دہی اور فراڈ کی ایف آئی آر کٹوا چکے تھے۔

’’یہ کیا چکر ہے؟ ایک بندہ کہہ رہا ہے میرا پچاس لاکھ لے کر بندہ رفوچکر ہو گیا اور دوسرا فریق اسی بندے کی گمشدگی کی رپورٹ درج کروانے آیا ہے۔‘‘

ایس ایچ او نے ابرو اچکا کر مدثر صاحب سے استفسار کیا۔ ’’سر، جہانگیر بھائی کل سے گھر نہیں لوٹے، آپ پلیز انہیں تلاش کر دیں ہم کل سے اپنے رشتہ داروں، دوست احباب میں ان کے بارے میں پوچھ چکے ہیں، لیکن کسی کو بھی جہانگیر بھائی کا نہیں پتہ!‘‘ مدثر صاحب نے منت بھرے لہجے میں کہا۔

ایس ایچ او صاحب نے ’’کچھ کرتے ہیں‘‘ کہہ کر اپنے سر کو اثبات میں ہلایا اور ایک اور پھر ایک نہ



Scanned with CamScanner

ختم ہونے والا سلسلہ حویز کی زندگی میں اور ایک لاحاصل انتظار طاہرہ بیگم کے مقدر میں لکھا جا چکا تھا۔

امیر خان اپنی بات میں سچ ثابت ہوا تھا، جہانگیر ہاشمی نے بے منٹ وصول کی تھی، جس کا ثبوت جمیل انصاری کی دکان پہ لگے کیمرے کی آنکھ میں قید تھا۔ جہانگیر ہاشمی کو دکان میں داخل ہوتے، پچاس لاکھ کی خطیر رقم اپنے بیگ میں ڈالتے ہوئے دیکھا جا سکتا تھا۔ رقم لینے کے بعد وہ وہاں سے نکل چکے تھے، لیکن دکان سے نکلنے کے بعد وہ کہاں گئے، یہ کیمرے کی آنکھ دکھانے سے قاصر تھی۔

"آپ لوگوں نے بینک کے ذریعے لین دین کیوں نہیں کیا؟" تھانے دار نے امیر اور جمیل انصاری سے سوال کیا۔

"میں نے یہ رقم زمین کی خریداری کے لیے تیسری پارٹی کو دینی تھی، اور وہ پارٹی بینک کے ذریعے نہیں لینا چاہتی تھی، اسی لیے میں نے جمیل سے کہا تھا کہ میں اپنا سب سے بھروسے کا آدمی بھیج رہا ہوں، تم اسے رقم دے دو۔ مجھے اچانک لاہور جانا پڑا تھا، اور جمیل کو بھی اگلے دن دبئی جانا تھا، اسی لیے میں نے جہانگیر کو اس کے پاس بھیجا۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ جہانگیر رقم دیکھ کر پھسل جائے گا، اس کی نیت خراب ہو جائے گی۔ میں ایک بات بتا دوں، میں اپنی حلال کمائی کا ایک روپیہ بھی نہیں چھوڑوں گا، مجھے میرے پچاس لاکھ چاہئیں۔"

امیر خان مدثر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ مدثر صاحب نے مدد طلب نظروں سے شہزاد صاحب کی طرف دیکھا، جو ان کے بہنوئی کے ساتھ ساتھ سالے بھی تھے۔

"دیکھیں، ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں، ہم جہانگیر......"

"میں کچھ نہیں جانتا، مجھے میرے پیسے واپس چاہئیں۔ بندہ اتنی بڑی رقم لے کر غائب ہو گیا کہ چند مہینوں بعد جب یہ معاملہ دب جائے گا، وہ چین اور مزے کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرے گا۔ میں تم لوگوں کی پوری گیم سمجھ چکا ہوں، مجھے میرے پیسے واپس چاہئیں۔"

امیر خان کا لہجہ بے لچک تھا، اتنا کہ مدثر صاحب اور شہزاد کو اس سے جان چھوٹتی ہوئی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔

"مجھے بس جہانگیر چاہئیں، پلیز کسی بھی طریقے انہیں ڈھونڈ دیں!" طاہرہ بیگم رو پڑی تھی۔ چیزیں لمحوں میں ٹوٹ جاتی ہیں اور وقت پلک جھپکنے میں بدل جاتا ہے۔

یہی کچھ حویز اور طاہرہ بیگم کے ساتھ ہوا تھا۔

امیر خان کے پچاس لاکھ لوٹانے کے لیے، طاہرہ بیگم کو اپنا گھر بیچنا پڑا، رقم لوٹا دی گئی تھی۔

طاہرہ بیگم کو اپنے بیٹے کے ہمراہ بھائی کے در پر آنا پڑا۔ گھر کے اوپری پورشن میں شفٹ ہونے کے بعد، طاہرہ بیگم نے بچے ہوئے پیسوں کو بینک میں رکھوا دیا۔ زندگی، چاہے رینگتی ہوئی کیوں نہ ہو۔ کسی نہ کسی طرح چل پڑی۔

مدثر صاحب نے دو سال تک تھانے کے چکر کاٹے، اور پھر ایک دن انہوں نے صاف اپنی بہن سے کہہ دیا کہ "پولیس کی بات ٹھیک لگتی ہے۔ جہانگیر پیسے دیکھ کر لالچ میں آ گیا اور پیسے لے کر کہیں اور چلا گیا — جمیل کی دکان سے نکلنے کے بعد راستے میں ہی جہانگیر نے اپنا فون بند کر دیا، اور اس کے بعد نہ کبھی اس کا فون نمبر ملا اور نہ ہی وہ دستیاب ہوا۔ یہ ماننا طاہرہ بیگم کے لیے بہت مشکل تھا، اور حویز کے لیے ناممکن۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اس کے بابا، اس کی ماں اور اسے چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ وہ اسی یقین کی ڈور کو تھامے، ہر چند دن بعد پولیس اسٹیشن آ جاتا تھا۔ "میرے بابا کو ڈھونڈ دیں!" وہ ہمیشہ یہی کہتا، لیکن اس کی ایک بات کا جواب ہمیشہ خاموشی میں ملتا، یا پھر۔ "ڈھونڈ رہے ہیں۔" کہہ کر ٹال دیا جاتا۔ مگر پولیس والے کبھی بھی اس کے بابا کو تلاش نہیں کر سکے تھے۔

"دیکھو لڑکے، تمہارے باپ نے چوری اور



Scanned with CamScanner

فراڈ کیا، اور پتلی گلی سے تم ماں اور بیٹے کو چھوڑ کر فرار ہوگیا۔

ہم اسے ڈھونڈنا تو چاہتے ہیں، لیکن وہ ہمیں ملنا نہیں چاہتا، تو کہاں سے تمہارے بابا کو ڈھونڈیں؟ یہاں بیٹھ کر ٹائم ضائع کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، تم اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔"

"میرے پاپا چور نہیں ہیں۔" حویز نے اپنے کندھے پہ دھرے تھانے دار کے ہاتھ کو جھٹکا تھا۔

"اچھا، ٹھیک ہے، مان لیا، تمہارے بابا چور نہیں ہیں، لیکن تم اس وقت گھر جاؤ۔ جیسے ہی ہمیں تمہارے بابا کی خبر ملے گی، ہم تمہیں اطلاع کر دیں گے۔" ہر بار جانے یہ حویز سے یہی کہا جاتا تھا۔ لیکن حویز نے کبھی باپ کے نہ ملنے کی امید نہیں چھوڑی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کے بابا لوٹ کر ضرور آئیں گے، اور یقین ہمیشہ اس کے ساتھ رہا بھی تھا۔

لیکن یہ سب اتنا آسان نہیں تھا۔ تھانے دار کی بات سے کہیں زیادہ تکلیف اسے تب ہوئی تھی جب تنزیلہ ممانی نے اسے چور کی اولاد کہا تھا۔ اس دن، غلطی سے ایمن کی کلر پینسل اس کے بیگ میں آگئی تھی۔ وہ پینسل ایمن کل ہی اپنے پاپا کے ساتھ مارکیٹ سے لائی تھی۔

"ماما، میری کلر پینسل!" ایمن نے آنکھوں میں ڈھیروں آنسو بھرتے ہوئے کہا، تنزیلہ بیگم نے ساری جگہ دیکھ لی اور تو اور فیضی اور مشعل نے بھی ان کے ساتھ ساری جگہ تلاش کی۔ لیکن کلر پینسل تھی کہ مل کر نہیں دے رہی تھی۔ "حویز بھائی بھی تو یہیں بیٹھ کر پڑھ رہے تھے نا؟ ابھی اوپر گئے ہیں۔" ایمن نے سر اٹھا کر ماں سے کہا۔ "ہاں! ابھی دیکھ کر آتی ہوں۔"

ہاتھ میں پکڑے کشن کو صوفے کی سمت اچھال کر، تنزیلہ بیگم غصے سے بھری ہوئی سیڑھیاں چڑھتی اوپر پورشن میں آئی تھیں۔

جہاں طاہرہ بیگم، امینہ کے ساتھ باتیں کرتی کچن میں ڈنر کی تیاری کر رہی تھیں۔ وہیں چھوٹے سے لاؤنج میں بیٹھا حویز ٹی وی پر کارٹون دیکھ رہا تھا۔

"تم نے ایمن کی کلر پینسل لی ہے؟" شعلہ بار نظروں سے حویز کی طرف دیکھتے ہوئے، تنزیلہ بیگم نے اکھڑے ہوئے انداز میں سوال کیا۔ ان کی آواز سن کر کچن سے امینہ اور طاہرہ بیگم بھی نکل آئی تھیں۔ "کیا ہوا ہے، تنزیلہ بھابھی؟ ایسے کیوں بول رہی ہیں" طاہرہ بیگم نے نا سمجھی سے پہلے بھابھی اور پھر بیٹے کی طرف دیکھا۔

"میں نے ایمن کی کلر پینسل نہیں لی!" حویز کے لہجے میں اعتماد تھا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم!" تنزیلہ بیگم نے آگے بڑھ کر حویز کو بازو سے پکڑا۔ "میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں!" حویز کے انداز میں خفگی دکھائی دی۔

"ارے، ایسے مت بولو، آرام سے جواب دو، حویز!" امینہ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"میں ابھی تمہارے بیگ کی تلاشی لیتی ہوں!" تنزیلہ بیگم نے کہتے ہوئے ایک جھٹکے سے حویز کے بازو کو چھوڑا اور کونے میں پڑے اس کے بیگ کی طرف بڑھ گئیں۔

"دیکھ لیں!" حویز کے لہجے میں غرور تھا۔ اس نے کہنے کے بعد اپنے تینوں کزنز کی طرف دیکھا، جو تنزیلہ بیگم کے عقب میں سیڑھیاں چڑھ آئے تھے۔ فیضی کے لبوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

حویز نے اپنی نظروں کو اُن کے چہروں سے ہٹایا اور پھر اپنے بیگ کے اندر سے نکلتی، ایمن کی کلر پینسل کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔

پینسل تنزیلہ بیگم کے ہاتھ میں آتے ہی، انہوں نے ہاتھ میں پکڑے بیگ اور دوسری چیزوں کو زمین بوس کیا اور حویز کی نظروں کے سامنے پینسل کو لہرایا۔ "یہ کیا ہے؟" تنزیلہ بیگم کی آنکھوں سے جیسے آگ کے شعلے لپکنے لگے تھے۔

"... مجھے نہیں پتا، یہ پینسل کیسے۔"

"چپ۔" "جھوٹ بول رہے ہو! ایک تو چوری



Scanned with CamScanner

اوپر سے ڈھٹائی سے جھوٹ بھی بول رہے ہو؟" کہنے کے ساتھ ہی تنزیلہ بیگم نے زور سے حویز کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔

طاہرہ بیگم نے اپنی آنکھوں کو زور سے بند کیا، جیسے تھپڑ حویز کے چہرے پر نہیں بلکہ کسی نے ان کے چہرے پر مارا ہو۔

"کیا ہو گیا ہے؟ تنزیلہ بھابھی!" امینہ نے آگے بڑھ کر تنزیلہ کو حویز کے سامنے سے ہٹا دیا۔

"مجھے کیا ہونا ہے؟ آخر کو آج ثابت کر دیا۔ چور کا بیٹا چور ہی ہوتا ہے!" حویز کو اس لمحے تھپڑ کی اتنی تکلیف محسوس نہیں ہوئی تھی۔ جتنی اس وقت، تنزیلہ کے لفظوں نے ہوئی تھی، "میرے بابا چور نہیں ہیں!" حویز نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا،

"چور نہیں ہے تو کیا؟" اس نے پہلے کہ تنزیلہ بیگم اپنی بات مکمل کرتیں۔ خاموش کھڑی طاہرہ بیگم نے انہیں مزید بولنے سے منع کر دیا: "میں خود حویز سے بات کرلوں گی، بھابھی، آپ بچوں کو لے کر نیچے جائیں۔" طاہرہ بیگم نے آہستگی سے کہا، "لیکن ......تنزیلہ بیگم نے کچھ کہنا چاہا۔

"میں نے کہا ہے نا تنزیلہ تم نیچے جاؤ!" طاہرہ بیگم کے لہجے میں اب کے تحکم در آیا تھا۔ بیٹی کا ہاتھ پکڑے، تنزیلہ نیچے جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی تھیں، تو امینہ بھی اپنے دونوں بچوں کا ہاتھ تھامے وہاں سے نیچے اتر گئی تھی۔ "حویز"، طاہرہ بیگم نے آگے بڑھ کر خاموش کھڑے حویز کے کندھے پہ ہاتھ رکھا۔ حویز ماں کی کوئی بھی بات سنے بنا ہی، ان کا ہاتھ جھٹک کر اپنے کمرے میں جا کر دروازہ بند کر کے خود کو قید کر چکا تھا۔ طاہرہ بیگم نے کتنی دیر تک اس کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تھا، لیکن اس وقت دروازہ نہیں کھلا تھا۔ طاہرہ بیگم کتنی ہی دیر تک حویز کے بند دروازے کو دیکھ کر روتی رہی تھیں، اور اندر موجود حویز خود کو مارے جانے والے تھپڑ سے زیادہ، اپنے بابا کو کہے ہوئے لفظوں پہ رویا تھا۔ بے انتہا اور بے تحاشا۔

☆☆☆

"ہم یہاں نہیں رہیں گے ماما، ممانی نے مجھے تھپڑ مارا، مجھے اس بات کا اتنا دکھ نہیں ہے جتنا اس بات کا دکھ ہے کہ انہوں نے میرے بابا کو چور کہا! میرے بابا چور نہیں ہیں، ماما!" حویز نے روتے ہوئے، جائے نماز میں بیٹھی ماں کے گھٹنے کو ہلاتے ہوئے کہا۔ تو گھٹ گھٹ کر روتی، طاہرہ بیگم اب شدت سے رو پڑی تھیں۔ جانے وہ کہاں گئے، جانے ان کے ساتھ کیا ہوا، پر تھا۔ انہیں خود بھی جہانگیر بھی اتنا یقین تھا کہ وہ پیسوں کی وجہ سے کہیں نہیں جا سکتے۔ وہ کبھی پیسوں کے لالچ میں انہیں اور حویز کو چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔ تنزیلہ کی کہی کوئی بات کسی کند چھری کی طرح ان کے دل میں بھی اتر کر ان کی روح کو لہولہان کر گئی تھی۔"

"میں یہاں نہیں رہوں گا ماما۔ بلکہ ہم یہاں نہیں رہیں گے!" حویز کے لہجے میں ضد اتر ی تھی، اور پھر اس نے اپنی ضد کو پورا بھی کیا تھا۔ طاہرہ بیگم تو بھائی کا گھر چھوڑنے کے لیے راضی نہیں تھیں، لیکن حویز ہاسٹل میں داخلہ لے چکا تھا۔ دن سالوں کی آغوش میں سونے لگے تھے۔ اسے ماں کے توسط سے ہی پتا چلا تھا کہ امینہ خالہ اپنی فیملی کے ساتھ امریکہ شفٹ ہو گئی ہیں، ماموں نے اپنا آبائی مکان بیچ کر خوب صورت بنگلہ خرید لیا ہے، ان کا کاروبار دن بہ دن ترقی کرتا جا رہا تھا، جانے کون سا خزانہ ان کے ہاتھ لگا تھا، ڈوبتا ہوا کاروبار یکدم سے آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگا تھا۔ جو بھی تھا، اس سب نے سب بہت خوش تھے۔ بس حویز اس کو اس سب سے کوئی لینا دینا نہیں تھا، اور یہ اس کا انجینئرنگ کا تیسرا سال تھا۔

جب طاہرہ بیگم کو ہارٹ اٹیک ہوا، اور یہ اٹیک حویز کو پوری جان سے ہلا کر رکھ گیا تھا۔ بابا کے یوں کھو جانے کے بعد وہ ماں کو کھونے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا، اسی لیے ان کے کہنے پہ ہاسٹل سے گھر تو شفٹ ہو گیا تھا، لیکن اس نے انیکسی میں رہنے کو ترجیح دی

تھی۔ حالانکہ اس بات پہ مدثر ماموں بہت خفا ہوئے، لیکن طاہرہ بیگم اب خود بھی بیٹے کو ساتھ رکھنا اور بیٹے کے ساتھ رہنا چاہتی تھیں۔

اسی لیے مدثر کی ناراضی کے باوجود وہ حویز کے ساتھ انیکسی میں شفٹ ہو چکی تھیں۔

زندگی چل رہی تھی کہ جب اچانک ہی سے مدثر نے ایمن کے لیے طاہرہ بیگم سے خود بات کی تھی، اور یہ بات طاہرہ بیگم کو بے انتہا خوش کر گئی تھی، لیکن ساتھ میں وہ یہ بھی جانتی تھیں حویز کو منانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ابھی تو وہ ہلکے پھلکے انداز میں اس سے بات کر رہی تھیں۔

"ایسا کبھی نہیں ہوگا، مما! میں کبھی ایمن سے شادی نہیں کروں گا!" حویز نے سر کو جھٹکتے ہوئے گہرا سانس لیا۔ اور سر اٹھا کر ستاروں سے بھرے آسمان کی طرف دیکھا، وہ کیسے بھول سکتا تھا کہ اس کے باپ کے ذکر پہ اپنے تینوں کزنز کا طنزیہ ہنسنا، وہ کیسے بھول سکتا تھا کہ ان تینوں کا حویز کو دیکھ کر سرگوشیاں کرنا اور پھر اپنے ہونٹوں پہ ہاتھ رکھ کر ہنسنا۔ وہ کچھ بھی نہیں بھول پایا تھا۔ ہاسٹل جا کر بھی نہیں، ان سے دور ہو کر بھی نہیں۔ یہ وہ وقت تھا جب وہ ذہنی طور پر ٹوٹا ہوا تھا۔

ایک تو بابا کے یوں کھو جانے کا دکھ، ان کے نہ ملنے کا درد، اور پھر تنزیلہ ممانی کے ایک بار کہنے کے بعد اس کے کزنز کا انداز۔

وہ پہلے بھی کم گو تھا، اب مزید ہو گیا تھا۔ وہ بابا کے کھو جانے کے بعد بہت کم مسکراتا تھا۔ بہت کم بات کرتا تھا۔ بس ایک ایزل تھی اس کے جیسی۔ ہاں اسی کے جیسی، جو اپنے ماں باپ کے ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں مرنے کے بعد مجبوراً اپنے ماموں کے گھر رہ رہی تھی، جہاں روز اٹھتے ہی اسے اپنی ممانی سے "منحوس" لفظ کی عادت ہو چکی تھی۔

اس کی کزنز کے نخرے اور ایزل کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھانا تو روز کا معمول تھا۔ ایزل نے اپنے وجود پہ بے حسی کی چادر اوڑھ لی تھی۔ اس نے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دینے والی بات کو اپنے پلو سے باندھ لیا تھا۔

وہ ہنستی مسکراتی، باتیں کرتی، ہر ایک کو اپنے اندر کے غم اور دکھ سے ناآشنا رکھتی آئی تھی، لیکن وہ یہ ناآشنائی کا ڈرامہ حویز کے ساتھ نہیں رکھ پائی تھی۔

کبھی کسی کو کچھ نہ بتانے والی ایزل، اس دن دکھ بھرے دل کے ساتھ حویز کو سب بتاتی چلی گئی تھی۔

"اپنا گھر بہت بڑی نعمت ہوتا ہے، حویز۔ اور اس گھر میں ماں باپ ہوں تو یقین کرو، اس انسان سے زیادہ کوئی امیر ہو ہی نہیں سکتا۔ میں رشتوں کے معاملے میں بہت غریب ہوں اور شاید ایسی ہی رہوں گی۔"

آنسو اس کی آنکھوں سے بے اختیار بہتے چلے جا رہے تھے اور جب حویز ہاشمی نے اسے اپنے بارے میں بتایا، ایزل جو کچھ دیر پہلے شدت سے رو رہی تھی، اب اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے حویز کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"تمہارے پاس نہ ہونے کا دکھ ہے، مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ بابا زندہ بھی ہیں یا۔" حویز نے بات کو ادھورا چھوڑا اور اپنے سامنے ٹیبل کی سطح کو اپنے ہاتھ کے ناخن سے کھرچنے لگا۔

وہ دن ان کی دوستی کا پہلا دن تھا اور آج ایزل اس کی سب سے اچھی دوست تھی۔ وہ ایزل کے بارے میں اپنی ماں کو بتانا چاہتا تھا، وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے ایزل اچھی لگتی ہے، وہ اسے ہمیشہ کے لیے اپنے گھر لانا چاہتا ہے، لیکن وقت سے پہلے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ پہلے اس کی پڑھائی مکمل ہو جائے، اسے جاب مل جائے، اس کے بعد ہی وہ ماں سے ایزل کے بارے میں بات کرے گا۔ لیکن سوچا ہوا کبھی پورا نہیں ہوتا۔

اس رات ماضی کے ساتھ سفر کرتے کرتے حویز نے مستقبل کے دروازے پہ دستک دینے کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ گھر واپس آ گیا، لیکن اسے نہیں پتا تھا کہ اگلی صبح اس کے لیے خاصی ہنگامہ خیز ثابت ہونے والی تھی۔ ویک اینڈ کی وجہ سے حویز لیٹ سو کر

اٹھا۔ طاہرہ بیگم امینہ کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ یہ بات رضیہ نے اسے بتائی اور ناشتے کی ٹرے کو حویز کے سامنے رکھا۔ "ٹھیک ہے، آپ جائیں۔" حویز نے ٹی وی پر چلتے میچ کی طرف نظریں جمائے ہوئے رضیہ سے کہا، تو رضیہ اثبات میں سر ہلاتی۔ تنزیلہ بیگم کے پورشن میں آ گئی تھی۔ تنزیلہ بیگم پارلر جانے سے پہلے اسے شکیلہ کے ساتھ دوپہر کے کھانے کی تیاری سونپ کر گئی تھیں۔ فیضی ٹیبلٹ پہ اپنے دوست کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا، تو وہیں مشعل اپنے فون پہ گیم کھیلنے میں مصروف تھی۔

اچانک، صوفے کے کنارے پہ بیٹھی ایمن اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہوئی اور ان سب سے نظریں چرا کر انیکسی کی سمت بڑھ گئی۔

☆☆☆

حویز اپنا ناشتہ مکمل کر چکا تھا، وہ ٹرے کو کچن میں لے کر گیا اور اپنے ناشتے کے برتن دھونے کے بعد اس نے ریک میں برتنوں کو رکھا ہی تھا کہ دفعتاً اسے ایمن کے مخصوص کلون کی خوشبو محسوس ہوئی تھیں۔ حویز نے ہاتھ میں پکڑے کپ کو ریک میں رکھا اور تیزی سے پلٹ کر دروازے میں کھڑی ایمن کی طرف دیکھا، جو خود اعتمادی کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے اس کے قریب آئی تھی۔ "ماما گھر پہ نہیں ہیں، جب وہ آئیں تب آنا۔" حویز نے بے تاثر انداز میں کہا اور ایمن کا کوئی بھی جواب سنے بنا ہی کچن سے نکل کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ "تم مجھے اس طرح کیوں اگنور کرتے ہو؟" ایمن اکھڑے ہوئے لہجے میں کہتی ہوئی اس کے پیچھے آئی۔

"اُف"

حویز نے پلٹ کر انگلی اٹھا کر، خشمگیں نظروں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ تو ایمن لمحہ بھر کے لیے ڈر کر اچھلی تھی۔ اسے یوں ڈرتا دیکھ کر حویز کچھ لمحوں کے لیے موم ہوا۔ "میں تمہیں اگنور نہیں کر رہا، میں تم سے بس کہہ رہا ہوں کہ ماما آئیں گی۔ تو۔"

"آئی لو یو!" ایمن نے اتنی اچانک کہا کہ حویز ایک دم خاموش ہو گیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟ فضول بات مت کرو، ایمن، اور یہاں سے جاؤ!" لمحے بھر کی حیرانی ختم ہو کر اب غصے میں ڈھل گئی تھی۔ "یہ فضول بات نہیں ہے!" اس کے جواب پہ ایمن کو غصہ آیا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے، اور وہ اس سے کہہ رہا تھا "فضول بات مت کرو"۔ یعنی اس کی محبت کی اس کی نظر میں کوئی ویلیو ہی نہیں تھی۔

"میں تم سے کہہ رہی ہوں، میں تم سے محبت کرتی ہوں!" ایمن نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کر حویز کی شرٹ کو پکڑنا چاہا، لیکن اس سے پہلے ہی حویز اس کے ہاتھ کو جھٹک چکا تھا۔

"مجھے تم میں اور تمہاری محبت میں کوئی انٹرسٹ نہیں ہے!" حویز نے درشتی سے کہا اور پلٹ کر سائیڈ ٹیبل پہ پڑے اپنے فون کو اٹھانے لگا۔

ایمن کی آواز ایک بار پھر اس کے عقب میں گونجی تھی۔ "تم کس بات پہ اکڑتے ہو، حویز ہاشمی، میں چاہوں کھڑے کھڑے تمہیں، تمہاری اوقات سمیت خرید سکتی ہوں!" ایمن کے لفظ تھے یا پھر تیزاب جس نے حویز کو جلا کر خاکستر کیا تھا، وہ پنجوں کے بل گھوما تھا اور شعلہ بار نظروں سے ایمن کی طرف دیکھنے لگا۔

"بولو، کیا قیمت ہے تمہاری؟ تمہارے باپ کی قیمت تو پچاس لاکھ تھی! پچاس لاکھ کی وجہ سے۔" ابھی ایمن کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ حویز کا ہاتھ اٹھا اور ایمن کے گال پہ ثبت ہو گیا۔

"میرے بابا کے بارے میں تم نے آج کے بعد کوئی بات کی تو میں تمہیں زمین میں گاڑ دوں گا!" حویز غصے سے ایمن کے بازوؤں کو پکڑے، اسے جھنجوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جب اچانک ہی مدثر صاحب جو طاہرہ بیگم سے کچھ ضروری بات کرنے کے لیے انیکسی میں آئے تھے۔ حویز کے کمرے سے آتی آواز سن کر اس کے کمرے کی طرف بڑھے



Scanned with CamScanner

تھے۔

لیکن سامنے کا منظر دیکھ کر وہ حیرانی سے حویز کو دیکھ رہے تھے۔

"تمہاری، جرات بھی کیسے ہوئی کہ تم میری بیٹی کو تھپڑ مارو؟" مدثر صاحب غصے سے دھاڑتے ہوئے آگے بڑھے اور روتی ہوئی ایمن کو اپنے ساتھ لگالیا۔ "میرے بابا کے بارے میں کوئی بھی ایسا لفظ بولے گا تو میں اسے"... حویز نے ضبط سے اپنی دونوں مٹھیوں کو زور سے بھینچا۔ "کس کس کے منہ کو بند کرو گے؟ تمہارا باپ پیسے لے کر بھاگا تھا تو۔"

"مدثر" عقب میں کھڑی طاہرہ بیگم کے لہجے میں اس وقت درد ہی درد تھا۔ وہ ابھی چند لمحے پہلے ہی تو امینہ کے ساتھ واپس آئی تھیں اور یہاں۔

"ہاں، تو سچ کہہ رہا ہوں، آپ کے بیٹے کی جرات کیسے ہوئی میری بیٹی کو تھپڑ مارنے کی؟ اسے کہیں یا تو میری بیٹی سے معافی مانگے یا پھر ابھی اور اسی وقت میرا گھر چھوڑ کر چلا جائے۔"

مدثر ماموں کے لہجے میں رعونت تھی۔ "مدثر، میرے بیٹے کے ساتھ ایسے، کیسے کر سکتا ہے؟ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے!" طاہرہ بیگم دل میں کرلائی تھیں۔ وہ ایک بھی لفظ منہ سے نہیں نکال پا رہی تھیں۔ کیونکہ وہ حویز کی ضدی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھیں، اور ہوا بھی یہی تھا۔

حویز ماموں کی بات سن کر خاموش کھڑی ماں کی طرف آیا۔ "میں یہاں ایک منٹ نہیں رکوں گا، آپ میرے ساتھ چلیں۔"

اس وقت کہاں جانا ہے، کیسے جانا ہے؟ حویز نے کچھ نہیں سوچا تھا، اسے بس یہاں سے جانا تھا۔ اس کے بعد ہی وہ کچھ بھی سوچنا چاہتا تھا۔

"پاگل ہو گئے ہو حویز، چلو ماموں سے سوری کرو اور بات کو ختم کرو!" امینہ نے آگے بڑھ کر حویز کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں، ماما!" حویز نے خالہ کی بات کو مکمل طور پر نظرانداز کیا تھا۔

"اپنے باپ کی طرح ڈھیٹ بے شرم بھی۔ اس کے باپ نے بھی تو۔" مدثر ماموں نے آگے جانے کیا کہنا تھا۔ حویز سنے بنا ہی وہاں سے نکل آیا۔ طاہرہ بیگم بیٹے کو روکنا چاہتی تھیں، لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر پائی تھیں۔ حویز جا چکا تھا، اور اس کے جانے کے بعد طاہرہ بیگم نے ایک شکوہ بھری نظر بھائی پر ڈالی اور پھر اپنے دوپٹے کو منہ پہ رکھ کر شدت سے رو پڑی تھیں۔

☆☆☆

حویز ماموں کے گھر سے نکلنے کے بعد حسیب کے پاس آ گیا۔ "خیریت سب ٹھیک تو ہے نا؟" حسیب نے حویز سے سوال کیا۔"

"ہاں خیریت ہے۔ آج رات تمہارے پاس ہی رکوں گا۔" حویز نے کہا تو حسیب نے اس کے اندر آنے کے لیے راستہ چھوڑ دیا تھا۔ حسیب اس سے کچھ کھانے پینے کے بارے میں دریافت کرنے لگا۔ "مجھے کوئی فلیٹ رینٹ پہ چاہیے۔"

چائے پینے کے دوران حویز نے حسیب سے کہا۔ "ہمارا فلیٹ پچھلے ایک ماہ سے خالی ہے، لیکن تم فلیٹ رینٹ پہ کیوں لینا چاہتے ہو؟" حسیب نے کہہ کر سوالیہ نظروں سے حویز کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ حویز اسے کوئی جواب دیتا اس کے فون پہ ایمن کی کال آنے لگی تھی۔ حویز نے فون کو سائلنٹ پہ لگایا اور حسیب کی طرف متوجہ ہوا۔

"مجھے اور ماما کو فلیٹ میں رہنا ہے۔" حویز نے مختصراً کہا، اور حسیب نے اس سے مزید کوئی سوال نہیں کیا۔ اس وقت حویز کو بھی یہی ٹھیک لگا، وہ کوئی بات نہیں کرنا چاہتا تھا، اسی لیے خاموشی سے چائے کو حلق سے نیچے اتارنے لگا تھا۔

☆☆☆

"مدثر بھائی نے غصے میں کہا تھا، اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ تم یوں گھر چھوڑ کر چلے جاتے اور جا کر فلیٹ رینٹ پہ لے لیتے۔"

امینہ خالہ نے خفگی سے حویز کو دیکھا۔ حویز جو ماں کی الماری کھول کر اس میں موجود کپڑوں کو بیگ

وہ دونوں تیزی سے باہر کی سمت بھاگے اور دروازے کے پاس پڑی، بے حس و حرکت طاہرہ کو دیکھ کر ان دونوں کے چہرے کا رنگ فق ہوا تھا۔

اس سے پہلے کہ مدثر کچھ سوچتے، اینہ جو طاہرہ بیگم کی تلاش میں یہاں تک آئی تھیں، چلاتی ہوئی بہن کی طرف بڑھیں۔ مدثر نے اپنے دانتوں پہ دانت رکھ کر انہیں سختی سے دبایا۔

"ایمبولینس کو کال کریں!" روتی ہوئی اینہ نے جیسے چلا کر کہا۔

"میں کرتا ہوں"، کہنے کے بعد مدثر نے جیب سے فون نکال کر ایمبولنس بلانے کے لیے کال ملائی تھی۔

☆☆☆

طاہرہ بیگم کو میجر ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور وہ اس وقت آئی سی یو میں تھیں، ان کی حالت تشویش ناک تھی۔ حویز کے لیے یہ سب برداشت کرنا بہت مشکل تھا۔ حویز دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے آئی سی یو کے باہر کھڑا سرخ بلب پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ جب کوریڈور کے سرے پر ایزل کا سراپا نمودار ہوا تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی حویز سے کچھ فاصلے پر آ کر رکی تھی۔ اینہ، شہزاد، فیضی، ایمن کے ساتھ ساتھ مدثر اور تنزیلہ کی نظریں بھی اس گھنگریالے بالوں والی لڑکی پر تھیں جسے دیکھ کر حویز تیزی سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا،" ایزل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ حویز نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تو دور کھڑی ایمن کے دل پہ جیسے کسی نے چھریاں چلا دی تھیں۔ اس نے شعلہ بار نظروں سے ایزل کی طرف دیکھا، اور اس سے پہلے کہ وہ آگے بڑھ کر ایزل کو حویز سے دور کرتی۔ اینہ پھوپھو نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر روک لیا تھا۔ "یہ ہسپتال ہے یہاں کوئی بھی ایسا تماشہ نہیں کرنا، اور وہ بھی اس صورت میں جب حویز اپنے حواس میں نہیں ہے۔"

ایمن جیسے پیچ و تاب کھا کر رہ گئی تھی۔

"آنٹی کو کچھ نہیں ہوگا، حویز تم تو بہت مضبوط ہو، خود کو سنبھالو۔" ایزل کے لیے حویز کو سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اسی لیے اس نے حسیب کو کال کی تھی۔ حسیب پارکنگ میں ہی تھا۔ وہ پانچ منٹ میں وہاں پہنچ گیا۔ انسان اپنوں کو دیکھ کر ضبط کھوتا ہے، حویز بھی ایزل اور حسیب کو دیکھ کر خود پر قابو نہیں رکھ سکا۔ "اگر میری ماما کو کچھ ہوا تو میں جی نہیں پاؤں گا،" آئی سی یو کے باہر بیٹھا حویز اس لمحے خود کو بے حد بے بس محسوس کر رہا تھا۔

اسے نہیں پتا تھا کیا ہوا تھا۔

وہ اینہ خالہ کے ساتھ بات ختم کر کے آدھے راستے میں ہی پہنچا تھا، جب اینہ خالہ کی کال اس کے فون پر آئی۔ اس نے فون کان سے لگایا، اینہ خالہ رو رہی تھیں، اور اسے بس یہ سمجھ میں آیا کہ اسے ہاسپٹل پہنچنے کا کہہ رہی ہیں۔

حویز کے قدموں تلے جیسے زمین کھینچ لی گئی تھی۔ یا پھر سر پر آسمان گر گیا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا وہ یہاں کیسے پہنچا۔

لیکن جب سے آیا تھا بس آئی سی یو کے بند دروازے کے کھلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ جانے کیوں یہ دروازہ ابھی تک کھلا نہیں تھا؟ بھلا اتنی دیر کون لگاتا ہے۔ سفید فرش پر بیٹھا حویز کا دل دھڑک رہا تھا، ہر لمحہ اذیت بھرا تھا، ہر پل درد دے رہا تھا۔ قرار تب آتا جب وہ ماں کی صورت دیکھ لیتا۔

آئی سی یو کے اوپر لگا سرخ بلب بند ہوا۔ سفید فرش پر بیٹھا حویز تیزی سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔ آئی سی یو کا بند دروازہ کھلا تھا اور ایک نرس باہر آئی۔ "حویز ہاشمی" نرس نے وہاں کھڑے لوگوں پر ایک نظر ڈالی۔

"میں ہوں، حویز۔" وہ آگے بڑھا، آپ میرے ساتھ اندر آئیں،" نرس نے سنجیدہ انداز میں کہا اور واپس پلٹ گئی۔ حویز نے پلٹ کر ایزل کی طرف دیکھا۔ "آنٹی نے تمہیں بلایا ہوگا" ایزل نے تسلی بھرے لہجے میں کہا، تو حویز نے



Scanned with CamScanner

اپنے قدموں کو آگے کی جانب بڑھا دیا تھا، مشینوں میں جکڑا وجود کچھ بولنے کی کوشش کر رہا تھا، لیکن طاہرہ بیگم بہت کوشش کے باوجود بول نہیں پا رہی تھیں۔ طاہرہ بیگم نے اپنے چہرے پہ لگے آکسیجن ماسک کو ہٹانے کے لیے کہا تھا۔ حویز نے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کی طرف دیکھا، جنہوں نے نفی میں سر کو ہلا دیا تھا۔

"ہم ان کی آکسیجن نہیں ہٹا سکتے۔ آپ ان کے نزدیک جا کر سننے کی کوشش کریں کہ کیا کہنا چاہتی ہیں۔" ڈاکٹر نے کہا۔ تو حویز ماں کے قریب ہوا۔ اس کی ماں کچھ کہہ رہی تھیں۔

یقین کرنا مشکل تھا۔ بہت مشکل تھا۔ ہاں حویز کے لیے تو ہر سو کانٹے تھے۔ اس سے پہلے کہ وہ درد سے خود بھی گر جاتا۔ سامنے لگی مشین میں چلتی سبز لائن اب سیدھی ہونے لگی تھی"۔ ڈاکٹر، میری ماما"...

حویز گھبرا کر پلٹا، ڈاکٹر نے اس کو ماں کے قریب سے ہٹانے کی کوشش کی، لیکن ماں کے ہاتھ کی گرفت ڈھیلی پڑنے لگی تھی، سانس دیے جانے لگے، لیکن زندگی کا مسافر موت کی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

وارڈ بوائے زبردستی حویز کو آئی سی یو کے باہر لے کر آیا، جس کی حالت اتنی خراب تھی کہ ایزل کو لگا اس کا اپنا دل بند ہو جائے گا۔

"میری ماما۔" حبیب کے گلے لگتے ہوئے، وہ لمبا چوڑا مرد بچوں کی مانند رو پڑا تھا۔ زندگی ہار گئی تھی، موت جیت گئی تھی، بلکہ نہیں، اپنوں کا دیا دھوکہ طاہرہ بیگم برداشت نہیں کر سکی تھیں، اپنا بھی کون، خود کا سگا بھائی یقین کرنا ہی تو نہیں چاہتی تھیں۔

اسی لیے آنکھیں موند کر سکون سے مر جانا ہی ٹھیک لگا تھا۔ لیکن حویز کے لیے یہ سب ماننا بہت مشکل تھا، یقین کرنا مشکل تر تھا اور پھر۔

☆☆☆

چار ماہ بعد۔

ایک گاڑی شہر خاموشاں کے باہر آ کر رکی تھی، پھولوں کی پتیوں کا شاپر لیے، وہ اس کے ساتھ گاڑی سے اتری تھی۔ وہ جب بھی یہاں آتا تھا، کوئی بات نہیں کرتا تھا، خاموشی سے چلتا، وہاں تک آتا، خاموشی سے واپسی کی راہ لیتا، اور پھر اسے سنبھلنے میں بھی دو دن لگا کرتے تھے، لیکن وہ اس کی توجہ محبت سے سنبھل جایا کرتا تھا۔ وہ سوچتی ہوئی اس کے عقب میں چلی جا رہی تھی، جب وہ ایک قبر کے پاس آ کر رکا تھا۔ کتنی ہی دیر تک وہ خاموشی سے اس قبر کی مٹی کو دیکھتا رہا۔

اسی بیچ اس نے پھولوں کی پتیوں کو قبر پہ بکھیرا، خود بھی اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔ "میں نے اور آپ نے ہمیشہ بابا کے لوٹنے کا انتظار کیا تھا۔ کیونکہ ہمیں اس بات کا یقین تھا، بابا کبھی ہمیں چھوڑ کر خود سے کہیں اور نہیں جا سکتے، اور ہمارا یقین سچ ہی تو تھا، بابا ہمیں چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔ ماما، بلکہ ماموں اور شہزاد انکل نے۔"

اس کا گلا رندھا تھا۔

"مجھے یقین نہیں آتا۔ ماما، کہ ماموں ایسا کر سکتے ہیں، ماموں اور انکل اتنے خود غرض، اتنے ظالم ہو سکتے ہیں، اور پتا ہے ماموں شاید کبھی اپنے اس گناہ کو نہیں مانتے۔ اگر ضمیر کی آواز پہ شہزاد انکل بول نہ پڑتے، عدالت میں اپنے جرم کا اعتراف نہ کرتے۔" اس دن جہانگیر صاحب کو مدثر اور شہزاد راستے میں ملے تھے۔ جب انہیں رقم کے بارے میں پتا چلا تو انہوں نے فوری پلان بنایا۔

وہ دونوں ان کو کسی سے ملنے کے بہانے اپنے ہمراہ دریا کے کنارے لے گئے تھے۔ جہانگیر ان کے ساتھ نہیں جانا چاہتے تھے۔

وہ تو اپنے پاس موجود امانت کو لاکر تک لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن اپنوں پہ تو ہمیں یقین ہوتا ہے نا ایسا ہی یقین جہانگیر کو ان دونوں پہ بھی تھا، لیکن ان کے اس یقین کو پیسے کی خوشبو، پیسے کی ہوس نے مٹی میں ملا دیا تھا۔ ان دونوں نے اسی رات ان کا گلا گھونٹ کر مار دیا تھا۔ اور لاش۔ دریا کی مخلوق کی خوراک بنانے کے لیے دریا میں بہا دی تھی، جو کہانی



Scanned with CamScanner

انہوں نے بنائی، وہ کہانی جیسے حقیقت بن گئی تھی۔

"آج بابا کی روح کو سکون مل گیا ہوگا، کیونکہ میں نے ان کے گناہ گاروں کو معاف نہیں کیا۔ وہ دونوں عمر بھر جیل میں رہنے کی سزا پا چکے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ یہ سزا ان جیسے لوگوں کے لیے بہت کم ہے، لیکن عیاشی میں رہنے والے ماموں اور شہزاد انکل کے لیے جیل میں رہنا ہی آدمی موت کے برابر ہے۔ ماما، ان دونوں کو تو ان کے کیے کی سزا مل چکی ہے، لیکن مجھے کیسے سکون آئے گا؟ میں آپ کے ساتھ اور بابا کے ساتھ رہنا چاہتا تھا، لیکن ان دونوں کے لالچ نے مجھ سے میرا بچپن چھین لیا۔ میں آپ کے اور ایزل کے ساتھ زندگی گزارنا چاہتا تھا، لیکن آپ نہیں ہیں ماما۔ میری قسمت میں ایسا کیوں ہے؟ میں تو بس اپنوں کے ساتھ جینا چاہتا تھا، لیکن۔" حویز پھر سے ہچکیوں سے رونے لگا تھا۔

"خود کو سنبھالو، حویز۔"

"ایزل،" تم نے دیکھا نا۔ امینہ خالہ نے کیسے کہا تھا کہ میں اس بات کو یہی ختم کر دوں۔ تنزیلہ ممانی کو اپنے بھائی کی کتنی فکر تھی۔ اگر اصول کی بات ہوتی تو امینہ خالہ کو میرا ساتھ دینا چاہیے تھا۔ کیا اپنے ایسے ہوتے ہیں؟ اگر اپنے ایسے ہوتے ہیں تو پھر ایسے اپنے نہیں ہونے چاہئیں۔

میری ماں نے جن لوگوں پہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا، انہوں نے میری ماں کے ساتھ بہت برا کیا، بہت برا کیا۔" حویز نے آہستہ سے کہتے ہوئے اپنے سر کو جھکا لیا تھا۔

"ہم اپنوں کے معاملے میں بہت ہی بدنصیب ہیں، سوچا تھا تم سے شادی کروں گی تو ماں کی صورت میں ایک اور رشتہ میرے حصے میں آ جائے گا، لیکن ایسا نہیں ہو سکا، ہمارا تو نکاح بھی آنٹی کے چالیسویں کے بعد ہوا۔ اور نئی زندگی کی شروعات خود ہی کرنی پڑی، میں نے مان لیا ہے حویز کہ......"

اس سے پہلے کہ ایزل اپنی بات مکمل کرتی، حویز نے اس کے ہونٹوں پہ اپنی انگلی رکھ دی۔

"تم میری کائنات ہو اور میں تمہاری دنیا ہوں، ہمیں کسی تیسرے کی ضرورت نہیں، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کی دنیا ہیں، اور ہماری اس دنیا میں ایک مہمان آنے والا ہے، ہم کافی ہیں ایک دوسرے کے لیے۔" حویز نے کہہ کر مسکرانے کی کوشش کی تو ایزل بھی دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

"چلو مغرب کی اذان ہونے والی ہے تمہارا یہاں بیٹھنا مناسب نہیں ہے۔" حویز نے کہتے ہوئے فاتحہ کے لیے دونوں ہاتھوں کو اٹھایا، تو ایزل نے بھی اس کی تقلید میں اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھا لیا تھا، دعا کے بعد حویز نے اپنا ہاتھ ایزل کی سمت بڑھا دیا تھا۔

جسے ایزل نے کسی متاع زیست کی طرح تھام لیا تھا۔ اور جس وقت وہ دونوں دھیرے دھیرے چلتے ہوئے قبرستان سے باہر آ رہے تھے۔ ایمن گاڑی سے اتر رہی تھی۔

انہیں دیکھتے ہی وہ بھاگتی ہوئی اس کے سامنے آ کر رکی تھی۔

حویز نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا

"سچ کہوں تو میں خود ابھی تک اس شاک میں ہوں کہ یہ سب بابا نے کیا مجھے ہمیشہ ان کی بیٹی ہونے پہ فخر محسوس ہوتا تھا لیکن اب۔" ایمن نے بات ادھوری چھوڑ کر اپنے سر کو جھکایا اور اپنے ہاتھوں کی طرف دیکھا۔

"میں بہت چاہنے کے باوجود بھی اپنے پاپا سے نفرت نہیں کر پائی شاید یہ رشتے ہی ایسے ہوتے ہیں۔

"تمہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے تو کرو۔"

حویز جیسے ایمن کی باتوں سے اکتا گیا تھا۔

"میرے پاپا کو معاف کر دو۔" ایمن کی آنکھیں جھلملائی تھیں، حویز نے بےزاری سے ہنکارا بھرا تھا اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ ایمن نے دور تک جاتی گاڑی کو دیکھا، اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے قطرے ٹوٹ کر جدا ہونے لگے تھے۔

شاید محبت کو کھو دینے کا درد تھا، جو آنسوؤں کی صورت باہر نکلا تھا یا باپ کی اصلیت سامنے آ جانے کی اذیت تھی، جو آنسوؤں کی صورت بہہ رہی تھی،



Scanned with CamScanner

کتنی عجیب بات تھی نا، ایمن جانتی تھی وہ اب بھی حویز ہاشمی کو پا نہیں سکتی، لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی جو اس سے محبت کرنا بند ہی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"تم نے میرے بابا کو بہت کڑی سزا دی ہے، حویز علی۔ ان کی اکلوتی بیٹی ایسے سراب کے پیچھے ہے جس کی کبھی کوئی منزل نہیں ہے۔ بابا جیل سے رہا ہو کر آ بھی جائیں گے تو ایک نئی سزا ان کی منتظر ہوگی، اور وہ سزا ان کی اکلوتی بیٹی کی آنکھوں میں محبت کی صورت تمہارا عکس ہوگا، کتنی عجیب بات ہے نا، میں تم سے اب پہلے سے بھی کہیں زیادہ محبت کرنے لگی ہوں۔ پہلے تو لاابالی پن تھا، ضد تھی، اور اب لاحاصل عشق۔"

نم آنکھوں کے ساتھ ایمن مسکرائی اور پھر طاہرہ بیگم کی قبر پہ جانے کے لیے اپنے قدموں کو بڑھا چکی تھی۔

وہ دل کی باتیں جو کسی سے نہیں کر سکتی تھی، طاہرہ پھوپھو سے کرنے کے لیے آتی تھی، اور کچھ دیر کے بعد ہی وہ طاہرہ بیگم کی قبر کے پاس بیٹھی اپنی محبت کے لیے رو رہی تھی۔

"اس نے شادی کر لی پھوپھو، اس نے میری طرف دیکھا تک نہیں، کوئی ایسا بھی کرتا ہے، ہاں حویز تھی ایسا ہی تھا، اسے پانے کی اگر کوئی امید تھی بھی تو وہ بھی ختم ہو چکی تھی، کیونکہ اکثر اوقات ماں باپ کا کیا اولاد کو بھگتنا پڑتا ہے۔" اب ایمن طاہرہ بیگم کی قبر پہ سر رکھے روئے جا رہی تھی اور پھر روتی چلی گئی، نم آنکھیں، بوجھل دل لیے ایمن واپس گاڑی میں آ بیٹھی، اس کے بیٹھتے ہی ڈرائیور نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی۔

ایمن نے گہرا سانس لیا اور اپنی آنکھوں کو بند کر لیا، لاحاصل محبت بھی تو حاصل محبت کی طرح ہی عزیز ہوتی ہے، شاید مدثر صاحب کی یہی سزا کافی تھی۔ حویز اور طاہرہ بیگم کو درد دینے کی سزا ان کی اکلوتی بیٹی کے حصے میں آئی تھی۔ عجب خسارہ تھا۔ عجب امتحان۔ یا شاید عمر بھر کے لیے عجب سزا تھی۔ جو مدثر صاحب کے حصے میں آنے والی تھی۔

☆☆


پیارے بچوں کے لئے

# قصص الانبیاء

تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشتمل
ایک ایسی خوبصورت کتاب جسے آپ
اپنے بچوں کو پڑھانا چاہیں گے۔

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32216361


Scanned with CamScanner

راشدہ رفعت

# انتظار کی مار

رات کے پچھلے پہر زبردست آندھی آئی تھی۔ گھر پرانی وضع پر بنا تھا صحن، برآمدہ اور برآمدے میں کھلتے کمروں کے دروازے، ہوا کا رخ ایسا تھا کہ پورا گھر دھول مٹی سے اٹ گیا۔ ہفتے کو بچوں کی اسکول سے چھٹی ہوتی تھی۔ یونس تو دکان پر ویسے ہی دیر سے جاتے تھے۔ نوشابہ نو بجے سو کر اٹھی۔

گھر کا حشر دیکھ کر پہلے تو یونس پر غصہ آیا کتنی بار کہہ چکی تھی کہ گھر کے نقشے میں تبدیلی کروالیں لیکن یونس نے اس مطالبے کو بھی سنجیدگی سے نہ لیا تھا۔ اب بھی یونس نے نوشابہ کا مطالبہ معمول کی کارروائی کے طور پر لیا اور ناشتا کر کے باہر کی راہ لی۔

اتنے میں بچے بھی سو کر اٹھ گئے۔ نوشابہ نے ان کا ناشتا بنایا مگر نگاہیں بار بار گھڑی کی طرف اٹھ رہی تھیں۔ اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ آج پروین چھٹی نہ مار لے۔ اس کا گزشتہ ریکارڈ کچھ ایسا ہی تھا۔ جب اسے اندازہ ہوتا کہ گھر میں صفائی کا کام زیادہ ہوگا کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے چھٹی مار لیتی تھی۔ نوشابہ کو اس کی اس حرکت پر غصہ تو بہت آتا کہ دل کرتا کم بخت کی مستقل چھٹی کر ڈالے لیکن آج کے دور میں ایسی بھروسے کی ملازمہ ملنا بھی تو مشکل تھی۔

پروین کا خاندان برسوں سے دیکھا بھالا تھا۔ پہلے اس کی ماں نوشابہ کے میکے میں کام کرتی تھی۔ بیماری بڑھاپے کی وجہ سے اس نے کام چھوڑ دیا۔ بہت دن بعد اپنے بیٹے کلیم کو نوشابہ کے بھائی کی دکان پر کام دلوانے کے لیے آئی تو نوشابہ نے پیشکش کر ڈالی کہ اگر پروین اس کے ہاں کام کرنے پر تیار ہو تو وہ معقول معاوضہ دے گی۔

پروین پروفیشنل ماسی نہ تھی صرف نوشابہ کے ہاں کام کرنے آتی۔ کلیم چونکہ نوشابہ کے بھائی کی دکان پر ملازم ہو گیا تھا سو اس نے بھی پروین کو یہاں کام کی اجازت دے دی۔ کام صفائی سے کرتی نوشابہ کو اس معاملے میں شکایت کا موقع کم ہی ملا قابل اعتبار بھی تھی۔ مسئلہ اس کی اچانک کی جانے والی چھٹی کا ہوتا تھا۔

نوشابہ کو ڈر تھا کہ آج وہ ڈنڈی ضرور مارے گی۔ اسے جلد آنے کی تاکید کرنے کے لیے نوشابہ نے اس کا نمبر ملایا تو نمبر بند تھا۔ یہ بھی پروین کا پرانا حربہ تھا۔ اگر فون آن کرتی تو نوشابہ کہہ سن کر اسے کام پر بلوا لیتی۔ اگلے دن کسی ٹھوس بہانے کے ساتھ وہ گھر میں قدم رکھتی تھی اور باجی کی تھوڑی بہت ڈانٹ پھٹکار سن کر معمول کے انداز میں اپنے کام نمٹانے لگتی۔

☆☆☆

نوشابہ دل ہی دل میں پروین پر بری طرح پیچ و تاب کھاتی خود ہی گھر کی صفائی پر جت گئی۔ اور جب ایک بار کام پر کمر کس لیتی تو پھر کئی دن سے نظر انداز ہوئے کام بھی نمٹائی چلی جاتی۔ دیواروں کے جالے اتارے، پنکھے جھاڑے، گھر کے ہر کونے کھدرے کی صفائی کی۔ صفائی کا یہ کام گھنٹوں پر محیط ہو گیا یہ شکر تھا کہ آج موسم خوش گوار تھا اب بھی آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور خوش گوار ہوا چل رہی تھی۔

صفائی سے فارغ ہو کر وہ خود نہانے باتھ روم میں گئی تو بچوں کو بھی ہانک لگائی کہ وہ ٹی وی اور موبائل کا پیچھا چھوڑ کر جلدی سے تیار ہو جائیں وہ

اب نانو کے ہاں جائیں گے۔ بچے خوشی سے نعرہ مارتے تیار ہونے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ناصر ماموں کے بچوں سے ان کی خوب دوستی تھی۔

نوشابہ کا میکہ قریب ہی تھا۔ سچی بات تو یہ تھی کہ آج اس میں کھانا بنانے کی ہمت ہی نہ تھی گھر نکلنے سے پہلے ماں کو فون کر کے اپنی آمد کا بتایا۔ افشین بھابھی سالن دوپہر کو بناتی تھیں امید تھی سالن بن چکا ہوگا۔ کیا تھا جو وہ چار روٹی فالتو ڈال لیتیں۔

☆☆☆

خدیجہ بیگم نے بیٹی کا فون اٹینڈ کرنے کے بعد افشین کو اس کی آمد کے بارے میں بتایا تھا۔

"نوشابہ بچوں سمیت آ رہی ہے۔ کھانے کا وقت ہے۔ وہ تو منع کرے گی لیکن یوں اچھا تھوڑی لگتا ہے۔ روٹی بنالو اور میٹھے میں دودھ والی سویاں

Scanned with CamScanner

بنالیتا اس کے بچے شوق سے کھاتے ہیں۔"
خدیجہ بیگم نے بہو کو ہدایت دی۔
"جی امی" کہہ کر کچن میں گھس گئی۔ ساس
افشین کے سامنے اپنے چہرے کے تاثرات نارمل ہی رکھے لیکن سچ یہ ہی تھا کہ اس کا موڈ آف ہو گیا تھا اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ آج نوشابہ ضرور میکے کا رخ کرے گی۔ موسم خوش گوار تھا۔ افشین نے صبح ہی ناصر سے کہہ دیا تھا کہ وہ شام کو ملازموں کو کام سمجھا کر دکان سے جلد اٹھ جائے، بچے بہت دن سے سیر کا مطالبہ کر رہے تھے سوچا آج موسم کی خوش گواری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بچوں کو باہر گھما لائیں لیکن اب یہ پروگرام چوپٹ ہوتا نظر آرہا تھا کیونکہ نوشابہ کا سابقہ ریکارڈ یہ ہی تھا کہ وہ دوپہر کے کھانے سے پہلے آتی تو رات کا کھانا کھا کر واپس جاتی تھی بلکہ رات کے کھانے پر یونس بھی موجود ہوتا تھا۔

خدیجہ بیگم داماد کی خاطر مدارت میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھیں لیکن اس خاطر مدارت کے ضمن میں انہیں صرف زبانی حکم نامہ جاری کرنا پڑتا تھا۔ شامت تو افشین کی آتی تھی نا۔ اب بھی ایک خوش گوار شام کی بربادی پر وہ دل میں آٹھ آٹھ آنسو بہاتی نوشابہ کی فیملی کے لیے کھانا تیار کرنے لگی۔

☆☆☆

ناصر نے شام چھ بجے بیوی کو فون کیا تھا۔

"بس تم لوگ تیار ہو جاؤ، میں ذرا سی دیر میں نکل رہا ہوں دکان سے۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے آنے کی۔ آپ کی بہن تشریف لائی ہوئی ہیں۔ اب ہم گھر سے نہیں نکل سکتے۔ اچھا بھلا پروگرام چوپٹ کر دیا نوشابہ نے۔" افشین بھری بیٹھی تھی۔

"نوشابہ آئی ہوئی ہے۔" ناصر کی آواز دھیمی ہوئی۔ "تو آیا رہنے دو اسے۔ ہم چل پڑیں گے۔ کوئی ایسا مسئلہ تو نہیں۔" اس نے بیوی کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

"مسئلہ تو آپ کی امی جان بنائیں گی نا۔ بہن میکے آئی ہے اور بھائی بیوی بچوں کو لے کر سیر سپاٹے پر نکل گیا۔ جانتے ہیں نا کتنی باتیں سنائیں گی وہ۔" افشین نے شوہر کو خفگی سے جتایا۔

"اچھا تو یوں کرتے ہیں نوشابہ کے بچوں کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں پھر تو امی کو باتیں بنانے کا موقع نہیں ملے گا ناں۔" ناصر نے درمیانی راہ نکالی۔

"بس رہنے دیں ناصر صاحب! ماچس کی ڈبیا جتنی آپ کی گاڑی ہے کوئی ہوائی جہاز نہیں۔ کس کس کو ٹھونس کر لے جائیں گے۔ ایسی تجویزیں دے کر میرا دل مزید جلانے کی ضرورت نہیں۔"

افشین نے کھٹاک سے فون بند کر دیا تھا۔

ناصر "ہیلو سنو تو سہی۔" کہتا ہی رہ گیا اتنے میں کلیم اس کے قریب آیا تھا۔

"صاحب! آپ سے صبح بات کی تھی ناں۔ پانچ سو روپے ایڈوانس میں سے دے دیں۔ دراصل آج پروین نے فرمائش کی تھی کہ گھر واپسی پر چنے لیتے آنا۔ سال، چھ مہینوں میں فرمائش کرتی ہے جی بس اسی لیے پیسے مانگ رہا ہوں تنخواہ میں سے کٹوا دوں گا۔" اس نے صاحب کو مخاطب کیا۔

"ایک مہینے میں تم پانچ سے چھ بار ایڈوانس پیسے لیتے ہو کلیم اور تنخواہ ملنے کے بعد تم مجبوریوں کا رونا روتے ہو۔ پیسے درختوں پر نہیں اگتے اور اپنی بیوی کو سمجھا دو کہ مہینے کے آخر میں بلاوجہ کی فرمائشیں مت کیا کرے اور اگر کرے تو کم از کم میرے پاس آکر ادھار یا ایڈوانس کا تقاضا مت کیا کرو۔ بات آگئی سمجھ میں۔"

ناصر نے اسے بری طرح جھڑک دیا تھا وہ دکان کا سب سے سینئر سیلز مین تھا۔ ناصر کا سر چڑھا اور قابل بھروسا۔ دکان پر کام کرتے دوسرے دو لڑکوں پر ٹھیک ٹھاک رعب جماتا تھا۔ ناصر صاحب کا گھرانا اس کے سسرال والوں کا جانا پہچانا گھرانا تھا۔ اس گھر میں اس کی ساس کی بہت قدر تھی اس دکان پر کلیم کو اس

کی ساس نے ہی کام ہولوایا تھا۔

ناصر صاحب اس تعلق داری کا لحاظ کرتے ہوئے کلیم سے اچھا برتاؤ اختیار کرتے تھے۔ دو چار بار ایڈوانس پیسے مانگنا اور ناصر صاحب تنخواہ دیتے ہوئے فیاض اور فراخدلی کا اظہار کرتے اور یہ ہزار، پندرہ سو اس کی تنخواہ میں سے نہ کاٹتے لیکن آج کلیم نے صاحب کے پاس جانے میں ٹائمنگ کی غلطی کرلی تھی۔ صاحب شاید اپنے گھر فون کرکے فارغ ہوئے تھے ان کے چہرے کے تاثرات خوش گوار نہ تھے لیکن یہ سب سوچنے کا موقع اسے جھاڑ کھانے کے بعد ملا تھا۔ اوپر سے دکان پر کام کرتے دو نئے ملازم لڑکوں کے چہروں پر دبی دبی مسکراہٹ اس کے دماغ کا مزید میٹر گھمانے کا باعث بنی تھی۔

رات کو جب وہ گھر لوٹا تو پروین نے اسے خالی ہاتھ آتا دیکھ کر شکوے شکایت کی پٹاری کھولنا چاہی تو کلیم کا پارہ مزید چڑھ گیا تھا۔ اس نے دن بھر کی ساری بھڑاس دل بھر کر نکالی تھی۔ شوہر کی طرف سے اس غیر متوقع عزت افزائی پر پروین کا منہ پھول کر کپا ہوگیا تھا۔ وہ ناراضی کا اظہار کرتی دھپ دھپ کمرے میں چلی گئی۔ کمرے میں ببلو کتابیں کھولے بیٹھا تھا۔ کل اتوار تھا۔ اسکول کی چھٹی تھی لیکن ببلو آج رات کو کتابیں کھول کر جلدی جلدی ہوم ورک بھگتا رہا تھا تو اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ وہ بہت پڑھا کو تھا بلکہ آج اس نے سارا دن پتنگ بازی کی نذر کیا تھا اور یقیناً اتوار کا سارا دن بھی اسی مشغلے کی نذر کرنا چاہتا تھا اس لیے ابھی ہوم ورک کرکے فارغ ہونا چاہتا تھا۔ ماں کو کمرے میں آتا دیکھ کر اسے کچھ یاد آیا۔

''امی! ہماری ٹیچر کہہ رہی تھیں کہ ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ گول ہے کیا یہ بات صحیح ہے؟'' اس نے حیرت بھرے انداز میں ماں سے دریافت کیا۔

''ہاں صحیح کہہ رہی تھی تیری ٹیچر۔'' پروین نے مختصر جواب دیا۔

''واقعی امی؟'' ببلو کی تسلی نہ ہوئی۔

''کہہ تو دیا ہاں۔ دماغ کیوں کھا رہا ہے اور اب سمیٹ اپنا بستہ باقی کام کل کرنا۔ یہ کوئی ٹائم ہے پڑھنے کا۔ سارا دن آوارہ گردی کرتا ہے۔ کل اگر پتنگ اڑانے کوٹھے پر چڑھا تو ٹانگیں توڑ دوں گی۔''

پروین نے بیٹے کو دھمکایا۔ ماں کی دھمکی کا قطعی اثر نہ لیتے ہوئے ببلو ہوم ورک مکمل کرنے لگا لیکن اس کی حیرانی اب بھی کم نہ ہوئی تھی۔ یہ سچ تھا کہ دنیا گول ہے یعنی کہ واقعی بالکل گول مٹول۔

''تو مس سیما صحیح کہہ رہی تھیں۔'' ببلو نے چشم تصور سے گول مٹول سی دنیا کے بارے میں سوچا۔ ناکام ہونے پر سر جھٹکا اور پھر سے سبق کا رٹا لگانے لگا تھا۔

☆☆


خواتین ڈائجسٹ

کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول

دستِ کوزہ گر

فوزیہ یاسمین

منگوانے کا پتہ

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ہوتے ہیں جو سب کے وہ کسی کے نہیں ہوتے
اوروں کے تو کیا ہوں گے، وہ اپنے نہیں ہوتے

مل ان سے کبھی جاگتے ہیں جن کے مقدر
تیری طرح ہر وقت وہ سوئے نہیں ہوتے

دل میں جو پھرا کرتے ہیں ہشیار و خبردار
وہ میری طرح رات کو جاگے نہیں ہوتے

ہم ان کی طرف سے کبھی ہوتے نہیں غافل
رشتے وہی پکے ہیں جو پکے نہیں ہوتے

اغیار نے مدت سے جو روکے ہوئے تھے کام
اب ہم بھی یہ دیکھیں گے وہ کیسے نہیں ہوتے

ناکامی کی صورت میں ملے طعنۂ نایافت
اب کام مرے اتنے بھی کچے نہیں ہوتے

شب اہل ہوس ایسے پریشان تھے باصر
جیسے مہ و انجم کبھی دیکھے نہیں ہوتے

باصر سلطان کاظمی

## پس عذاب آشنائی

وہ جو ہم خواب ہوتے ہیں
بڑی مشکل سے ملتے ہیں
بہت نایاب ہوتے ہیں
تعارف اور تعلق میں
جو عرصہ ساتھ کٹتا ہے
جو پیچ و تاب ہوتے
ان ہی کے درمیاں صاحب
محبت اور رفاقت میں
سب ہی شاداب ہوتے ہیں
ادھر وہ پل بھی آتا ہے
جو رنجش دے کے جاتا ہے
سو ہم خوں ناب ہوتے ہیں
یہ سب ٹھیک ہے لیکن
ملن کے اور جدائی کے
جدا آداب ہوتے ہیں

خالد معین



Scanned with CamScanner

شگفتہ جاہ

# رنگارنگ پھول

## رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا: میں کچھ خواتین کے ساتھ بیعت کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جن کاموں کی تمہیں استطاعت اور طاقت ہو (ان میں میرے حکم کی تعمیل ضروری ہے۔) میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا۔''

فوائد و مسائل:

1۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھانجی تھیں۔ ان کی والدہ رقیقہ بنت خویلد ام المومنین خدیجہ بنت خویلد کی ہمشیرہ تھیں۔ حضرت امیمہ کے والد کا نام عبداللہ بن بجاد بھی تھا۔

2۔ بیعت عورتوں سے بھی لی جا سکتی ہے۔

3۔ مرد کے لیے غیر محرم عورت سے مصافحہ کرنا جائز نہیں۔

4۔ عورتوں سے بیعت میں پردے کے شرعی احکام کی پابندی ہے۔

(سنن ابن ماجہ)

## حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

☆ بدترین دوست وہ ہے جس سے تجھے عذرت اور تکلف کرنے کی ضرورت پڑے۔

☆ اپنے دشمن کو ہزار مواقع دو کہ وہ تمہارا دوست بن جائے لیکن اپنے دوست کو ایک موقع بھی لیا نہ دو کہ وہ تمہارا دشمن بن جائے۔

## ساس سے حسن سلوک

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ساس حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسد کی حقیقی ماں کی طرح دل و جان سے خدمت کرتی تھیں۔ حضرت فاطمہ بنت اسد کا بیان ہے۔

''جس قدر میری خدمت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کی ہے، شاید ہی کسی بہو نے اپنی ساس کی اتنی خدمت کی ہو۔''

## وقت

استاد اور کتابوں کی اہمیت اپنی جگہ لیکن سبق وہی یاد رہتا ہے جو وقت ہمیں سکھاتا ہے۔

## پاکستانی خواتین کے طنز و طعنے

☆ آپ کے سارے بھائی اتنے چالاک ہیں آپ کیوں اتنے بے وقوف ہیں۔

☆ سارے تکیے آپ نے توڑ مروڑ کر برباد کر دیے ہیں۔

☆ آپ کے گھر والوں نے کبھی مجھے بہو کا درجہ نہیں دیا۔

☆ آپ کبھی میری بات نہیں مانتے۔

☆ میری طبیعت اتنی خراب ہے لیکن آپ کو تو پروا ہی نہیں۔

☆ بچے میری کوئی بات نہیں مانتے اور آپ انہیں کچھ نہیں کہتے

☆ میں کبھی آگے سے بولی ہوں۔

☆ اتنی دفعہ آپ کو بڑا غصہ آتا ہے۔

☆ آپ کے بھائی ہر بات میں بیویوں سے مشورہ کرتے ہیں اور ایک آپ ہیں۔

(مشتاق احمد یوسفی)

## ہمارے سرکاری اسکول

گاؤں میں کافی پرانا، سرکاری اسکول تھا۔ اسکول کا حال یہ تھا کہ دیواریں آدھی سے زیادہ ٹوٹی ہوئی تھیں۔ چھت تقریباً گر چکی تھی۔ دروازے اور کھڑکیاں غائب تھیں۔ بچوں کے ساتھ ساتھ اب آوارہ کتے بھی



Scanned with CamScanner

آ کر کلاس میں بیٹھے بلکہ لیٹے رہتے تھے اور باقاعدگی سے حاضری لگواتے۔ ایک دن استاد صاحب کلاس میں داخل ہوئے اور ایک سفید کتے کو دیکھ کر چلائے۔
''کم از کم اس بد بخت کو تو نکال دو۔ یہ دو سال سے ایک ہی کلاس اٹینڈ کر رہا ہے۔''

## گیس کا بل

رحمان صاحب نے بیٹے کو جھڑکتے ہوئے کہا۔
''اگر آئندہ تم نے بند کچن میں گیس کا چولہا کھول کر خودکشی کی کوشش کی تو میں تمہارا سر توڑ دوں گا۔ اس مہینے کا گیس کا بل دیکھا ہے تم نے؟''

## ذلت

ایک آدمی نے ارسطو سے کہا
''علم کی مشقت برداشت کرنے کی مجھ میں تاب و طاقت نہیں۔''
ارسطو نے جواب دیا۔ ''پھر ساری زندگی ذلت برداشت کرتے ہو۔''

## حرفِ دانش

☆ جو لوگ آپ سے اختلاف رکھتے ہیں۔ ان کے بارے میں پریشان نہ ہوں، پریشان تو ان لوگوں کے بارے میں ہوں جو آپ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن ان میں یہ بتانے کی جرات نہیں ہوتی۔

## تعریف

ام رومان ماہ نور سے۔ ''تم نے کپڑے بہت اچھے پہنے ہیں۔''
ماہ نور ''شکریہ۔''
ام رومان ''مہندی بھی اچھی لگائی ہے۔''
ماہ نور۔ ''شکریہ آپی۔''
ام رومان۔ ''پیاری پھر بھی نہیں لگ رہیں۔''

## حلال اور حرام گوشت میں فرق

امام جعفر صادق سے پوچھا گیا۔
''ذبح کیے ہوئے جانور اور مردار جانور کے گوشت میں فرق کیسے کیا جائے۔''
آپ نے فرمایا۔ ''اگر گوشت آگ کی تپش سے سکڑتا ہے تو ذبح کا ہے اگر پھیلتا ہے تو مردار کا ہے۔''

## اچھی صحت کا راز

دادا جی نے اپنی 100 ویں سالگرہ کا جشن منایا۔ ہر ایک نے اچھی صحت اور چاق و چوبند جسم کا راز جاننا چاہا۔
دادا جی نے کہا۔ ''میں آپ کو اپنی کامیابی کا راز بتاتا ہوں، میری بیوی اور میں نے پچھتر سال پہلے شادی کی تھی۔ ہماری شادی کے دن ہم نے ایک وعدہ کیا تھا کہ ہمارے بیچ جب بھی کوئی جھگڑا ہوگا تو جو غلط ثابت ہوگا، وہ سزا کے طور پر پانچ کلومیٹر پیدل چلے گا۔ اور میں ان پچھتر سالوں میں تقریباً روزانہ پانچ کلومیٹر پیدل چلتا رہا ہوں۔''
''لیکن تمہاری بیوی بھی ٹھیک اور صحت مند ہے۔'' ایک دوست نے پوچھا۔
دادا جی نے کہا۔
''میری بیوی مجھے چیک کرنے کے لیے میرے پیچھے پانچ کلومیٹر چلتی ہے کہ چل رہا ہوں یا پارک میں بیٹھا ہوں۔''

## انکشاف

اسلام فرانس کا دوسرا بڑا مذہب بن چکا جہاں چھ کروڑ کی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد پچاس لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔ زیادہ تر لوگ شمالی افریقہ اور عرب ممالک اور ترکی سے تعلق رکھتے ہیں۔
مساجد کی تعداد پندرہ سو پچاس ہے۔ ان میں تیرہ بڑی مساجد ہیں۔ جن میں نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔ یہ مساجد سعودی عرب اور مراکش کی مدد سے تعمیر کی گئی ہیں۔ اسکولوں میں مسلمان بچیوں کو اسکارف پہننے سے روکا جاتا ہے۔



Scanned with CamScanner

# خواتین کی ڈائری

امت الصبور

زرینہ خانم کی ڈائری سے

احمد مشتاق کی یہ غزل آپ سب کے لیے

لاغر ہیں جسم رنگ ہیں کالے پڑے ہوئے
بالوں پہ گرد پاؤں میں چھالے پڑے ہوئے

اس معرکے میں عشق بچارا کرے گا کیا
خود حسن کو ہیں جان کے لالے پڑے ہوئے

اس دہر کی کشادہ دری پر نہ جائیے
اندر قدم قدم پہ ہیں تالے پڑے ہوئے

یہ جو بھی ہو بہار نہیں ہے جناب من
کس وہم میں ہیں دیکھنے والے پڑے ہوئے

شیشے کے اک گلاس میں نرگس کے پھول ہیں
اک میز پر ہیں چند رسالے پڑے ہوئے

عالیہ خان کی ڈائری سے

بعض نظمیں ایسی ہوتی ہیں جنہیں پڑھ کر جی چاہتا ہے کہ رات کے آخری پہر کی خاموشی میں کسی سلاخ زدہ کھڑکی کے درزیچے سے سر لگا کر اس کے گرد کردار بنے جائیں۔ عمار اقبال کی ایسی ہی ایک نظم پیش خدمت ہے۔

محبت، دشت فرقت میں
بنا رخت سفر چلتے ہوئے
کسی مجذوب کے
دل سے نکلتا ایک نوحہ
محبت، راستوں کے جال میں
بھٹکا ہوا راہی
کسی کے بام پہ ٹھہرا ہوا
ایک اجنبی چہرا
محبت، بارشوں کے موسم میں
یاد کی کایا
محبت، جلتے، بہتے
راستوں پر پھیلتا سایا

حنا گل کی ڈائری سے

مجھے اقبال عظیم کی یہ غزل زندگی کی حقیقی تصویر پیش کرتی محسوس ہوتی ہے۔ دل چاہا کہ اپنی پسند آپ سب کی نذر کروں، امید ہے آپ کو بھی پسند آئے گی۔

مجھے اپنے ضبط پہ ناز تھا، سر بزم رات یہ کیا ہوا
مری آنکھ کیسے چھلک گئی، مجھے رنج ہے یہ برا ہوا

مری زندگی کے چراغ کا یہ مزاج کوئی نیا نہیں
ابھی روشنی ابھی تیرگی نہ جلا ہوا نہ بجھا ہوا

مجھے جو بھی دشمن جاں ملا، وہی پختہ کار جفا ملا
نہ کسی کی ضرب غلط پڑی نہ کسی کا تیر خطا ہوا

مجھے کیوں نہ سمجھ سکے یہ اپنے دل ہی سے پوچھیے
مری داستان حیات کا تو ورق ورق ہے کھلا ہوا

جو نظر بچا کے گزر گئے مرے سامنے سے ابھی ابھی
یہ مرے ہی شہر کے لوگ تھے مرے گھر سے گھر ہے ملا ہوا

مجھے اک گلی میں پڑا ہوا کسی بد نصیب کا خط ملا
کہیں خون دل سے لکھا ہوا، کہیں آنسوؤں سے مٹا ہوا



Scanned with CamScanner

## بقیہ ہمارے نام

شمارہ مٹھاس بھری چم چم کی طرح پسند آیا۔
جنوری کے سرورق پر ایک حسین سی مکمل دلہن تھی جس کا روپ دیکھ کر اس کے دشمن جل کر راکھ ہو رہے تھے۔ عروج عالم، عائشہ شبیر اور عمارہ صفدر کے افسانے بہت پسند آئے وہیں منشا محسن علی کا ناولٹ بہت زبردست لگا اور یہ شمارہ زعفران سے تیار کردہ چیسے کی طرف پسند آیا۔
فروری کی ماڈل کا اوور آل سوٹ بہت پیارا تھا۔ عنبرین ابدال کا مکمل ناول کافی دلچسپ تھا وہیں تہنیت آفرین ملک کا افسانہ اچھا لگا اور یہ شمارہ دیسی گھی کے تیار کردہ موتی چور کے لڈو کی طرح پسند آیا۔
مارچ کی چھوکری شادی سے پہلے سسرال سے آئی عید کے جوڑے میں پھر بھی بہت اچھی لگی ورنہ چلتر سی نند نے سستا سا جوڑا خرید کر دیا تھا۔ حمیرا علی کا مکمل ناول بہت ہی اچھا تھا وہیں راشدہ رفعت کا افسانہ زیادہ پسند آیا اور یہ شمارہ پستے سے تیار کردہ فرنی کی طرح پسند آیا۔
تو یہ تھا سالانہ تبصرہ جسے پڑھ کر آپ کے منہ میں پانی آیا یا نہیں یہ اپنے تبصروں میں ضرور بتائیں۔
پیاری فرخندہ: آپ کا مکس مٹھائی کا ٹوکرا ہمیں بہت مزیدار لگا، ویسے بھی میٹھا ہماری کمزوری ہے۔ بہت محنت سے پورے سال کے شماروں پر تبصرہ کیا۔ اس کے لیے تہ دل سے شکریہ۔

مسکان فاطمہ...... کراچی

میں آپ سے مودبانہ درخواست کرنا چاہتی ہوں کہ مجھے آپ کا ڈائجسٹ اپنے یوٹیوب چینل پر اپلوڈ کرنے کی اجازت دی جائے۔ میرا مقصد اس مواد کو اچھے انداز میں لوگوں تک پہنچانا ہے، نہ کہ کسی قسم کا غلط استعمال۔
اگر آپ اجازت دیں تو میں مکمل طور پر آپ کے شرائط وضوابط کی پابندی کروں گی۔ آپ کے ادارے کا نام اور وہ تمام معلومات واضح طور پر ویڈیو اور ڈیسکرپشن میں درج کروں گی جو آپ چاہیں گے۔
ج: مسکان آپ ہرگز یہ نہ کریں!! ادارے کی پالیسی کے مطابق کسی کو بھی پرچے کو یوٹیوب پر اپلوڈ کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہمیں پتا چلا ہے کہ کچھ لوگ یوٹیوب پر پرچا اپ لوڈ کر رہے ہیں۔ ادارہ ان لوگوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر رہا ہے۔

ناہید اسماعیل...... کراچی

عید کی آمد آمد ہے، کبھی وہ دن تھے کہ عید کا نام ہی دل میں خوشیوں کے پھول کھلا تا تھا، نئے کپڑے، مہندی، چوڑیاں اور عیدی۔ بھلا کوئی ایک خوشی تھی، اور سب سے بڑی خوشی اپنے پیاروں کا ساتھ۔ میرے خیال میں زندگی میں سب سے اہم یہی ہے، اس سے بڑی خوشی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ خوشیاں اور رونقیں تو ان پیاروں کے وجود سے تھیں جو ہم سے رخصت ہو گئے ایسے بچھڑے کہ سارا شہر دل ویران کر گئے اب کوئی بھی تہوار دل کو خوش کرنے کے بجائے اداس کر دیتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ خوشی کا تعلق دل سے ہوتا ہے دل غم آشنا ہو تو ہر خوشی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔
اس رب کریم کی عنایتوں پر غور کروں تب ذہن کے پردے پر یہ سوال ابھرنے لگتا ہے کہ کہیں میں ناشکری کی مرتکب تو نہیں ہو رہی اور پھر شرمندگی کا احساس اس سوچ کو گہرا کر دیتا ہے کہ جو حاصل اور موجود ہے، اس پر بھی تو بے پناہ شکر گزاری بنتی ہے۔ جو اس نے لے لیا وہ اسی کی امانت تھا۔ ہم تو محض امین تھے۔ دعا ہے جو نعمتیں حاصل ہیں ان کا شکر ادا کر پائیں۔
جو عزیز ہستیاں ساتھ ہیں پاس ہیں، محبتوں کے ساتھ ان کا خیال اور قدر کر سکیں۔ خوشی کے پھول سبھی کے لیے اکٹھا کر سکیں۔ آمین
ٹائٹل کی ماڈل ویلوٹ کے خوب صورت سوٹ اور نازک سی جیولری میں خاصی دلکش لگی۔
عام طور پر لوگ وصیت اور وراثت کے مسائل کے بارے میں زیادہ علم نہیں رکھتے ایسے میں "کرن کرن روشنی" کے ذریعے اس اہم ترین موضوع پر معلومات فراہم کر کے آپ نے ہم قارئین پر احسان کیا ہے۔ اللہ آپ کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین
"ابتہال" کی تیسری قسط بھی زبردست رہی قصر جلال کے راز و اسرار تحریر کی کشش دوبالا کر رہے ہیں۔ دلربا فیضان کے ساتھ مل کر شاہزل کو قتل کرنے پر تلی بیٹھی ہے دوسری طرف آنکہ کو کسی کے قتل پر مجبور کیا جا رہا ہے، وہ مسز ظہیر پلان کو کیسے پورا کرے گی میرال اور ابتہال کے لیے شاہزیب کی نفرت مزید کیا غضب ڈھائے گی؟ یہ سب جاننے کا انتظار ہے قسط کے صفحات کی تعداد بڑی اطمینان بخش ہے ہمارے لیے، ایسی ہی رکھیے گا پلیز۔
"بازی گدہ" میں شاہد گیلانی دولت کے بل بوتے پر بازی جیتتے نظر آئے لیکن اس دولت سے وہ بیٹی کی سانسیں بچا پائیں گے یا نہیں۔ راحین اپنی انا کے خول میں



Scanned with CamScanner

ہو فواد ہمبر میں زوبی امیر زادی۔ فواد پر بہت ترس آیا جو ستارے جھلملاتے ہیں، عمیرا علی کی اچھی کاوش تھی مگر کرداروں کے مشکل ناموں نے الجھن میں ڈالا۔ ان کے معنی یقیناً اچھے ہوں گے لیکن پڑھنے میں تھوڑے عجیب تھے۔ ہمارے خیال میں لبنیٰ کا مرنا ضروری نہیں تھا۔ اس بے چاری کا بھی خوشیوں پر کچھ نہ کچھ تو حق تھا۔ تحریم کا کردار اچھا لگا۔ نصرہ کی بری تربیت بھی اس کی شخصیت میں کوئی بگاڑ پیدا نہیں کر سکی اور سالف صاحب کب اچھے انسان تھے البتہ قسمت کے زور آور تھے جو اتنے ظلم ڈھا کر بھی خوشیوں کے حق دار بن بیٹھے۔

کانچ بن اور دھاگہ کی یونیک سی اصطلاح کے ساتھ منشا محسن نے خوب رنگ جمایا۔ درنایاب نے درست فیصلہ کیا۔ عباد پر بہت غصہ آیا عجیب نامعقول تھا ارے بھئی جس کے عشق میں جلا تھے اسے سامنے دیکھ کر پہچان بھی نہ سکے۔ دل کر رہا تھا کہ اسے عقل کے اندھے کے لقب کے ساتھ کان کے نیچے دو لگا آئیں۔ ہاہا

ثمین صداقت کا خوب صورت سہل انداز گھر کی صورت میں دل کو چھو گیا۔ نہ محبوب اور محبت کے روایتی جھمیلے نہ ساس بہو کی اری ٹیٹ کرتی ہوئی سازشیں۔ ایسے میں رشتوں کی ڈور مضبوطی سے تھامے بہتے پانی کی سی روانی لیے اس کہانی میں ہم بھی ان کے ساتھ سبک سبک رواں رہے۔ عیدی ایک پیاری اور بامقصد تحریر تھی۔

ہائے داوے پیاری راشدہ جی کو ہمارا یہ پیغام ہے کہ ٹھیک ہے آپ افسانہ لکھیں لیکن ہمیں آپ سے طویل تحریر چاہیے ہر ماہ نہ سہی ایک ماہ کے گیپ پر بھی ہم راضی ہیں۔ ہاہا

عیشہ عائش کی خوشیوں بھری عید دل کو بھائی دونوں بھائیوں کے درمیان ایک چھوٹی سی رنجش نے انا کی دیوار اس قدر اونچی کر دی کہ دوریوں نے دل میں گھر کر لیا۔ ویلڈن۔ ایک ویلڈن نظیر فاطمہ کے لیے بھی بنتا ہے مختصر تحریر میں انہوں نے خاندان کو جوڑے رکھنے کا جذبہ، بڑوں کا احساس، اپنوں سے خلوص و محبت بھرا برتاؤ سبھی کچھ سکھا دیا۔ اچھی کوالٹی کی بہو واقعی اچھی تھی لیکن ذرا کم سیان کی ایک کوالٹی اچھی نہیں لگی کہ محترمہ نے رشتے والوں سے جھوٹ بولا پھر اس جھوٹ کو سچائی کا روپ دینے کے لیے نند کو آن لائن کام کا مشورہ دیا اور نند صاحبہ مان بھی گئیں۔ اصولاً ایسے لالچی رشتے والوں کو صاف جواب دینا چاہیے تھا تاکہ ان کی لالچ کو بڑھاوا دیتا۔

سیدہ کا افسانہ اچھا لگا۔

انشا جی کی تحریر ہو اور لب نہ مسکرائیں ایسا کب ہوا ہے بھلا۔ رابعہ رضوان سے باتیں اچھی لگیں سوال نمبر چھ کے جواب پر ہم معنی خیز سا مسکرا دیے سمجھ جائیں ارے سمجھ بھی جائیں۔

اس بار رائٹر کا انٹرویو نہیں تھا یقیناً سروے کی وجہ سے۔ ہم نے بہت مس کیا سروے پسند آیا لیکن کافی مختصر لگا۔

جویریہ عالم کا باورچی خانہ اچھا لگا ان کی دال قیمہ بنانے کی ترکیب بھی الگ سی لگی۔ موسم کے پکوان نے عیدی کی تیاری مکمل کر دی لیکن ہم بتائے دے رہے ہیں کہ ہم نے صرف شیر خرما بنانا ہے اور بیف کوفتہ بریانی بنائی ہے جس میں کوفتوں کا سائز مٹر کے دانے سے ذرا ہی بڑا ہوتا ہے اور سیا امی کے کھٹو کی خاص ڈش تھی جو صرف امی بہت اچھا ہم سے بنالی تھیں۔ ہم پہلی بار بنائیں گے یا خراب کریں گے یہ آنے والا وقت بتائے گا ہاہا۔ مہندی کا رنگ گہرا کرنے کا نسخہ ہمارا آزمودہ ہے۔ سحر عمیرا اور فرخندہ سلیم کی ڈائری اچھی لگی، بیاض میں نعیمہ بیگ کا شعر پسند آیا ایسا لگا جیسے ہمارے کراچی کے لیے کہا گیا ہے۔ ثمین عزیز تمہیں ساری ڈل کو چھو گئیں فرخندہ سلیم ماشاء اللہ۔ نفسیاتی الجھنیں میں بہنوں کے مسائل پڑھ کر ان کے لیے دعا کی۔ عدنان بھیا کے لیے بھی بہت دعائیں نکلتی ہیں دل سے۔

اپنی پیاری محفل میں پہنچے تو آپ کے جواب نے دل کی تمام کلیاں کھلا دیں اب پتا نہیں دل میں کلیاں تھیں بھی کہ نہیں (ہاہاہا) بس یہ ہے کہ ہمیں کچھ کھلا کھلا سا لگا۔

پیاری آپی ہم بھی لکھنے کا سوچتے تو ہیں لیکن اپنی قابلیت سے اچھی طرح واقف ہیں سو جب بھی جوش سے اٹھتے ہیں کچھ دیر بعد سر منہ ڈال کر بیٹھ جاتے ہیں ہاہا۔ البتہ کوشش ضرور کریں گے۔

یہ اپنی فرخندہ کہانیاں لکھنا کب شروع کریں گی سروے کے جوابات اور تبصرہ تو ان کا واہ واہ۔ صدف اور ریحانہ چودھری پھر سے غائب۔ فرحانہ ممتاز بس اب ثابت ہو گیا کہ آپ کے سائیڈ کی مٹی میں مزاح ہے تب تو ہمیں بھی اس مزاح کا مزہ چکھاتی رہا کریں پلیز۔

رضوانہ وقاص کی صحت یابی کے لیے دل سے دعا ہے۔ عشاء مشا سسٹرز کا خط بڑا معصومانہ لگا، سلمیٰ مسرت،



Scanned with CamScanner

صائمہ علی اور حسینہ یاسمین کے خط و تبصرے اچھے لگے۔ خطوط کی تعداد اس بار خاصی کم رہی۔ فرزین چودھری کا خط بہت اچھا لگا ان کی پھپھو نے ان کی خاطر بے مثال قربانی دی بے شک وہ بڑے اجر کی حقدار ہیں۔

ج: پیاری ناہید! تبصرہ تو ہمیشہ کی طرح بہت اچھا ہے۔ آپ کی تحریر کی روانی قابل داد ہے لگتا ہے جیسے کوئی جھرنا بہہ رہا ہو۔ صاف شفاف رواں تبصرہ پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔

ثروت امجد......مری

اب زمانہ اتنا تیز ہو گیا ہے ڈائجسٹ پڑھنے کی وہ رفتار نہیں رہی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ڈائجسٹ ریڈنگ چھوٹ جائے گی کچھ جو نئے ناول قسط وار آ رہے ہیں، ان میں بھی کرداروں کی اتنی بھرمار ہوتی کہ پڑھے نہیں جاتے۔

ایسے میں ایک ناول پچھلے مہینے شروع کیا تو وہ ختم ہی نہیں ہو رہا تھا ایک دن تنگ آ کے دیکھا کہ یہ کس نے لکھا ہے تو وہ سمیعہ عمیر کا تھا تو سوچا کہ یہ تو اچھا لکھتی ہے۔ جب ناول میں دلچسپی پیدا ہوئی تو سوچا کہ کہیں یہ قسط وار نہ ہو۔ تو جب آخر میں دیکھا باقی آئندہ تو اتنی خوشی ہوئی کیونکہ احتیاطاً مارچ کے ڈائجسٹ پہلے ہی منگوا لیے تھے رمضان کی وجہ سے موقع ہی نہیں مل رہا تھا مگر اب جب پڑھ رہی ہوں تو اس ناول نے باندھ لیا ہے اور اتنا اچھا محسوس ہو رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ خوشی بھی ہو رہی ہے کہ اپریل کا مہینہ اور نئی قسط بھی جلد ہی آنے والی ہے۔

ج: پیاری ثروت! بہت شکریہ ان شاء اللہ ہم اگلا ناول سمیعہ عمیر کا ہی لگائیں گے۔

علشمہ النساء لکھتی ہیں

میں ایک قلم کار کی حیثیت سے عرصہ دراز سے اردو ادب کے ساتھ جڑی ہوئی ہوں۔ مجھے لکھنے اور کہانیوں کے ذریعے قارئین کے دلوں تک پہنچنے کا شوق ہے۔ اسی جذبے کے تحت میں نے حال ہی میں اپنا ایک ناول مکمل کیا اور بڑے شوق و اعتماد کے ساتھ آپ کے موقر رسالے کو ارسال کیا تھا۔

چونکہ آپ کا جریدہ ہمیشہ سے نئے لکھاریوں کے لیے رہنمائی اور رہبر ثابت ہوا ہے اور بے شمار قلم کار آپ کے پلیٹ فارم سے متعارف ہو کر آج نمایاں مقام رکھتے ہیں اس لیے میری بھی خواہش تھی کہ میرا ناول آپ کے معزز قارئین تک پہنچے اور آپ کی قیمتی رائے سے مجھے اپنی تحریر میں مزید نکھار لانے کا موقع ملے۔

ج: پیاری علشمہ! ہم آپ کا ناول ضرور پڑھیں گے اور اچھا ہوا تو شائع بھی ضرور ہو گا لیکن آپ کا ناول ہمیں موصول نہیں ہوا۔

آپ نے ڈاک سے بھیجا تھا یا ای میل کیا تھا؟ اگر ای میل کیا تھا تو دوبارہ سینڈ کریں۔

سلمیٰ مسرت......راولپنڈی

اس بار رمضان کی بے حد مصروفیت اور اسلام آباد کی پولن الرجی نے خوب نڈھال کیا۔ شعاع بھی لیٹ ملا جب میرا درس اختتام کی جانب اور قیام اللیل قریب تھے تو۔ شعاع میں خط اور سروے دونوں غائب تھے اسی لیے ڈر تھا کہ شاید خواتین کو بھی نہیں ملے ہوں گے۔ بہر حال آج الحمد للہ دعا کی تقریب بہت شاندار رہی۔ طبیعت بہت خراب تھی لیکن جیسے ہی خواتین ہاتھ میں آیا الحمد للہ دل میرا کھل اٹھا کیونکہ سروے اور خط دونوں موجود تھے شکریہ بہت شکریہ ہمیشہ خوش اور آباد رہیں۔

آدھی رات کا وقت ہے۔ نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے سوچا کہ کیوں نہ آپ سے دو باتیں کر لیں۔ دن میں تو میرے شرارتی بچے کچھ نہیں کرنے دیتے اس بار ٹائٹل عید کے مطابق نہیں ہے، بہنوں کی محفل اور سروے میں حاضری دی۔

فرخندہ کی بات ٹھیک ہے کسی اور سلسلے کو ڈراپ کر کے نئے سلسلے شروع کریں اگر سالگرہ نمبر میں کسی پیاری سی رائٹر کا نیا ناول شروع کر دیں تو کیا بات ہے ویسے ابتہال اپنی جگہ بنا رہا ہے صدف سالگرہ نمبر میں حاضر ہو جاؤ باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ۔

صدف ناصر......گوجرانوالہ

مارچ کا "عید نمبر" بہترین سرورق پر مشتمل عید کی خوشی بڑھا گیا۔ شکر ہے "اے آئی" ماڈلز سے بچ گئے۔

"کہنی سنی" میں "عید الفطر" کا ذکر بے حد بھایا سب کو بھی عید مبارک۔

"کرن کرن روشنی" وصیت کے متعلق تفصیلی بیان و مسائل ملاحظہ کیے۔ اس ماہ ویسے "عید الفطر" کا موضوع بھی اچھا رہتا۔ زاہدہ رضوان سے مل کر اچھا لگا۔

"رنگ عید کے" بہنوں کا سروے سلمیٰ مسرت، رضوانہ اور حامدہ بیگم کے ہمراہ پسند آیا۔

"ہمارے نام" کی اداس محفل میں گئے۔ ڈاک



Scanned with CamScanner

سسٹم کی بدولت ہمارا تبصرہ ندارد ہوا۔

بہرحال ناہید اسماعیل سے ملاقات نے اداسی ختم کر دی۔ کس قدر شاندار، ایماندار اور جاندار تبصرہ کیا ہے ناہید نے۔ (ہاہاہا) اور جانے والوں کے لیے ناہید نے جو کچھ کہا ، ہمارے بھی یہی احساسات رہتے ہیں۔ فرحانہ مہناز ہم سے ناراض ہیں شاید۔ ہم سے بات کرنا چھوڑ دی۔

سلمیٰ فضرزت کی بات سے دل جھوم جھوم اٹھا کہ "ہمارا تبصرہ پڑھنا ہو تو جھدف کا تبصرہ پڑھ لیا کریں۔ اہل خانہ کو دکھایا، حاسدین نے برے برے منہ بنا کر چڑایا۔ (ہاہاہا)

عشا، مشا، فرزین اور صائمہ علی کے تبصرے دل کو بھائے۔ نہیں کچھ بھایا تو ریحانہ چودھری کا غائب رہنا۔ ہر تیسرے ماہ ایک تبصرہ لکھتی ہیں۔ لو میری بہنو اس پر گزارہ کرو۔ (ہاہاہا)

پورے ڈائجسٹ پر بھاری ناولٹ "کانچ بٹن اور دھاگا" پڑھا۔ منشاء محسن کا انداز تحریر بہت ہی مسحور کن اور شاندار ہے: موسم، پرندے، کردار، احساسات سب ہمیں اس پریشان حال زندگی سے دور لے گئے۔ کہ جہاں سے پلٹتے ہوئے بڑی پریشانی ہوئی۔ "تاب" کا کردار بہترین اور مثالی رہا۔ کیا بیٹی کیا بہن اور بیوی ہر رشتہ اس نے ٹوٹ کر نبھایا۔ پھر بحیثیت ماں بھی ایک مثال قائم کر دی۔

ایک بات پر غور کریں کہ ہماری رائیٹرز کا انداز بیاں بڑا ہی کلاسیکل ہوتا جا رہا ہے ماشاء اللہ نزل کوثر کی رعنا ہو یا ذرتاناب ہر تحریر اور کردار کلاسیکل، ناقابل فراموش۔ یہ تبدیلی خاصی خوش آئندہ ہے کم از کم ساس بہو ، پھوپھو اور چچی۔ ممانی کی سیاستوں سے تو نجات ملی۔

"بازی کدہ" تو "کر چلے جان نثار ہم" سے بھی چار ہاتھ آگے نکلا۔ سفینہ عمیر کو قاری کے ذوق کا بخوبی اندازہ ہو گیا۔ گھریلو سیاستوں سے مبرا تحریریں رکھ کر انہوں نے ہمارے دل جیت لیے۔

پہلے "اویس" اب "فواد" دونوں ہی بہادر، صاف گو اور خوددار ہیرو۔ ساتھ ہی انقلابی بھی۔

"راحین" کے لیے بہت دل دکھا۔ اللہ کرے اس کا حال اپنی ماں جیسا نہ ہو۔ غزالہ اور رشید صاحب کی محبت اور کیمسٹری خوب ہی بھاتی ہے۔ غزالہ کتنی اچھی بیوی ہے، ہر طرح کے حالات میں شوہر کا حوصلہ بڑھاتی ہے۔

"ستارے کھلکھلاتے ہیں" پہلا صفحہ بڑے شوق سے شروع کیا۔ پھر اس کے بعد توبہ کر لی۔ یہ کیا بھئی عجیب تو

غریب ناموں کی بھرمار کر دی رائیٹر نے۔ تغریم سالف، نفرہ، وہاجا، یدان شمیر، پتا نہیں کس سیارے کے نام ہیں پاکستان اور مسلمانوں میں تو نہ کبھی سنے نہ پڑھے۔ باقی اہل خانہ قارئین بھی معذرت کر گئے۔ (گھر کے باقی 2 قاری) لہذا معذرت۔

بندہ اچھے اچھے پیارے نام ہی دے دیتا ہے۔ باقی کسی کو ان ناموں سے کیا مطلب کہ جی ان کے مطلب اچھے ہیں یہ یا برے۔

"افسانے" کی بات تو ہم بڑھ چڑھ کر کریں گے۔ کیونکہ ہماری پسندیدہ صنف ہے۔ اول نمبر پر ثمین صداقت کا "گھر" رہا۔ اس افسانے نے دل گداز اور آنکھیں بھگو دیں۔

پتھروں کے گھروں کو تو مکین ہی آباد کرتے ہیں۔ مگر جب مکین ہی پتھر ہو جائیں تو گھر کہاں آباد ہوتے ہیں۔ بہرحال رباب کی کوششیں بار آور ثابت ہوئیں گھروں کے مکین لوٹ آئے۔ رونقیں بحال ہو گئیں۔

"اچھی نہیں یہ دوریاں" بچوں نے بہترین حکمت عملی کے ساتھ دونوں گھروں کی دوریاں ختم کر دیں۔

"خوشیوں بھری عید" بھی ایسی ہی تحریر رہی۔ بچوں نے مل کر پلاننگ کے ساتھ بڑوں کو پھر سے ایک کر دیا۔ عجیب ہیں ویسے ہمارے بزرگ بھی۔ بقول شاعر:۔

عجیب روایت ہے میرے بزرگوں کی
پگڑیوں کو سروں سے عزیز رکھتے ہیں

ساجدہ رمضان کی "اچھی کوالٹی کی بہو" بہت پسند آئی۔ جبکہ ساس کو اچھی نہیں لگی تھی۔ (پہلے پہل)

"مقروض" تو سیدھے سبھاؤ سر سے گزر گئی۔ دوبارہ پڑھ کر شاید سمجھ آ جائے۔ مگر آج چاند رات ہے ، ہزاروں کام ادھورے پڑے ہیں۔ تبصرہ لکھ کر ہی یہ مکمل ہو پائیں گے۔ (ہاہاہا)

میاں صاحب بھی ہمیں دیکھتے ہیں کبھی ہمارے تبصرے کو اور فرماتے ہیں۔ کبھی ہم سے تو اتنی باتیں نہیں کیں۔ لو جی! جھوٹا الزام ہے۔ جبکہ ہم اتنا بولتے ہیں کہ کیا ہی کوے بولتے ہوں گے۔ (ہاہاہا)

"مستقل سلسلے" موسم کی رعنائیوں کو بھی مات دے رہے ہیں۔ تیسرا عشرہ شروع ہونے کی نوید ہوئی، بارشیں، سرد ہوائیں اور میٹھی دھوپ شروع ہو گئی جو اب تک جاری و ساری ہے نظمیں غزلیں حماز بارہ بنکوی کی غزل اچھی لگی۔



Scanned with CamScanner

"رنگا رنگ پھول" کی سبھی چیزیں خوب صورت، خوشبودار اور دلفریب ہیں۔ خاص طور پر کھجور کی اہمیت جبکہ عوام الناس کی اکثریت بس رمضان میں کھجوریں کھاتی ہے۔
"آپ کا باورچی خانہ" جویریہ عالم کے ساتھ اچھا لگا۔
"موسم کے پکوان" تمام شمارے پر سبقت لے گیا۔ ہر ریسپی زبردست اور ماؤتھ واٹرنگ ہے۔ شکریہ واصفہ!
"نفسیاتی ازدواجی الجھنیں" دل سے اچھی لگیں۔ عدنان بھائی کے جوابات اور مشوروں سے بھی اختلاف نہیں ہوا۔
اس ماہ حمیرا شفیع شرکت فرما نہیں ہیں۔
ج: پیاری صدف! تبصرہ پڑھ کر لگا یوں جیسے آپ نے ہمارے دل کی باتیں کہہ دی۔
ویسے ایک بات ضرور کہیں گے کہ آپ کم گو لگی ہیں۔
میاں حضرات تو بیویوں کے بولنے سے عاجز رہتے ہیں۔ آپ کے میاں صاحب آپ کے بولنے کو ناپسند نہیں کرتے۔ تو دو ہی باتیں ہیں کہ آپ بہت کم بولتی ہیں۔ یا آپ اتنا اچھا بولتی ہیں کہ وہ زیادہ سے زیادہ سننا چاہتے ہیں۔
ہمارے خیال میں دونوں ہی باتیں درست ہیں۔
آپ کے خط پڑھ کر لگتا ہے کہ آپ بہت اچھا اور معقول بولتی ہوں گی اور آپ کے میاں صاحب باذوق ہیں کہ وہ آپ کی باتوں کو پسند کرتے ہیں۔
لائبہ فواد...... گاؤں بدرگہ ضلع صوابی کے پی کے
آپ کے رسالے کی آمد میرے لیے ہمیشہ ایک خوشبو بھری صبح کی طرح ہوتی ہے۔ ایسی صبح جس میں دھوپ تیز نہیں ہوتی مگر روشن بہت ہوتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے زندگی کی بھاگتی ہوئی سانسوں کے بیچ لمحہ رک کر میرے دل نے کہا ہو۔
"آؤ خود سے ذرا مل لو۔ تمہیں بھی تو حق ہے کچھ لمحے اپنے نام کرنے کا۔"
جیسے لفظوں میں لپٹی خاموشی روح کو ہنسنا سکھا دیتی ہے۔ آپ کے رسالے میں شامل ہر مضمون، ہر ناول افسانہ کالم ایسا ہے جیسے کسی نے دھیرے سے دل کی کھڑکی کھول کر تازہ ہوا اندر چھوڑ دی ہو۔ کہیں رشتوں کی گرہیں سلجھتی ہیں، کہیں عورت کی خاموش طاقت ابھرتی ہے کہیں کسی کردار کی آنکھوں میں سے بہتی ہوئی نمی ہماری آنکھوں کی دھند صاف کر دیتی ہے۔
کئی بار تو یوں لگتا ہے جیسے آپ کی ٹیم صرف تحریریں نہیں چھپتی۔ دلوں کی بکھری ہوئی کہانیاں چھپتی ہے۔ یوں کہ جیسے کسی نے ریت میں دبی ہوئی دھڑکنیں چن کر ایک صندوق میں رکھ دی ہوں۔ اس کیفیت کو لفظوں میں سمیٹوں تو کچھ یوں کہنے کو جی کرتا ہے۔
"یہ جو تم نے لکھا ہے نا...... یہ صرف لکھا نہیں گیا۔ یہ تو دل کی دھڑکنوں سے تراشا گیا ہے۔"
"آپ نے عورت کے دل، اس کے دکھ، اس کی صبر بھری چمک اور اس کی اندرونی روشنی کو جس احترام سے پیش کیا ہے، وہ واقعی کم لوگوں کا نصیب بنتا ہے۔
کئی بار تو ایسا ہوتا ہے کہ میں کسی تحریر کا آخری جملہ پڑھتی ہوں، رسالہ بند کرتی ہوں اور دیر تک سوچتی رہتی ہوں کہ آخر یہ تحریریں دل تک کیسے اتر جاتی ہیں؟ کیا یہ سادگی ہے؟ کیا یہ تہذیب ہے؟ کیا یہ سچائی ہے؟ یا شاید وہ خلوص ہے جو لفظوں میں سانس بن کر چلتا ہے۔
یہ تحریریں ہم عورتوں کے لیے ایسا آئینہ ہیں۔ جس میں صرف چہرہ نہیں اندر کی پوری کہانی نظر آتی ہے۔ وہ کہانی جو ہم دنیا سے چھپاتے ہیں۔
"اللہ کرے خواتین کے الفاظ کی نرمی کبھی کم نہ ہو اور اس کے الفاظ میں چھپی ہوئی روشنی کبھی نہ دھندلائے شاید کہیں وہ کسی کے دل تک پہنچ سکیں۔ اگر میری تحریر میں جو کہ ارسال خدمت ہے میں کہیں وہ نرمی وہ تہذیب، وہ سچائی اور احساس موجود ہو جو کہ خواتین ڈائجسٹ کی پہچان ہے۔ تو یہ میرے لیے باعث اعزاز ہو گا۔ خواہش شہرت کی نہیں شرکت کی ہے۔ ان چراغوں کی قطار میں ایک چھوٹی سی لو جلانے کی جو آپ برسوں سے محبت اور شعور کے روشنی سے روشن کرتے آئے ہیں۔ اور وہ کسی نے خوب کہا ہے۔
"میں نام لکھوانے نہیں آیا، میں صرف ایک لفظ رکھنا چاہتا ہوں، ان دلوں کے درمیان جو پہلے ہی اجالوں سے بھرے ہوئے ہیں۔
ج: پیاری لائبہ! ہمیں ہر ماہ بڑی تعداد میں خط موصول ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہماری قارئین بہت ذہین ہیں۔ بہت خوب صورت انداز میں لکھتی ہیں آپ کا خط بہت خوب صورت ہے، آپ نے درحقیقت نثر میں شاعری کی ہے۔ آئندہ بھی خط ضرور لکھیں۔ ہمیں آپ کے خط کا انتظار رہے گا۔ لیکن تبصرہ کہاں ہے؟

☆☆



Scanned with CamScanner

# موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

## حیدرآبادی قبولی بریانی

اشیاء:

| | |
|---|---|
| چنے کی دال | ایک کپ |
| چاول | تین کپ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| سرخ مرچ | ایک کھانے کا چمچہ |
| ادرک لہسن | دو کھانے کے چمچے |
| پسا گرم مسالہ | ایک کھانے کا چمچہ |
| ہرا دھنیا پودینہ | آدھا کپ |
| تیل | ایک کپ |
| لیموں کا رس | تین کھانے کے چمچے |
| ہری مرچ | چھ عدد |
| دودھ | آدھا کپ |
| زردے کا رنگ | ایک چٹکی |
| دہی | ایک کپ |
| پیاز | چار عدد |

ترکیب:

چنے کی دال آدھا گھنٹہ بھگو کر رکھ دیں پھر ابال لیں، گل جائے تو اتار لیں۔ دانے کھلے کھلے رہیں۔ دہی میں نمک اور سرخ مرچ ملا کر پھینٹ لیں۔ تیل میں پیاز براؤن کر کے دال ڈال کر دو تین منٹ فرائی کریں۔ ادرک لہسن ڈال کر بھونیں پھر ہلدی اور سرخ مرچ ملا دہی ملا دیں۔ ہری مرچ اور تھوڑا ہرا دھنیا پودینہ ڈال کر پانچ منٹ پکا کر اتار لیں۔

چاولوں کو ثابت گرم مسالہ ڈال کر ایک کنی ابال لیں۔ اب ایک پتیلے میں آدھے چاول ڈال کر دال کا تیار آمیزہ ڈالیں پسا گرم مسالہ چھڑک دیں، لیموں کا رس بقیہ ہرا دھنیا پودینہ، ہری مرچ ڈال کر بقیہ چاول بھی اس کے اوپر پھیلا دیں۔ پھر آدھا کپ دودھ میں زردے کا رنگ ملا کر اس کے اوپر ڈال کر دم پر رکھ دیں۔ مزے دار قبولی بریانی تیار ہے۔

## مٹر مٹن مسالہ

ضروری اشیاء:

| | |
|---|---|
| بکرے کا گوشت | آدھا کلو |
| مٹر | آدھا کلو |
| پیاز | دو عدد |
| ادرک لہسن | دو کھانے کا چمچہ |
| دہی | ایک کپ |
| سرخ مرچ | ایک کھانے کا چمچہ |
| نمک | حسب ذائقہ |
| دھنیا | ایک چائے کا چمچہ |
| ہلدی | چوتھائی چائے کا چمچہ |
| ہرا دھنیا | آدھی گٹھی |
| تیل | ایک کپ |

ترکیب:

تیل میں گوشت فرائی کر کے نکال لیں۔ اب اسی تیل میں پیاز، سرخ مرچ، پسا ہوا ادرک لہسن، نمک، پسا دھنیا، ہلدی اور دہی ڈال کر اچھی طرح بھون لیں۔ اس کے بعد اس میں گوشت ڈال کر دو منٹ تک اور بھون لیں۔ دو کپ پانی ڈال کر گوشت گلنے کے لیے رکھ دیں۔ گوشت گلنے پر مٹر ڈال دیں، دس منٹ بعد بھون لیں اتنا کہ تیل اوپر آجائے۔ ہرا دھنیا ڈال کر اتار لیں۔ مزیدار مٹن مٹر مسالہ تیار ہے۔ پراٹھوں کے ساتھ مزا دوبالا کریں۔

☆☆



Scanned with CamScanner

# آپ کا باورچی خانہ

سمیرا سلیم فیصل آباد

جب سے خواتین ڈائجسٹ میں یہ سلسلہ شروع ہوا ہے تو دل مچل مچل کے کہہ رہا ہے کہ اس میں شرکت کی جائے لیکن ہمت نہیں کی اب اچانک دل چاہا تو کاغذ قلم پکڑ کر بیٹھ گئی۔ کہ کچھ بھی ہو آج تو اس سلسلے میں شامل ہونا ہی ہے، سوا اپنے کچن کے ساتھ "سمیرا سلیم" فیصل آباد سے حاضر ہے۔

سوالات کے جوابات ترتیب وار حاضر خدمت ہیں۔

(1) کھانا پکاتے وقت خواتین کے لیے یہ بہت مشکل سوال ہے کہ آج کیا پکایا جائے۔ میری چھوٹی سی فیملی ہے۔ میں میرے ہسبنڈ اور ایک ہماری پیاری سی بیٹی نمرہ سلیم تو میں اس بات کا خیال رکھتی ہوں کہ جو بھی پکاؤں وہ سب خوش ہو کے کھائیں۔ کبھی تو اس کوشش میں کامیاب ہو جاتی ہوں اور کبھی نہیں۔ اس لیے اگر ایک دن بیٹی کی پسند کا کھانا بناتی ہوں تو دوسرے دن کوشش کرتی ہوں کہ اس کے "ڈیڈ" کی پسند کا بناؤں، ویسے وہ تو جو بھی میں پکاؤں آرام سے کھا لیتے ہیں۔ کبھی اعتراض نہیں کرتے۔

ویسے میں کوشش ضرور کرتی ہوں کہ کھانا غذائیت سے بھرپور ہو اور صحت کے لحاظ سے فائدہ مند بھی ہو۔ گوشت کے ساتھ سبزیاں اور دالیں پسند کے حساب سے بناتی ہوں اور میری پسند ناپسند تو ان کے ساتھ ہی چلتی ہے۔ اور میں صرف ایک سبزی نہیں بناتی ہوں اور وہ ہے ٹنڈے، بچپن سے لے کر آج تک نہ میں نے کھائے اور نہ ہی پکائے۔

(2) اب تو یہ بات لازمی ہو گئی ہے کہ جب بھی کسی کے گھر مہمان بن کر جائیں تو فون شون کھڑکا کے جائیں، اس لیے ہمارے اکثر مہمان تو فون کر کے ہی آتے ہیں اس لیے مجھے اچھی خاصی تیاری کا ٹائم مل جاتا ہے اور میں آرام سے ہر چیز تیار کر لیتی ہوں لیکن اگر کوئی مہمان اچانک بھی آجائے تو کوئی پرابلم نہیں ہم ابھی آپ کو مزے دار سا کھانا کھلا سکتے ہیں بھئی ہمارے مہمان ہیں تو ہم خاطر شاطر تو اچھی ہی کریں گے اور مجھے میزبانی کر کے بہت خوشی ہوتی ہے۔

تو جناب ذکر ہو رہا تھا فوری ڈش کا تو جی فریزر میں سے گوشت کا پیکٹ نکال کر پانی کے نیچے فوراً گھلنے کے لیے رکھ دیں کیونکہ ایک آدھ پیکٹ تو فریزر میں ضرور ہی موجود ہوتا ہے اور میں بھی رکھتی ہوں۔ اتنے میں لہسن، پیاز، ٹماٹر، ادرک، ہری مرچیں وغیرہ کاٹ لیں اور گوشت دھو کر پریشر ککر میں ڈالیں اب سب چیزوں کو ڈال کر، نمک، سرخ مرچیں، ہلدی حسب ضرورت پانی ڈال کر ککر بند کر دیں اور وسل کے دس منٹ چلنے کے بعد گیس بند کر دیں۔

اگر گوشت گل گیا ہو تو کوکنگ آئل ڈال کر اچھی طرح بھونیں اگر نہیں گلا تو پانچ منٹ کے لیے دوبارہ پریشر ککر لگائیں ساتھ میں روٹی بھی بناتی جائیں۔

آخر میں دھنیا، ادرک، ٹماٹر وغیرہ باریک کاٹ کر چھڑک دیں اور ڈش میں نکال لیں مزیدار ڈش مہمان کے لیے تیار ہے۔ ایک سالن تو روز روٹین میں بنتا ہی ہے ساتھ میں وہ رکھ سکتے ہیں۔

(3) اگر کچن صاف ہو گا تو وہاں پر بننے والی



Scanned with CamScanner

چیزیں بھی معیاری اور صاف ہوں گی اور کام کرنے کو بھی دل کرے گا لیکن اس کے لیے صفائی تو ہمیں خود ہی کرنی پڑے گی۔ اس لیے سبزی بناتے ہوئے کھانا پکاتے ہوئے ساتھ ہی چیزیں سمیٹ لیں تو بہتر ہوتا ہے۔

ان کے ساتھ ہی کیبنٹ کی صفائی بھی ہونی لازمی ہے۔ اس کے لیے میرا کوئی خاص ٹائم مقرر نہیں ہے جب موڈ ہو گیا تو ایک دفعہ ہی شروع ہو جاتی ہوں اور سارے کیبنٹ صاف کر کے ہی دم لیتی ہوں اس کے علاوہ اوون اور کوکنگ رینج کی صفائی تو روز ہی ہوتی ہے۔

(4) صبح کے ناشتے میں ہمارے (انہیں) تو صرف اور صرف پراٹھا ہی پسند ہے ساتھ میں لسی، سالن وغیرہ یعنی دیسی ناشتہ اور میں بھی ساتھ ہی کرتی ہوں تو وہی کھاتی ہوں۔

صبح کا آغاز ہمارا بیڈ ٹی سے ہوتا ہے اور بیٹی جب اسکول جاتی ہے تو ناشتہ نہیں کرتی لیکن گھر میں ہو تو فرمائشی پروگرام چلتا ہے اور ہر اتوار کو ناشتہ بازار سے آتا ہے یہ ہماری روٹین میں شامل ہے۔ اس لیے چھٹی کا دن ریڈی میڈ ناشتے سے شروع ہوتا ہے اور بھئی ہم بھی تو تھک جاتے ہیں تو اس طرح ہمارا خیال رکھا جاتا ہے۔ اور ہم ان کا خیال رکھتے ہوئے ان کی پسند کا کھانا بناتے ہیں۔

(5) گھر سے باہر کھانا کھانے کا ہم سب کو شوق ہے۔ اس لیے کوئی موقع ہو یعنی میری سالگرہ، نمرہ کی سالگرہ یا پھر ہماری ویڈنگ اینورسری تو ضرور باہر جاتے ہیں اور خوب انجوائے کرتے ہیں۔

نمرہ کو تو پیزا، برگر، چپس وغیرہ پسند ہیں اور سردیوں میں خاص طور پہ چکن کارن سوپ، جو کہ میں گھر میں بھی بناتی رہتی ہوں۔ وہ کہتی ہے ماما سوپ بنائیں اور وہ بھی ڈھیر سارا تو اس کی فرمائش اکثر پوری کرتی ہوں۔ اور اگر باہر جانے کا موڈ نہ ہو تو کھانا پیک کروا کر گھر ہی لے آتے ہیں۔

(6) کھانا پکاتے وقت ڈش کا انتخاب کرنا سب سے مشکل ہے اور موسم کے لحاظ سے ہی پکتی ہے۔ اور ویسے بھی بے موسم سبزیوں کا ذائقہ نہیں ہوتا۔ اس لیے جیسے کہ خوب گرمی کے موسم میں کریلے گوشت کے ساتھ نمکین لسی، سلاد مزہ دیتے ہیں اسی طرح برسات میں پکوڑے کھانے کا جو مزہ ہے وہ دھوپ بھرے دن میں نہیں ہے، اسی لیے موسم کو دیکھ کر ہی کھانے پکانے کا موڈ ہوتا ہے۔ ویسے جتنی میں سگھڑ ہوں اس کے بارے میں ایک واقعہ شیئر کرنا چاہوں گی۔

جیسا کہ آج کل ساون بھادوں کا موسم ہے تو موسم کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے اعلان کیا کہ آج بیسن کی روٹیاں بناؤں گی تو پہلی دفعہ بنا رہی تھی تو میں نے سوچا کہ خوب مزے دار اور کراری بنیں تو جی خوب نمک مرچیں وغیرہ ڈالیں اور جب روٹیاں پک کر آئیں تو میں ہی زیادہ بے تاب تھی کھانا شروع کیا تو جناب سب کی سی سی۔

سلیم صاحب بولے مرچیں کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ بس پھر کیا تھا کھانا کھایا ہی نہیں گیا میں نے میٹھا دہی رکھا کہ شاید کچھ اثر کم ہو جائے پر جی کہاں تھوڑا سا کھا کر اٹھ گئے۔ چلو جی برسات کا مزہ تو آیا ویسے میں پھر سوچ رہی ہوں کہ پھر بیسن کی روٹیاں بناؤں۔ آپ کھائیں گی کیا؟

(7) بھئی اگر محنت وصول کرنی ہو تعریف کی صورت میں تو پھر کام بھی زیادہ کرنا پڑے گا اور اچھے طریقے سے کیا ہوا کام خود ہی بتا دیتا ہے کہ کتنی محنت ہوئی ہے۔ اچھا سا کھانا پکا کر اسے اچھی طرح سرو کرنے سے کھانا اچھا بھی لگتا ہے اور مزہ بھی آتا ہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

# نفسیاتی ازدواجی الجھنیں

**ایک دکھی بہن......کراچی**

س: ہم بہت پسماندہ علاقے میں رہتے ہیں۔ میرے والد کا دس سال پہلے انتقال ہو چکا ہے گھر میں مسائل بہت ہیں، میری عمر پینتیس برس کی ہو رہی ہے، میں سب سے بڑی بہن ہوں۔ میرے دو بھائی اور چار بہنیں مجھ سے چھوٹے ہیں صرف دو چھوٹی بہنیں باقی ہیں، باقی سب شادی شدہ ہیں۔ میرے گھر میں امی کو ہی میری فکر ہے باقی سب مجھے بھول بیٹھے ہیں، میں شکل و صورت کے حوالے سے سب سے کمتر ہوں شاید اسی لیے نظر انداز ہوں یا میری قسمت ہی ایسی ہے۔

میں نے انٹر کر کے تعلیم چھوڑ دی تھی کہ میرے ابا کے پاس وسائل نہ تھے۔ باقی کسی بہن بھائی کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہی نہ تھا، کسی نے چھ تو کسی نے پانچ کلاسیں پڑھ کر چھوڑ دی، میں نے کچھ وقت ایک اسکول میں پڑھایا بھی تھا لیکن صبح اٹھ کر جانا اور دوپہر میں لوٹنا، پھر اتنی محنت اور اتنی کم تنخواہ، دل خون کے آنسو روتا پر ہمت کر کے چھوڑ دی۔ اب کچھ عرصے سے ایک پاپڑ بنانے کی فیکٹری میں کام کر رہی ہوں۔ شام کو لوٹتی ہوں لیکن خوش ہوں دراصل وہاں ایک کام کرنے والے کولیگ سے مجھے محبت ہو گئی ہے۔ وہ بھی مجھے پسند کرنے لگا ہے۔

ہم دونوں ایک ہی لائن پر کام کرتے ہیں بس باتوں باتوں میں آگے بڑھ گئے۔ جبکہ اس کی ایک بیٹی شادی شدہ اور بچے والی ہے دوسری کی شادی ہونے والی ہے پر میں خوش ہوں کہ کوئی مجھے پسند کرتا ہے۔ اس کے چار بچے ہیں دو ابھی اسکول میں پڑھ رہے ہیں دونوں بیٹے ہیں۔

وہ کہتا ہے کہ میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں، ہم چھپ کر شادی کر لیتے ہیں۔ کسی کو کیا پتا چلے گا اور ہم گناہ گار بھی نہیں ہوں گے، پر مجھے ڈر لگتا ہے۔ میرے بھائی چھوٹے ہیں مجھ سے، سب شادی شدہ بچے والے ہیں اگر ان کو پتا چلا تو۔

وہ کہتا ہے کہ میں اپنی بیوی کو نہیں بتاؤں گا تو مجھے اس پر بھی ڈر لگتا ہے کہ اگر کبھی اس کو پتا چلے گا تو کیا ہوگا۔ میری امی اپنی زندگی میں میری شادی دیکھنا چاہتی ہیں اور ابھی دو چھوٹی بہنیں بھی باقی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں وہ کہتا ہے کہ ہمیں محبت ہے تو زمانے کو کیا پڑی ہے ہماری۔

ایک بار میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنا رشتہ لے کر ہمارے گھر آئے، پر وہ ڈرتا ہے کہ اگر میرے گھر والوں نے رشتہ منظور نہ کیا تو وہ مجھے اس فیکٹری میں کام نہیں کرنے دیں گے۔ میں بھی یہ سوچتی ہوں کہ کہتا تو ٹھیک ہی ہے پر دل نہیں مانتا، کیا کروں کچھ سمجھ میں ہی نہیں آتا۔

ج: آپ کسی کے کہنے پر کان نہ دھریں۔ پینتیس سال عمر اتنی زیادہ نہیں ہے کہ اس کے لیے آپ ایک ایسے

انسان سے شادی کریں جو آپ کو کچھ بھی نہیں دے سکتا۔ نہ نام، معاشرے میں عزت نہ محبت، جو رشتہ وہ استوار کرنا چاہتا ہے۔ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اس کی محدود تنخواہ ہے۔ جس میں اس کو اپنے بیوی بچوں کا خرچ بھی اٹھانا ہوتا ہے۔ آپ شادی کے بعد کہاں رہیں گی۔ لامحالہ گھر کرائے پر لینا پڑے گا۔ کرائے کا بوجھ بھی آپ پر پڑے گا۔ آپ ہی کو اٹھانا پڑے گا وہ آپ کے پاس چوری چھپے آئے گا کچھ دیر کے لیے۔ اس کے چار بچے ہیں۔ اس کو مزید بچوں کی چاہ بھی نہ ہوگی۔

کیا آپ ساری عمر فیکٹری میں کام کرتی رہیں گی؟ اگر شادی کے بعد اس نے چھوڑ دیا۔ تو آپ کیا کریں گی؟

آپ کے گھر والے اگر اس رشتے پر نہ مانے اور آپ نے ان کی مرضی کے بغیر شادی کی تو وہ بھی آپ کا ساتھ نہ دیں گے۔ ایسے بہت سارے سوالات ہیں۔ جن کے تسلی بخش جواب نہیں، آپ اچھی طرح سوچ لیں۔
دوسری بات یہ ہے کہ آپ کی عمر اتنی زیادہ نہیں ہے۔ آپ کو اچھا رشتہ مل سکتا ہے۔ آپ کی امی کسی رشتہ کرانے والی خاتون سے رابطہ کریں، آپ کے لیے اور آپ کی چھوٹی بہنوں کے لیے بات کریں۔

## بشریٰ جاوید......کراچی

س: میں جس کوچنگ میں پڑھنے جاتی ہوں، وہاں ایک لڑکا پڑھتا ہے۔ میں نے نوٹ کیا وہ اکثر مجھے دیکھتا رہتا ہے۔ مجھے اس کی یہ بات اچھی نہیں لگی، ایک دن میں ہمت کر کے اس کے پاس گئی اور اس سے پوچھا۔ وہ مجھے کیوں دیکھتا ہے، وہ صاف مکر گیا کہنے لگا کہ مجھے غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایسا کچھ نہیں۔ دو دن بعد اس نے میرے فون پر میسج بھیجا جس میں اس نے لکھا کہ میں اسے بہت اچھی لگتی ہوں۔ میں نے پوچھا اسے میرا نمبر کس نے دیا تو اس نے میری کلاس فیلو کا نام لیا۔ میں نے فون آف کر دیا۔
ان کے بعد اس کے لگا تار میسج آ رہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے اب مجھے بھی وہ اچھا لگنے لگا ہے۔ میرا اب پڑھائی میں بھی دل نہیں لگتا۔ ہر وقت اس کے خیالوں میں کھوئی رہتی ہوں۔ مجھے مشورہ دیں کیا کروں۔ میں انٹر کی طالبہ ہوں۔ اور میری عمر اٹھارہ سال ہے۔

ج: اچھی بہن! اللہ تعالیٰ نے صنف مخالف کے درمیان کشش رکھی ہے۔ کم عمری میں انسان پر جذبات کا زیادہ غلبہ ہوتا ہے۔ عقل و شعور کم ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو دیکھنے میں اچھی لگے۔ اسے محبت سمجھ لیتا ہے۔ جبکہ یہ وقتی کشش ہوتی ہے۔ آپ کی اور اس کی دونوں کی عمر ابھی بہت کم ہے۔ اسے زندگی میں بہت کچھ کرنا ہے۔ اس نے کہیں وہ پڑھائی میں دل لگائے۔ اور آپ بھی اپنی پڑھائی پر توجہ دیں۔ دوران تعلیم اس طرح وقت ضائع کرنے سے عمر بھر پچھتانا پڑے گا۔
آپ تو پھر بھی لڑکی ہیں۔ لیکن اسے پڑھ لکھ کر کچھ بننا ہے۔ ایک فیملی کا بوجھ اٹھانا ہے آپ اس کی بالکل حوصلہ افزائی نہ کریں۔ اس طرح کی محبتیں پائیدار نہیں ہوتیں۔ آپ اس سے تعلق نہ بڑھائیں پہلے اسے کچھ بننے دیں۔ آپ بھی اپنی تعلیم مکمل کریں۔ پھر سوچیے گا آگے کیا کرنا ہے۔

☆☆



Scanned with CamScanner

امتُ الصبور

# بیوٹی بکس

## پروین اعظم......راولپنڈی

س: وزن کم کرنے کا کوئی آسان اور گھریلو نسخہ بتائیے ورزش اور ڈائٹنگ میرے بس کا روگ نہیں ایسا نسخہ ہو جس کے اجزاء باآسانی دستیاب ہوسکیں؟

ج: وزن کم کرنے کے لیے کھانے پینے میں احتیاط اور باقاعدگی سے ورزش کرنا بھی بے حد ضروری ہے۔ صرف گولیاں یا گھریلو ٹوٹکے وزن کم نہیں کرسکتے۔ آپ ڈائٹنگ نہیں کرسکتیں تو صرف اتنا کریں کہ کھانے سے پہلے کھیرا، ٹماٹر، پپیتا، پلیٹ بھر کر کھائیں سیب چھلکوں سمیت کھائیں اس طرح آپ کھانا کم کھاسکیں گی۔

اسی طرح اگر ورزش ممکن نہیں ہے تو آپ روزانہ آدھے گھنٹے پیدل چلیں۔ کچھ عرصہ بعد آپ خود فرق محسوس کریں گی۔

عربی عرق کا ایک گھریلو نسخہ پیش خدمت ہے۔ یہ وزن کم کرنے میں کافی مفید ثابت ہوا ہے۔

| | |
|---|---|
| پانی | ایک لیٹر |
| کٹی ہوئی سونف | دو چائے کے چمچے |
| نوشادر | آدھا چٹکی |
| چھوٹی ہڑ | ایک چائے کا چمچہ |
| سبز الائچی | سات سے آٹھ عدد |
| براؤن چینی | بیس گرام |
| پسی جاوتری | ایک چوتھائی چائے کا چمچہ |
| بڑی الائچی | دو چائے کے چمچے |

ان سب چیزوں کو پانی میں ملا کر پکائیں۔ اچھی طرح پکا کر ٹھنڈا کرلیں اور فریج میں رکھ دیں روزانہ ایک گلاس پی لیں۔ اس عرق سے نہ صرف چربی پگھلے گی بلکہ اس عرق سے آپ کے چہرے کی رنگت بھی نکھرے گی۔ چہرے کے دھبے بھی صاف ہوں گے اور آپ کے بالوں پہ بھی اچھا اثر پڑے گا۔ اس عرق کو تین سے چار دن تک فریج میں رکھ کر استعمال کرسکتی ہیں۔

## مسز کامل راجپوت......حیدرآباد

س: میری بیٹی کی عمر بائیس سال ہے اس کا رنگ گندمی ہے۔ نارمل جلد ہے۔ اس کی بقر عید کے بعد شادی ہے۔ وہ ابھی سے اپنی اسکن کا ٹریٹمنٹ کروا رہی ہے لیکن ہاتھوں پیروں کے ساتھ پیچ ذرا مہنگا ہے۔ بچی کے ہاتھوں سے زیادہ پیروں کے مسائل ہیں دھوپ میں جاتے رہنے سے اسکن رف کی ہو رہی ہے پھر لاپرواہی بھی کی گئی تو ایڑیاں بھی پھٹی ہوئی ہیں کوئی اچھی سی کریم یا نسخہ بتائیں جو ذرا کم خرچ بھی ہو، بچی کو پیروں میں مہندی لگوانا ہوگی تو پیر بھی خوب صورت تو لگنے ہی چاہئیں؟

ج: پیاری بہن عام طور پر نہاتے ہوئے پیروں کی صفائی پر توجہ نہیں دی جاتی اس سے پیروں کی جلد اثر انداز ہوتی ہے اور ایڑیاں بھی پھٹنے لگتی ہیں۔ ایک برسہا برس سے آزمایا ہوا آسان نسخہ ہے۔

نہاتے ہوئے پورے بدن کے ساتھ پیروں پر بھی اچھی طرح صابن لگائیں اور ایک نرم برش سے ناخنوں سے لے کر پورے پیر کو ہلکے ہاتھ سے رگڑیں میل کچیل کے ساتھ مردہ جلد بھی دور ہو جائے گی اس کے بعد مٹی کا جھاواں جسے پومس اسٹون بھی کہتے ہیں اس سے ایڑیوں کو آہستہ سے اسکرب کریں۔ یہ عمل نہانے کے علاوہ ہر رات کو بھی کیا جائے تو بہترین نتائج سامنے آئیں گے۔

اس کے بعد پیروں پر گلیسرین ملا عرق گلاب لگائیں، اس کے لیے پانچ چمچے عرق گلاب یا صاف پانی میں ایک چمچہ گلیسرین ملا کر ایک صاف شیشی میں رکھ لیں آج کل موسم ذرا گرم بھی ہو رہا ہے تو فریج میں رکھ لیں ورنہ تھوڑا تھوڑا اسی تناسب سے بنا کر استعمال کریں۔

پورے پیروں پر ایڑی سمیت لگائیں ایک ہی ہفتے میں نرم و ملائم پیر ہو جائیں گے۔ اگر پیروں پر سخت کھال سی جمی ہو تو چار سے چھ اسپرین کی گولیاں پیس کر اس میں تھوڑا سا پانی ملا کر پیسٹ سا بنا لیں جہاں جہاں گٹے ہیں وہاں لگائیں۔ اب پیروں کو گرم پانی میں بھیگے تولیے کو نچوڑ کر لپیٹ لیں اور پلاسٹک کے شاپر سے کور کرلیں دس سے پندرہ منٹ بعد پیر نکالیں پیر نرم شفاف نظر آئیں گے۔

☆☆